ان دنوں توفیقِ خالق سے یہ دیوان بکمال فضل خلائق میں رونما ہے
دیوان غالب
مطبع نامی منشی نولکشور واقع کانپور میں بطبع مقبول جہان ہوا

مطول ہر ایک شائق کو چھاپہ خانہ سے
بھی ارزان ہے لیکن خاص اس کتاب کے
عیرہ کی ترویج کرتے ہین تاکہ جس فن کی
سے قدر دانونکو آگاہی کا ذریعہ حاصل ہو ۔

۵) دفتر بےمثال (۶) گنج تواریخ (۷) چشمۂ فیض
(۸) قند پارسی (۹) زبان ریختہ (۱۰) قطعہ منتخب
مصنفہ مولوی عبد الغفور خان بہادر ۔ اور چند
رسالے اسی کلیات مذکور سے حسب ذیل علٰحدہ بھی
فروخت ہوتے ہین ۔

(۱) شاہد عشرت ۔ حسب مراتب بالا ۔
(۲) سخن شعرا ۔ حسب مراتب بالا ۔
(۳) گنج تواریخ حسب مراتب بالا ۔
(۴) زبان ریختہ ۔ حسب مراتب بالا ۔
(۵) قطعہ منتخب ۔ حسب مراتب بالا ۔

کلیات صنعت ۔ کلام میان کریم الدین صنعت ۔
کلیات شاہ تراب ۔ کلام عارف باللہ حضرت
شاہ تراب کاکوروی ۔
کلیات نظیر اکبر آبادی
کلیات وہبی ۔ کلام سخنور کامل منشی شیو پرشاد
نبیرہ او دھ اخبار تخلص وہبی ۔
دیوان ذوق ۔ کلام سید ابراہیم علی ذوق
دیوان فدا ۔ جلد ثانی مسمی بہ بیاض گلفشان
مصنفہ فدا حسین فدا ۔
دیوان رند مسمی بہ گلدستۂ عشق از نواب سید محمد خان رند

ب بار
ی ۔
ع امام بخش

کلیات آتش ۔ کلام خواجہ حیدر علی آتش لکھنوی ۔
کلیات نعتیہ مجید یہ مصنفہ مولوی محمد عبد المجید خان ۔
کلیات نظام ۔ از نواب مردان علی خان بہادر مرحوم ۔
کلیات امیر اللہ تسلیم ۔ از حضرت امیر اللہ شاگرد
حضرت نسیم دہلوی ۔
کلیات میر تقی ۔ اُستاد مسلم الثبوت سخنوری ۔
کلیات سودا ۔ اُستاد الاُستاد مرزا رفیع السودا ۔
کلیات انشاء اللہ خان ۔ شاعر نامی از
میر انشاء اللہ خان تخلص انشا ۔
کلیات ناسخ ۔ عمدہ کلیات جسمین دس
نادر نادر رسائل شامل ہین (۱) شاہد عشرت
(۲) سخن شعرا (۳) اشعار ناسخ (۴) مرغوب دل

ان دنوں توفیقِ خالقِ کون ومکان وفضلِ خلاقِ زمین وزمان سے
دیوان غالب
مطبع نامی منشی نولکشور واقع کانپور میں بطبع مزین مقبول جہان ہوا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بسکہ تھا ہر داغ سوزش پر تن رنجور کا
جل گیا رکھتے ہی پھایا مرہم کافور کا

دیکھے گر عالم وہ اُسکے چہرۂ پر نور کا
سنگ میں مثل شرر چھپ جائے شعلہ طور کا

وار نگشت شہادت ہے پے اثبات حق
کیونکہ دعوی کر سکے باطل کوئی منصور کا

میرے داغ دل میں ہے سوزش کہ جسکے سامنے
آفتاب حشر بھی اک قرص ہی کافور کا

لائق خارا کنی فرہاد اے شیرین نہیں
عاشقوں سے کام لیتا ہے کوئی مزدور کا

قابل بار امانت تھا تو یہ آدم ہی تھا
کب اُٹھا ارض و سما سے بوجھ اس مزدور کا

منزل مقصود تک پہونچیں گے کیونکر ہم ضعیف
پانوں اُٹھ سکتے نہیں اور ہے ارادہ دور کا

یاد آتا ہے چھلکنا ساغر مخمور کا
جادہ فرما ہے چمن شب کو جو دو میکش ہم
ہرگل مہتاب ساغر بن گیا بلور کا
کوے جاناں میں ہے دیدار سے محروم ہم
باغ جنت میں بھی منھ تکتے رہیں گے حور کا
پر پروردہ سے ہو دی کو نہیں کچھ فروغ
موم کی بتی سے کب روشن ہو گھر زنبور کا
مر گئے پر بھی ہے غافل حسرت دیدار یار

چھوٹے ہے فوارۂ خون ہر بن مو سے
ٹانکا کوئی شاید دلِ صد چاک کا ٹوٹا

مغرب سے جو خورشید ہوا آج نمایان
کیا تکمہ گلوے بتِ بیباک کا ٹوٹا

یہ سنگ حوادث فلکِ سفلہ نے مارے
ہر عضو مرے کالبدِ خاک کا ٹوٹا

دم ٹوٹ گیا بادہ پرستون کا چمن مین
گلشن مین اگر خوشہ کوئی تاک کا ٹوٹا

سو بار یم گریہ مرا جوش پہ آیا
تختہ نہ کوئی کشتیِ افلاک کا ٹوٹا

مت باندھ سرِ سنبلِ بیتاب کو ایمن
کیا لطف جو حلقہ تری فتراک کا ٹوٹا

ٹھکرایا تھا کیون اُسنے مری سنگ لحد کو
ناخن جو ترے توسنِ چالاک کا ٹوٹا

نظارۂ خوبان سے یہ آنکھین نہین سیر
رشتہ نہ ہماری نگہِ پاک کا ٹوٹا

پتال تلک سوکھ گیا موسمِ گرما
پانی نہ چہ دیدۂ نمناک کا ٹوٹا

وہ موج سبک لطمہ ہون اِس بحر مین غافل
دل جس سے نہ خار و خس و خاشاک کا ٹوٹا

ابر وہ آہ سوزان گر ہوا پر چھائیگا
ہے یقین عالم مین انگارون کا مینہ برسائیگا

میرے نالو نکلے نہ جبتک تازیانے کھائیگا
کب سمندِ چرخ کجرو راستی پر آئیگا

مقدر مین اگر ہوتا بر آنا مطلب دل کا — نہ رہجاتا مری جانب کو جھککر ہاتھ قاتل کا

نہین آسان تڑپتے دیکھ سکنا ہمسے بسمل کا — یہی باعث ہی جو منھ پھر گیا شمشیر قاتل کا

غبار شمت مجنون کو بھی لیلی ہی محبت تھی — بگولا جو اٹھا اُسنے نچوڑا ساتھ محمل کا

طرف گرداب کے کھینچے ہی دست موج دامن کو — جو بحر عشق سے کرتا ہی کوئی قصد ساحل کا

وہ سرو دلفریب آیا ہی بہر سیر اے قمری — مقام رشک ہی ہونا چمن مین سرو مائل کا

زمین عشق مین ہم دانہ ہا اشک بوتے ہین — بجز لا حاصلی خرمن نہین کچھ اپنے حاصل کا

وہ شاہ ظلم پیشہ حسن کی دولت مین گم ہے — کہ جسکو داد خواہون پر گمان ہوتا ہی سائل کا

بیابان گردی مجنون کا پھر ہی شور صحرا مین — چکا دی پاے خفتہ کو ہمارے غل سلاسل کا

وہ آئینے مین صورت دیکھکر اپنی یہ کہتا ہی — نہین ہی آج دنیا مین کوئی میرے مقابل کا

چھڑایا ایک ہی تلوار مین زندان ہستی سے — دہان زخم سے وجہ ہی مجکو شکر قاتل کا

تقرب ہی اگر منظور تو مل دور باشون سے — کہ میل راہ سے اکثر نشان ملتا ہی منزل کا

بہار خط خوبان سے ہین آثار خزان پیدا — عبث تو شیفتہ ہی اسقدر اس خط باطل کا

عزیز اس سے نکلیے گر وہ مانگو جان شیرین بھی — جواب تلخ سے دل توڑیے ہرگز نہ سائل کا

قتل عشاق پہ باندھی نہین گر تمنے کمر
ہر طرف کو ہے یہ پھر گنج شہیدان کیسا

کیون نہ مظلومی دلبر مجھے رونا آئے
گھر گیا جا کے میان صف مژگان کیسا

اسکے ہر بوسے مین ہم پاتے ہین شکر کا مزا
ہے ذقن کا تری ای شوخ نمکدان کیسا

گرتے ہی چشم سے آنسو کا ملا پھر نہ پتا
رل گیا خاک مین یہ گوہر غلطان کیسا

پشت پا توڑ کے نکلا جو چبھا تلوے مین
تیز اس دشت کا ہی خار مغیلان کیسا

ناخن دست جنون کی ہین کہون کیا تیزی
چاک سینے کو کیا اسنے گریبان کیسا

نہ زمین ہوتی ہی شق اور نہ فلک پھٹتا ہے
نالہ کرتا ہے تو غافل شب ہجران کیسا

درد آشنا جہان مین کوئی مجھسا کم ہوا
گر غیر بھی ہوا تو مجھے اسکا غم ہوا

گو میرا ہاتھ لکھنے کی بابت قلم ہوا
تسپر نہ شوق نامہ نویسی کا کم ہوا

انمین سے ایک کی بھی نہ آئی ہمین خبر
جو قافلہ روانہ ملک عدم ہوا

کیا کیا نہ سرکشون کی ہان گردنین جھکین
پیدا نہیں اسکا نیچہ جب علم ہوا

جبتک درست وضع نہ تھی ایک سنگ تھا
ہمنے تراشا تب کہین وہ بت صنم ہوا

غافل نہ جسکی یاد سے مین ایک دم ہوا

حال فراق جیمین ہمارا رقم ہوا

نکلا نہ داغ دل سے ہمارا تو کوئی کام
نہ وہ چراغ دیر نہ شمع حرم ہوا

مضمون

مضمون سوز دل جو لکھا خط میں یار کو
کاغذ بھا پھر اک دریا کی طرح سے

نالاں تھا جو نہیں اک جہان جسکے ہاتھ سے
لکھا جو میں نے واقعۂ دل کا ماجرا

کھولا لفافہ اُسنے تو شعلہ علم ہوا
آنسو تھمیں نہ نامہ ہمارا رقم ہوا

باندھی جفا پر اُسنے کمر اب ستم ہوا
گریاں ہوئی دوات تو نالاں قلم ہوا

غافل کو کام کچھ نہیں ان اہل جاہ سے
اُسکی بلا سے کوئی اگر ذی حشم ہوا

مردے زندہ ہوتے ہیں اعجاز یہ ہے چال کا
نالہ کش زیر قدم ہے دل کسی پامال کا

جامۂ شبنم سے بھی جس گل کا چھلتا ہو بدن
چاہتا ہے یہ غرور حسن اے رشک پری

ہو گئی صرف خزاں اے گل بہار باغ
سر پہ اک دن اضطراب دل قیامت لائیگا

بسکہ رہتا ہے ہمارے مرغ دل کا منتظر
قم باذنی ہے مگر نالہ تری خلخال کا

درد آگیں ہے جو شیون یار کی خلخال کا
چاہیے کیا ایسے نازک تن کو کپڑا جھال کا

ہاتھ میں جو روز کج ہو پایہ تیرے سکمپال کا
جب سے دیکھا رنگ تیرے چنیے رومال کا

حشر کے آثار ہیں آنا بہت بھونچال کا
دیدۂ مشتاق ہے ہر ایک حلقہ جال کا

جرم بے حد سے مرے غافل تا کجا لکھیگا وہ
ہاتھ تھک جائیگا آخر کاتب اعمال کا

کس طرح یکسو ہے دل مجھ پریشان حال کا

مرگئے پر یان ہی حیوانون سے بدتر آدمی
حب زر کا ہے مآل کار تاریکی قلب

بوسۂ لب کب شکر خورون سے وہ رکھی دریغ
فیض صحبت تیرہ بختون کو اثر کرتا نہین

کفش پا مین بھی نہین مصرف ہی اسکی کھال کا
یعنی ہوتا ہی سیہ دیوار و در ٹکسال کا

طوطی خط کو دیا ہو جسنے دانہ خال کا
مزرعۂ خط مین ہو کب سر سبز دانہ خال کا

آشنائے بحر الفت جیسے اسے غافل ہین ہم
سونس کا اندیشہ ہے ہمکو نہ ڈر گھڑیال کا

مجلس افروز جو شب چہرۂ جانانہ ہوا
استخوان تن مجنون نے کہین کھائے ہون

نشۂ مے نے کیا بند دو عالم سے رہا
چین ابرو مین نرکھ تو کہ برا عیب ہی یہ

فرق خوردی سے کب آتا ہی بزرگی مین حرمی
کس توقع پہ کرے خدمت محبوب کوئی

خلوت قدس مین جا ملتی ہی مجذوبون کو

گردن شمع کو خنجر پر پروانہ ہوا
سگ لیلے کو یہ ہم سنتے ہین دیوانہ ہوا

خط آزادی ہمین تو خط پیمانہ ہوا
کاٹتی کم ہے وہ جس تیغ مین دندانہ ہوا

داخل سبحہ ہے چھوٹا بھی اگر دانہ ہوا
تار گیسو سے رفو کب جگر شانہ ہوا

وہی اسکا ہوا جو آپ سے بیگانہ ہوا

اشتیاق رخ و گیسو مین ترے دل میرا
سوانگ لایا کبھی آئینہ کبھی شانہ ہوا

کام آیا نہ برے وقت کوئی اے غافل
جسکو سمجھا تھا مین اپنا وہی بیگانہ ہوا

رات چہرے پہ جو وہ طرۂ جانانہ ہوا
اک تو دیوانہ تھا مین اور بھی دیوانہ ہوا

خواب میں عمر کٹی اور صبح کا آغاز ہوا
عہد پیری میں بھی غفلت نہ گئی اپنی دریغ
کب چھٹا قید سے کب قابل پرواز ہوا
میں گرفتار بلا مرغ قفس نے اول کی طرح
کون سے وقت فلک تفرقہ پرداز ہوا
اُسکا دم بھرتے ہیں خفا وہ بت طناز ہوا
ہی ہوتی نہیں ہی ہمدم ہی عمر دراز ہوا
حال دل جسکے چھپانا تھا میں اپنا غافل
جیسے ہیں شیفتہ نرگس گلنار ہوا
آنکھ نرگس پہ چمن میں نہیں پڑتی میری

یاد میں اس کف رنگیں کے یہ خون رو یا میں	غیرت صحن گلستان مرا کاشانہ ہوا
کسنے اُلٹا رخ رنگیں سے چمن میں پردا	رشک یاقوت جو شبنم کا ہر اک دانہ ہوا

قصہ درد مرا جسنے سُنا ہو غافل
کب پسند اُسکے بھلا اور کا افسانہ ہوا

آفت جان نہ فقط یار کا انداز ہوا	جی کے دشمن ہیں سبھی غمزہ ہوا ناز ہوا
توسن ناز کی کیوں باگ نہیں لیتے ہو	خون سے گلرنگ تو میدان تگ و تاز ہوا
کونسا وصل کا اسلوب تھا میرے انکے	ان تو بیچ تو مرا کام خدا ساز ہوا
کیوں نہ تجھ سے ہم آئینہ دل کو توڑیں	کب یہ شایان نگاہ غلط انداز ہوا
نالہ کش جسکی جدائی میں رہا میں برسوں	ایکدم بھی نہ مرا آکے وہ دمساز ہوا
کھیل ہی یار کو ٹھوکر سے جلانا مُردے	فخر کیا اسکا جو عیسیٰ سے یہ اعجاز ہوا
جبسے آہنگ سنی اُسنے مرے نالے کی	پھر نہ مرغ چمنی زمزمہ پرداز ہوا
بوے گل آتی ہی اب تک مرے پیراہن سے	وصل کی رات لپٹنا ترا غماز ہوا
پاس بٹھلاتی ہی لیلی ترے دیوانے کو	قیس دل خستہ کا کس رحم زہے اعزاز ہوا

چہرہ اُسکے قد موزوں کا پڑا تھا سایہ
وہ نہال چمنی سرو سزاوار ہوا
ہمتو از خود نہ کبھی خواب لحد سے اٹھے
پند میں شور قیامت فلک انداز ہوا
جو نگہ نکلی تری چشم سے اک سحر ہوئی
جو سخن نکلا ترے لب سے وہ اعجاز ہوا
لگ اُٹھی آگ گلستاں میں مرے نالے سے
برق صد خرمن گل شعلۂ آواز ہوا
کوے جاناں کا تصور ... ہوا
بند آنکھیں ... ہوا
اپنے پہلو میں ... ہوا
ناشنوں ... ہوا
وصل ... غافل

[illegible]

پے زینت دلا کا جل کا تل آ سنے بنایا ہے
غضب ہوگا اگر بوسے سے وہ خال ذقن بگڑا

کہین شیشہ لونڈھا ہے اور کہین ہے واژگون ساغر
تری اٹھنے سے اے سرکش یہ طور انجمن بگڑا

بنائے ظلم گردون کو کیا ہے کسنے مستحکم
بنے بگڑے نئے گھر اور نہ یہ قصر کہن بگڑا

قلم ہو ئیگا اے مشاطہ تیرا ہاتھ شانے سے
اگر زلفین بنانے مین کوئی پیچ و شکن بگڑا

کیا وہم مری جان سے کسنے زلف مشکین کو
جو مجھسے بطرح یہ لشکر شاہ ختن بگڑا

ہوا فق سے ہر اک شے زیب دیتی ہے زمانے مین
لگی بہشتی جہان آئی یہ جا تو پیرہن بگڑا

عجب انداز سے انگڑائی لی اُس مست صہبا نے
نہ سینہ کج ہوا اُسکا نہ اک ذرہ دہن بگڑا

اگرچہ مین نے دو غزلین کہین اس بحر مین غافل
بناوٹ اسکو کہتے ہین نہ انداز سخن بگڑا

رہی قدر شرافت کیا زمانے کا چلن بگڑا
رزالے اینٹھتے پھرتے ہین ایسا بانکپن بگڑا

ہوئے پر بھی ہے ہو ممنون نقاش محبت ہم
بنا تصویر دے یار جو حرف کفن بگڑا

گذارا کعبہ و بتخانہ مین ہو کسطرح میرا
ادھر تو شیخ بگڑا ہے ادھر ہی برہمن بگڑا

خرابی اس بنائے ہستی فانی کی مت پوچھو
حباب آب جو کی طرح بنکر قصر تن بگڑا

پیکان ہے یار بن ہمین ہر قطرہ آب کا
باران تیر ہے یہ برستا سحاب کا
اک دن تو قصد کیجیے تماشای آب کا
تڑپے ہی موج آنکھون مین ہی حباب کا
اندازی کی نزاکت ساقی کہ بزم مین
اٹھتا نہیں ہی ہاتھ سے شیشہ گلاب کا
نامہ مری تسلی کو کچھ تو ہی لکھ سکے

دیوان غافل ۱۰

هر صبح جو گریبان کرتا ہی چاک اپنا
کیا جانی گوش گل مین کہہ جاتی ہی صبا کیا

ناحق زبان شمع محفل کی کاٹتے ہین
اِس کم سخن نے کوئی بتلاؤ تو کہا کیا

ہنگام عرض مطلب آتا ہے یاد اسکا
تکرار سے یہ کہنا پھر کہیے تو کہا کیا

در پردہ گر نہیں ہے شوق نظارہ تمکو
چھپ چھپ کے ہو وہ غافل چلمن سے جھانکتا کیا

گر خط مین رقم وصف گیسو تبان ہوتا
اغلب کہ مرا خامہ یا رو زبان ہوتا

گلشن مین وہ خوش قامت گر جلوہ کنان ہوتا
جیون سرو ہے یہ دبے پاؤن شمشاد روان ہوتا

صحرا مین وہ گر میری زنجیر کا غل سنتا
لیلی کیطرح مجنون پردے مین نہان ہوتا

گر ضبط نکرتا مین فرقت مین تو کیا کرتا
روتا تو لہو بہتا جلتا تو دھوان ہوتا

ہے سدرہ وحشت زنجیر مری ورنہ
زندان مین نہوتا مین کیا جانے کہان ہوتا

نظارۂ خوبان کی تو بھی ہوس جاتی
حلقہ مری آنکھون کا گر آئینہ دان ہوتا

تمکین سے ترے ای بت ظاہر ہو کہ تو مجھسے
کرتا نہ کبھی باتین گو تیرے دہان ہوتا

ہم خانہ خرابونکو جو رہنے کی جا دیتا
اسکے لیے جنت مین تعمیر مکان ہوتا

اب وہ زمین معدن یاقوت ہی جہان
یکتائی چاہتی ہے یہ حسن غیور کی
کیا کیا یہان نہ شکلین نہین ربگ گئین

توڑا تھا اُس صنم نے پیالہ شراب کا
ہو بخشنے مین بھی نہ ورق آفتاب کا
ہستی بھی اک نمونہ ہی موج حباب کا

غافل اگرچہ پیش نظر کچھ نہیں ولے
آنکھوں مین پھر رہا ہی سمان شب کے خواب کا

زلفوں سے اُسنے کام لیا ہی نقاب کا
اُلٹا ہی کسنے چہرے سی گوشہ نقاب کا
خیرات بانٹتی تھی جہان چشم دُرفشان
پروانے کے حضور جلایا نہ شمع کو
ترک شراب بھی جو کرونگا تو محتسب
تیر ہی جلے ہوؤنکو اُگا خاک سے جو نخل
ظلمت نشین ہین ایک ہمین ورنہ صبحدم
اے گل عرق فشان ہو مری خاک گور پر

ہین تیرہ بخت کیون نہون کشتہ حجاب کا
جو آج اسطرف کو ہی منھ آفتاب کا
تھا دست موج بحر مین کاسہ حباب کا
بلبل کے آگے پھول نہ توڑا گلاب کا
توڑونگا تیرے سر سے پیالہ شراب کا
ہر اک ثمر مین اُسکے مزا تھا کباب کا
گھر مین ہر ایک کے ہی گذر آفتاب کا
ہے قبر پر ثواب چھڑکنا گلاب کا

دیوان غالب ۱۱

عاشق ہے آفتاب بھی اُس آفتاب کا
منھ اپنا تو نہ غافل مشتاق سے چھپا
پردہ اٹھا دے شاہد معنی حجاب کا

[illegible]

کوئی کسی سے لپٹا ہے یون سر محفل
تجھے نہ آئی حیا در مین حجاب آیا

کیا ہے شمع نے جو چاک پردۂ فانوس
کوئی تو محفل خوبان مین بے نقاب آیا

مدام مے جو پیا کرتے ہین یہ آب کی طرح
حلال مذہب رندان مین ہے شراب آیا

ہم انتظار مین قاصد کے پہونچے تا لب گور
جواب اب بھی آئے تو جانین بہت شتاب آیا

نہ ہوتا وہ تری نازکی تنی سے دریا مین

جلنے مین تیار تر ہین جگر سوختگان عشق
آتش پہ رنگ سرخ ہوا کثر کباب کا

کہتے ہین جسکو چرخ ملکو کب نجوم دان
ہے کرم خوردہ اک ورق اپنی کتاب کا

قسمت یہ نارسا ہے جسے مین نے خط دیا
وہ مرغ نامہ بر ہوا طعمہ عقاب کا

کب کا ملان فن ہون کسی سے مدد طلب
ڈھونڈھے نہ شہسوار سہارا رکاب کا

جانے دیا نہ ہمکو فرشتون نے تا فلک
نالے کو میرے حکم ہے تیر شہاب کا

محشر مین پوچھتا ہی نہین جو کوئی ہمین
کیا نامہ گم ہوا ہی ہمارے حساب کا

خاموشی مین نہ ٹال سوال فقیر کو
بہتر ہی اس ندیمی سے دینا جواب کا

وہ بادہ کش ہون گر ہون کے ہاتھ بھی قلم
جیون شاخ گل چھٹے نہ پیالہ شراب کا

تھی رنگ عارضی سے سفر زلیس ہمین
باندھا نہ ہمنے شعر مین مضمون خضاب کا

اِس خاکدان مین ہے مجھے غافل یہ آرزو
گر ہون غبار بھی تو در بو تراب کا

ہمین یہ شب پس دیوار اسکی خواب آیا
کھلی تب آنکھ کہ جب سر پر آفتاب آیا

وہ تیرہ روز ہون جسکے سیاہ خانے مین
نہ آفتاب ہی آیا نہ ماہتاب آیا

[illegible]

[illegible]

رہا نہ خالی زمانہ کبھی حسینوں سے
جو ماہتاب گیا یان سے آفتاب آیا

فراق مو کمران بسکہ رو رہا ہون
کمر تلک مری سو بار سیل آب آیا

لگا لیا اُسے آنکھوں سے اپنی خوش ہوکر
پری کے ہاتھ جو وہ حلقہ رکاب آیا

نظر نہ ٹھہرے گی خورشید حسن پر اُسکے
وہ یہ سمجھ کے مری آگے بے نقاب آیا

مین آپ جاؤنگا قاصد کی کل خبر لینے
اگر نہ آج بھی خط کا مری جواب آیا

مگر یہ دید کے قابل نہین تھا بحر جہان
عدم سے بند کیے آنکھ جو حباب آیا

قصور ہمسے تو کچھ بھی نہین ہوا غافل
یہ کیا سبب ہے کہ وہ بر سر عتاب آیا

۱۳ دیوان غافل

[illegible]

ہے زہر حق مین تیری دولت کا یہ ذخیرا
زرہ داری تو اکثر مرتا ہے کھا کے ہیرا

وہ تشنہ لب ہون کہ مین صحرا کی سمت جاؤن
چشمے تو سوکھ جائین نایاب ہو مطیرا

کسکی صفائے تن کا کشتہ ہون جو زمین مین
ہر ریزہ استخوان کا چمکے ہے جیسے ہیرا

گر تو نکو تھام سکے کیونکر وہ دست نگین
ممکن نہین کہ ہووے مرجان کا پنبہ ہیرا

سیلاب اشک میرا طوفان کرے جو برپا
اک پل مین ڈوب جا سیلان کا بھی جزیرا

[illegible]

ادم

[illegible]

آدمی کی خلعت مین جتنے ہین گو رہی گے
حیرت کی جا ہی خط رخسار ماہ رویان
رخ معدن عقیق ہی سبزہ کو دونہ جست
کیا غیر نے کیا وہ جو آپ نے نہ مانا
مستون کے سر پہ سایہ کرتا نہ ابر رحمت
ہم مفلسونکو ہرگز در چور کا نہین ہے
مژگان سے بھی گرے ہین آنسو پر اہو قسم

ہر ایک اصل انکی عنصری ہو یا کہ شیرا
کھلا ہے یاسمین مین پیدا ہوا ہے زیرا
بو مین ہے کیست اسکا پیدا جہان ہو ہیرا
اک عرض میری اصلا ہوتی نہین پذیرا
ناصح جو بادہ نوشی ہوتی گنہ کبیرا
کیا یان پڑا ہی لیگا جسکو اٹھائی گیرا
در نجف تھا آگے اور اب بنا یہ ہیرا

باشاعران پیشین غافل مرا چہ کارست
خوش کردہ ایم طرز اشعار مصحفی را

کسکی صفائے تیغ نادم ہوا ہی ہیرا
گلشن مین دیکھ تیرے دانتونکو ای گل تر
یاد صفائے ناخن دشمن ہوئی ہے جی کی
پینے مین جب جالے لی ہی زمین ہمنے

جو پردۂ زمین مین جاکر چھپا ہے ہیرا
شبنم کی طرح پانی ہوکر بہا ہے ہیرا
ہاتھون سے تیرے مجکو کھانا پڑا ہی ہیرا
خوش طالعی سے کنکر پتھر بنا ہی ہیرا

کیونکہ نالین تہ بے سطح صحرائے جنون — گل کھلائے ہین ترے ابلہ پا کیا کیا

اسی خوشی پہ تو سو باتین بنائین اُسنے — بولتا ہین تو وہ کیا جانے کتنا کیا کیا

کیون نہ ماتم کدہ دہر مین حیرت برسے — خاک مین ملگئے ہین آئینہ سیما کیا کیا

دختر رز کی ذرا دیکھیو شوخی غافل
جلوہ کرتی ہے پس پردہ مینا کیا کیا

...ے بوسی سے کہین گل کی ہے پابوس حنا — اے صبا ملتی ہے جو ونت کف افسوس حنا

...کیا ترے ہاتھ کا چوری سے لیا تھا بوسہ — ہے جو زنجیر خط دست مین محبوس حنا

...بیش ازین ہوتے تھے یہ میر لموسی رنگین — اب تو آن دست نگارین کی ہے مانوس حنا

آتشین رنگ سے اسکے یہی ڈر ہے مجکو — پھونک دیوے نہ کہین خانۂ ناموس حنا

...جگر کیون انھین غرق بخون ہو لالہ — تیرے پانونکی ہے رشک گل فردوس حنا

آتش رشک مین جل بھنکے ہوا خاکستر — پائے رنگین کی تری دیکھ کے طاؤس حنا

...پیر مرگیری سُنتے ہی کی ہاتھون سے دو — تونے بندھوائی تھی کس ساعت منحوس حنا

...ل جو گشتہ غافل کی رسائی کب ہو — جس پری کی نہ ہوئی ہو وہ قدبوس حنا

نسبت عشق سے پھر بھی تجھے شک آیا
فوج غم سے نہیں آتی ہے اگر دل پہ شکست

ضعف سے زرد اگر چہرۂ بیمار ہوا
کیوں ہمارا علم آہ نگوں سار ہوا

کتنی برگشتہ ہے تقدیر ہماری غافل
دل دیا جسکو وہی در پے آزار ہوا

بسکہ کی پاے جنوں نے مری طاقت پیدا
شرم عصیاں سے عجب کیا ہے اگر بعد فنا
جان دی اور نہ احسان لیا یاروں کا
نور سینے کا ترے وہ کوئی پا سکتا ہے
خنجر ناز سے گر ذبح کرے وہ قاتل
دود دل اپنا اگر دیں ہی رہیگا چھایا
مرتبہ دیکھکے مومن کا کہینگے کافر
خط ہمارا یہ یقیں ہے کہ جلا دیگا
عرق انفعال سے ہم نامہ لکھینگے تجکو

غل سے زنجیر کے ہے شور قیامت پیدا
سرنگوں ہوئے مرا سبزۂ تربت پیدا
مجھسا ہووے تو کوئی صاحب ہمت پید
گل مہتاب کرے لاکھ صباحت پی
خوبرویوں کو بھی ہو شوق شہادت پی
حشر تک ہوگی نہ صبح شب فرقت پی
کاش کرتے نہ ہمیں روز قیامت پ
کہ تری وضع سے ہوتی ہے شرارت
آگ دکھلاتی ہے تا ہوے عبارت

بزم مین وا جو نقاب رخ جانان ہوگا
کوئی بیخود کوئی ششدر کوئی حیران ہوگا

بوے گل مجکو ستاتی ہے قفس مین یارب
بند کب رخنۂ دیوار گلستان ہوگا

دست فریاد ہر اک قبر سے ہویگا بلند
گذر اُسکا جو سر گور غریبان ہوگا

داد گر قاضی و مفتی نہین دیتے تو نہین
خون ناحق کا مرے کوئی تو پرسان ہوگا

روز ہجران کو گھٹادے جو شب وصل کیطرح
تجھسے کیا یہ بھی نہ اے گردش دوران ہوگا

چھپکے بیٹھے گا کہان ہمسے وہ خورشید لقا
ذرونکو تو ہوگا عیان شب کو جو پنہان ہوگا

جسپہ پڑجائیگا وحشت کا ہماری سایہ
وہ بھی آوارۂ صحرا و بیابان ہوگا

مین تو طول شب ہجران سے بتنگ آیا ہون
چاک کب صبح قیامت کا گریبان ہوگا

باغ مین جلیے کیا خاک کہ اُس بن ہمسے
غنچہ بولیگا نہ گل ہی کوئی خندان ہوگا

رنج و ایذا ہی مین بہتر ہے جو گذری اوقات
یاد آئیگا وہ جب عیش کا سامان ہوگا

مزرعۂ خشک تمنا جو نہوگا سیراب
اور کیا ہمسے بھرا دیدۂ گریان ہوگا

شرر اشک جو آنکھون سے گرینگے اسیر
غیرت کاغذ آتش زدہ دامان ہوگا

ناخن دست جنونکی جو یہی ہے تیزی
چاک پھر سینہ بھی ہمراہ گریبان ہوگا

خطا وزیب عارض جانانہ ہوگیا	رونق چمن کی سبزۂ بیگانہ ہوگیا
جیون غنچہ کالبد مرا شوق شراب مین	گاہے سبو بنا گہے پیمانہ ہوگیا
اسکو بھی کیا نظارۂ عاشق کا رشک تھا	جو چشم مور روزن کاشانہ ہوگیا
آنسو جو پوچھے دست حنائی سے یار نے	یاقوت سودہ اشک کا دُردانہ ہوگیا
پھاڑے ہی کھاتا ہی ہمین دربان جو ہے اپکا	کیا آدمی سے وہ سگ دیوانہ ہوگیا
نکلا حصار حلقۂ گیسو سے پھر نہ وہ	ایک فوج صف کشیدہ جیسے شانہ ہوگیا
بزم چمن مین رات کو آیا جو محتسب	رندون کے آگے سبزۂ بیگانہ ہوگیا
ہے بیقرار شعلۂ آتش جو سنگ مین	کیا گل چراغ مرقد پروانہ ہوگیا
گلشن مین رات دیکھکے اُس رشک شمع کو	ہر ایک برگ گل پر پروانہ ہوگیا
گذرا خیال جب اُسے زینت کا باغ مین	زلفون کا اُسکے غنچۂ گل شانہ ہوگیا
خجلت سے اس نماز ریا کی یہ رتے ہم	آنسو کا دانہ سبحہ کا ہر دانہ ہوگیا

راحت نصیب وہ ہون کہ غافل ہیں فنا
کنج مزار بھی مجھے تہ خانہ ہوگیا

ہین تیرے گریہ ناک جہان و فرخاک مین — بنتا ہے ابر دان کی زمین کے غبار کا

نکلے نہ جان سوختہ تن سے تو خوب ہے — اچھا ہے قید سنگ مین رہنا شرار کا

ہے رشتہ حیات ہی سے جسم کی نمود — وابستہ ہے طلسم یہ سب ایک تار کا

آوازۂ دہل ہے انا الحق کا بولنا — منصور نٹ کا کھیل ہے چڑھنا یہ دار کا

سائل کب اہل زر سے ہو دست تہی ہرا — غنچے کے آگے ہاتھ نہ پھیلے چنار کا

ہم یاسمین زرد ہین باغ زمانہ مین — یکسان ہے رنگ اپنی خزان و بہار کا

سرمہ لگا کے یار چھپاتا ہے جھبسے آنکھ — کشتہ ہون اس بہانہ دنبالہ دار کا

کھایا بغیر صید نہ اُس ترک نے طعام — ایسا مزا پڑا ہے کباب شکار کا

ہر کشتہ کو ملے نہ یہان رتبۂ شہید — ہر ایک انتخاب نہو روزگار کا

اب تک جو بدرکاب ہے یہ توسن فلک — شاید چڑھا ہوا ہے کسی کم سوار کا

کیونکر نہ عشق چشم مین غافل گھلا کرے — بیمار کا سا حال ہو بیمار دار کا

مہیا شبنم گل مین ہو آب و دانہ بلبل کا — جو باغ دہر مین حاصل کرے رتبہ توکل کا

سامنا کرنے لگا تیغ نگاہ یار کا
بارے آئینے نے بھی اتنا جگر پیدا کیا

ہمسے کچھ پروانہ تھا جبتک کم بینائی تھی
منھ چھپایا اُسنے جب نور نظر پیدا کیا

وائے قسمت کعبۂ مقصود تک پہونچے نہ ہم
کم ہوئی طاقت اگر زاد سفر پیدا کیا

صندلی رنگت تری آخر بلائے جان ہوئی
دل لگایا تجھسے کیا اک درد سر پیدا کیا

جبین آتا ہی چمن بند قضا سے پوچھیے
کیون نہال آرزو کو بے ثمر پیدا کیا

آدمی ہے اک نمونہ قدرت اللہ کا
قطرۂ ناپاک سے ایسا گہر پیدا کیا

عاشقی کا لطف پیری مین ہین کیا فائدہ
سوز دل تو نے جو از شمع سحر پیدا کیا

میری کشت خشک پر ہے قطرہ افشانی کا قصد
حوصلہ تو نے بھی یہ اے ابر تر پیدا کیا

بنکے بجلی میرا نالہ عاقبت جسپر گرا
گر اثر پیدا کیا تو یہ اثر پیدا کیا

وصل کی شب موشگافی میری غافل دیکھنا
ڈھونڈھ کر بالون مین وہ موئے کمر پیدا کیا

تب وصف لعل لبکا ترے کچھ بیان ہوا
جب برگ گل زبان ہوئی غنچہ دہان ہوا

افسانہ خلق مین مرا راز نہان ہوا
آنسو بہا جو منھ پہ عرق کا گمان ہوا

دُر دندان کی ترے دیکھے آب — پانی پانی ہے چشمہ کوثر کا

صفِ مژگان پہ یون ہے غمزہ محیط — جیسے پلٹن پہ حکم افسر کا

خط بڑھا اور بھی مُنڈانے سے — مٹ سکے کب لکھا مقدر کا

تیرہ بختون کا نامہ بر ہے وہی — ہے سیہ رنگ جس کبوتر کا

کارفرمائی پر جو آئے عشق — کام شیشے سے لیوے پتھر کا

تاج شاہی سے ہے یہ کُلاہ نمد — بوریا تخت ہے سکندر کا

قد سے اُس گل کے کیا اُسے نسبت — کب ہے بوٹا سا قد صنوبر کا

ساق سیمین کی تب لکھوں تعریف — تار زر ہو جو تار مسطر کا

عہد مین چشم مست کے تیرے — دور دو دن رہا نہ ساغر کا

کون تھا رات کو ترا ہمخواب — پھول کھلا گیا جو بستر کا

کوچہ گردی نہین شعار ترا — سنگ بھی ہون مین تو ایک ہی گھر کا

خط شکایت کا جسمین باندھا تھا — خون مین ڈوبا وہ پر کبوتر کا

تیغ ابرو کا کیا بیان کیجے — دم پھڑکتا ہے اُسپر خنجر کا

جو بحر مین نہین ہوتا حباب درتہ آب
بلکہ تیون پہ کچھ تو عذاب درتہ آب

مین یاد کر کے گن ہون گوہان تلک رہا
کہ آگئی مری فسردہ حباب درتہ آب

وہ جلکو لب ساحل پہ آ کے کیا بیٹھا
جو کانپتا ہے پڑا آفتاب درتہ آب

تو دیکھیو جو لگاتا ہے غوطہ دریا مین
کرے کی غریق تو کامیاب درتہ آب

نظارہ کرتی ہے جو چشم حباب درتہ آب
[illegible]

غم ہجران نے مجھے مار رکھا آخر کار	ایک مدت سے یہ دشمن مری تدبیر مین تھا
رکھدیا مین نے گلا آپ ہی خنجر کے تلے	ورنہ جلاد کو تو شک مری تقصیر مین تھا
واہ رے شوق شہادت کہ دم آخر بھی	دھیان بسمل کا تری برش شمشیر مین تھا
بات مین ہمنے شرابی کی نیا یا لطف	جیسا لکنت کا مزا یار کی تقریر مین تھا

جستجو کس گل ترکی تھی مجھے اے ناقل
مین جو آوارہ ہر اک گلشن کشمیر مین تھا

ہر عضو بدن ایکسے ہر ایک ترا خوب	سینے کی صفائی سے ہے چہرے کی صفا خوب
قاصد کے بدن پر الف زخم لگے ہین	خط کا مرے لکھا یہ جواب آپنے کیا خوب
آگاہ نہین ہے کوئی احوال سے میرے	جو مجھپہ گزرتی ہے وہ جانے ہی خدا خوب
بن بن کے دہن حلقہ گیسوے مسلسل	لوٹے ہی ترے بوسہ عارض کا مزا خوب
ابتر ہوا جو شعر کہا زلف کا تیری	باندھا کوئی مضمون جو سنکا تو بندھا خوب
مدفون کیا تیری ہی گلی مین آتے آخر	پائی تری عاشق نے پس مرگ بھی جا خوب
دو چار ہی شب ماہ تو رہتا ہے نہفتہ	مدت ہوئی دیکھا نہین وہ ماہ چھپا خوب

ڈوبے رہتی ہے تیری آب [illegible]
[illegible] درتہ آب

دھوان [illegible] درتہ آب
[illegible] ہوائی [illegible]

[illegible] درتہ آب

[illegible] اے ناقل [illegible] درتہ آب

غل نہ کر یاں کون ہی فریاد رس ای عندلیب
گوش گل کے پردے پھٹ جاینگے بس ای عندلیب

کاروان گل سفر شاید چمن سے کر گیا
آج جو نالان ہی تو مثل جرس ای عندلیب

چل دکھالاؤن کسیکا عارض رنگین تجھے
گل کی صورت کو گئی ہی تو ترس ای عندلیب

چھپ کے دل کھولکر دو دن تو کر لے باغ مین
عاقبت تو ہو گی اور کنج قفس ای عندلیب

نالۂ آتش فشانکی میری مت تقلید کر
آشیانے مین ترے ہین خار و خس ای عندلیب

دزدی گل پر کمر باندھی ہی باد صبح نے
چاہیے گلشن مین اب کو عسس ای عندلیب

ایک گل بھی آجتک پہونچا نہ تیری داد کو
بہتر اس نالے سے ہی ضبط نفس ای عندلیب

ہم تو یان الجھے ہین دام الفت صیاد مین
لوٹ تو گل کے مزے اکی برس ای عندلیب

راز دل تو ہمسے اپنا کس لیے کہتی نہین
گل سوا اب کون ہی یان پیش و پس ای عندلیب

یار ہو کنج چمن ہو بادہ ہو مہتاب ہو
تب کہین نکلے مری دلکی ہوس ای عندلیب

چادر گل قبر پر اسکی چڑھانا بعد مرگ
تجھسے رکھتا ہے یہ غافل ملتمس ای عندلیب

نالۂ محزون ہی کسکا ہم نوائے عندلیب
گوش دل سے گل جو سنتا ہی صدائے عندلیب

باغباں نے جو نکالا اسکو بھی گلزار سے
سبزۂ بیگانہ تھا کیا آشنائے عندلیب

حسن ذاتی کو ہی کیا درکار زیب عارضی
غنچۂ گل کب ہی محتاج حنائے عندلیب

افسر شاہی ہے غنچہ تختۂ گل تخت ہے
سایۂ ہر برگ ہی بال ہمائے عندلیب

پیرہن میں پھر نہ وہ پھولی سمائے غم میں
عطر گل ہوئے اگر زیب قبائے عندلیب

دیکھتی بعد خزاں رُخ حسینان چمن
کچھ وفا کرتی جو عمر بے بقائے عندلیب

ہم وہ منصف ہیں کہ وصلی پر خط گلزار ہیں
رات دن لکھتے رہے ہیں ماجرائے عندلیب

وہ مریض عشق ہے ممکن نہیں اُسکی دوا
ہو زر گل بھی اگر صرف دوائے عندلیب

بلبل نالاں کو بھی جانا تھا ہمراہ بہار
کاروان گل کو لازم تھا درائے عندلیب

جوش پر ہی اسقدر خون شہیدان چمن
ہو گیا گلزار رنگ دشت کربلائے عندلیب

غنچۂ خاطر شگفتہ ہو دو اس تنگی پہ بھی
خود قفس ہو گا باغ دلکشائے عندلیب

ہم اگر تعلیم وہ ہوتے نہ اے غافل تو پھر
کون سنتا نالۂ رنگین ادائے عندلیب

گل ہے عارض تو قد یار درخت
کب ہوا ایسا بہار دار درخت

عالم تیب میں ہوں یوں غافل
باغ میں جیسے بے بہار درخت

آنے سے میری گھر کے تمہیں عار ہے عبث
ہر چاک زخم اب تو جگر تک پہونچ گیا
آتے نہیں کسیکی عیادت کو خوبرو
دشمن کے کام کرنے لگا اب تو دوست بھی
چھوجا نہ زلف سے بھی جو غدار کو
گلبن سے کم نہیں ہے یہ رنگین قفس ترا
بے یار ہو رہا ہے سیہ اندنون جہان

اقرار جب کیا تو پھر انکار ہے عبث
فکر رفوے سینۂ افگار ہے عبث
اے دل تو اس امید پہ بیمار ہے عبث
تو اے رقیب در پے آزار ہے عبث
اُس سے امید بوسۂ رخسار ہے عبث
اے عندلیب خواہش گلزار ہے عبث
در دو نکو آرزوی شب تار ہے عبث

کیا جانے چھپکے بیٹھ رہا کسکے گھر وہ شوخ
غافل خراب کوچہ و بازار ہے عبث

یاد آئے ہیں کسکو پھول سے رخسار سرخ
عارضی ہے مجھ مریض عشق کا رنگ نشاط

روتے روتے ہو گئی جو چشم دریا بار سرخ
تپ کی شدت سے ہو جیسے چہرۂ بیمار سرخ

چاک اہی غم سے گریبان کیا ہی مین نے — کون کھولیگا ترے بند قبا میرے بعد

اب تو ہنس ہنس کے لگاتا ہی وہ مہندی لیکن — خون رُلائیگا اُسے رنگ حنا میرے بعد

مین تو گلزار سے دلتنگ چلا غنچہ روش — مجکو کیا پھر جو کوئی پھول کھلا میری بعد

وہ ہوا خواہ چمن ہون کہ چمن مین ہر صبح — پہلے مین آتا ہون اور باد صبا میری بعد

اُنکے مرنے کی خبر یار مرے گھر آیا — یعنی مقبول ہوئی میری دعا میری بعد

ذبح کرکے مجھے نادم یہ ہوا وہ قاتل — ہاتھ مین پھر کبھی خنجر نہ لیا میرے بعد

میری ہی زمزمہ سنجی سے چمن تھا آباد — کیا صیاد نے اک اک کو رہا میرے بعد

آگیا بیچ مین اُس لطف کی اک مین نادان — نہوا کوئی گرفتار بلا میرے بعد

قتل تو کرتے ہو پر خوب ہی پچھتاؤگے — جھسا ملنے کا نہین اہل وفا میری بعد

برگ گل لائی صبا قبر پہ میرے نہ نسیم — پھر گئی ایسی زمانے کی ہوا میرے بعد

گر پڑے آنکھ سے شکی بھی یکایک آنسو — ذکر محفل مین جو کچھ میر ہوا میرے بعد

یہ تشمشیر ہی سوچ ہی مقتل مین مجھے — دیکھیے اب کسے لاتی ہی قضا میرے بعد

شرط یاری یہی ہوتی ہی کہ تونے غافل — بھول کر بھی نہ مجھے یاد کیا میرے بعد

ذ گریبان ہی مین حالت ہو نہ ہو دامن مین تار
ای جنون چھوڑا نہ تو نے ایک پیراہن مین تار

بیضۂ بلبل ابھی بستے ہیں مثل حباب
ہم اگر روئے کا اپنے باندھ دین گلشن مین تار

کیونکہ جائے گلشن رخسار تک مرغ نظر
حلقہ حلقہ دام کی مانند ہین چلمن مین تار

عشق بت مین ہم اُسے زنار سمجھے ای جنون
بیچ رہے گر بیک دو چار بھی گردن مین تار

بنگیا وہ ناقۂ مشکین در شانہ کشی
اُس پری نے رکھدیے زلفوں کے جس روزن مین تار

بے سبب دل سی صدائے آہ ہوتی ہے بلند
خود بخود رہتا ہے سارے جسم کا شیون مین تار

دیکھکر زخمون کو میری خون روتی ہے قدر
بنگیا رشک رگ گل دیدۂ سوزن مین تار

گریۂ چالاکی دست جنون ہی بعد مرگ
تو کفن کا ایک رہنے کا نہین مدفن مین تار

کیا کہون مین کاٹ شمشیر نگاہ یار کا
صاف ای غافل گذر جاتا ہے جون صابن مین تار

خط مشکین یہ نہین ہے عارض دلدار پر
رہگیا ہے جل کے سبزہ آتش رخسار پر

حملہ یون کرتی ہے غفلت مردم ہشیار پر
جس طرح ہوئے ہجوم خواب شب بیدار پر

مرگیا ہون ایک گل کی سرخی رخسار پر
غسل میت مجھکو دینا تختۂ گلزار پر

ہمکو تا بام قفس طاقت پرواز نہین
پہچہے کرتے ہین سب باغ کی دیواروں پر
یون ہوے داغ برافروختہ گریہ سے سیاہ
پانی جطرح چھڑکدے کوئی انگاروں پر
قدم ناقہ پڑین تا نہ کہین خاروں پر
میرے نالون نے یہ کیا ظلم کیا تاروں پر
اس طرح آتے وہ دریا سے نہاکر باہر

رحم اللہ تو کرتا ہے گنہگاروں پر

خال عنبر فام ہی پشت لب دلدار پر
کیون ہوون کو تا نتہی سو لوبسے کی تکرار پر
وارئے گل کو اگر تیرے گل رخسار پر
مائل حسن انکو ہوون لیکہ باغ دہر مین
برق ہی نالان نہ تھی اک ماتم فرہاد مین
یاد آیا میکہ جب کچھ طاقت پرواز تھی
ایک بھی دیکھا نہ ہمنے مہر و مہ کا مشتری
میرے خون گرم مین تاثیر ہی شراب کی
صوت فرہاد پھر جاتی ہے آنکھون کے تلے
ایک قطرہ گر عرق کا اسکی چہرے سے گرا
آمد آمد سنکے تیری او مسیحا نے مان
خامۂ نقاش مین ہوتا جو رنگ اتحاد
درد مند عشق کی بالین سے ہٹ اے شور حشر

مہر کی ہے یا کہ یہ درج در شہوار پر
کیا رہا قصے مین نوبت آئی جب تلوار پر
کیجیے نرگس کو صدقے نرگس بیمار پر
گل کے اوپر جا پڑے گر ہاتھ ڈالون خار پر
ابر بھی آٹھ آٹھ آنسو گیا کہسار پر
چہچہے کرتے تھے ہم بھی باغ کی دیوار پر
گرتے ہین گاہک ہزارون جنس حسن یار پر
چھالے پڑ جائینگے لاکھون یار کی تلوار پر
چشمۂ شیرین نظر آتا ہی جس کہسار پر
لاکھون پانی کے گھڑے پڑ جائینگے گلزار پر
رنگ رفتہ آگیا پھر چہرۂ بیمار پر
کھینچتا تصویر بلبل باغ کی دیوار پر
بات چلا کر نہین کرتے سر بیمار پر

[illegible]

جسے پاتا ہوں جانی کی گوہر اشک ندامت سے | صدف کی طرح میں بہتا ہوں اُسکو جیب دامن پر
تری کاکل میں شانہ نہ الجھیگا ڈرتا ہی جی میرا | کہیں اُٹھ کر نہ ڈس جائے کہ رکھتی ہی یہ ناگن پر
عداوت کا سبب کیا ای رقیب روسیہ ہمسے | جو تو مرتا ہوا ابرو پر تو ہم مرتے ہیں جوبن پر
بڑا ہے تیری سفاکی کا چرچا شور عالم میں | دعا ہی حفظ جان ستم زدہ داورئی ہی جوشن پر
مبارک ہو فرش قاقم و سنجاب منعم کو | گدا سرما میں گر رہتے ہیں خاک گرم گلخن پر
نہ رہ ای حرص تو کھاتا ہی مال مفت دنیا میں | نظر رکھتے ہیں مرغ دانہ چین سنگ فلاخن پر
صفائے قلب سے آئینۂ خورشید ہیں ہم تو | غبار آیا کسی سے کب ہماری طبع روشن پر
اسیر ناتوان ہوں کر نہ فکر قتل ای قاتل | خراش طوق ہی کرتا ہی کار تیغ گردن پر
زبس ہی انتظار اُس گل کے آنے کا اسیروں میں | گل نرگس کا عالم ہی ہے زندان کے روزن پر
دہان یار سا گم ہے ہمارا زخم پنہانی | رفو کرنے کی اُسکے تہمت بیجا ہی سوزن پر
حقیقت میں کوئی کچھ مطلب نہیں حسن مجازی سے | کھلی تصویر کا چہرہ ہوا گو رنگ و روغن پر
پسینا یوں سیہ چہروں کی منھ پر زیب دیتا ہی | کہ جیسے خوشنما لگتا ہی کار کوفت آہن پر
وہاں تخم محبت ہمنے بویا ہی جہاں غافل | گرے دہقان پہ بجلی اور برسی آگ خرمن پر

گھبرائے ہی جی اب شب ہجران سے الجھکر
آثار قیامت کہیں جلدی ہوں نمایان
ڈرتا ہوں کہیں تاب نزاکت سے نہ ٹوٹے
مو سے کمر اُس زلف پریشان سے الجھکر
سو پیچ میں آیا ہی ہمارا دل صد چاک
شانہ کی طرح کاکل پیچان سے الجھکر
گرداب بلا میں دل عاشق کو پھنسایا
باسے ... تیرے زلف پریشان سے الجھکر
ہو کر گئے سب کعبۂ مقصود کی منزل

وہ مسیحا دم نہ بیٹھیگا جو پہلو کے قریب
کسطرح ہوئیگا یہ دردِ دلِ رنجور دور

بام پر وہ مہر طلعت شب کو گر آیا نہ تھا
ہوگیا ای ماہ کیون چہرے سے تیرے نور دور

ٹھیس تھی کی نہ لگے کہین اس لعل کو
اپنی لب سے اک ذرا رکھ ساغرِ بلور دور

لطف تب امرد پرستی کا ہے باغِ خلد مین
پاس بیٹھے جبکہ غلمان اور رکھے ہو حور دور

یہ بھی ہے قدرت خدا کی ای بتِ حق ناشناس
غیر تیرے پاس بیٹھین اور بیٹھین ہم دور دور

کیونکہ یارانِ عدم رفتہ کا ہو معلوم حال
جا بسے ہمسے ہزارون کوس ہے نغفور دور

طالبِ دیدار ہو مین بھی تو موسیٰ کسطرح
مجھسے ناحق بھاگتی پھرتی ہے برقِ طور دور

یارب اتنی تو دعا میکشان ہووے قبول
سر سے مستونکی نہووے سایہ انگور دور

ہین تصور مین قرین نما فل حسینانِ دکن
گرچہ ہمسے ہے بہت وہ کشورِ معمور دور

تنہا نہ دستِ غم سے گریبان ہے تار تار
پیرزے جو تنہین ہے تو دامان ہے تار تار

اے رشکِ مہر جامۂ زرتار کا ترے
مثلِ خطِ شعاعِ درخشان ہے تار تار

رگ رگ مین شورِ نالہ پنہان ہے بھرا ہوا
سازِ بدن کا مائلِ افغان ہے تار تار

جسگھڑی موج خزان گلشن مین صبا آئی ہوئی
کام آئے سب سے پہلے مرد میدان بہار

پارۂ الماس ہے پروانونکو ہر اشک شمع
برق جان بلبلان ہے زرِ خندان بہار

آئے گلشن مین جو جو وہ یوسف گل پیرہن
ہو وے بازار چمن مین تختۂ دکان بہار

کونسا دل ہے نہین ہے جسمین رنگ آرزو
طالب گل ہے کوئی اور کوئی خواہان بہار

دیدۂ خونبار گر تعلیم گریہ دے اُسے
شبنم گل سے ابھی پیدا ہو طوفان بہار

آب رنگ گل ہمارے گریۂ خونین سے ہے
دیدۂ پرخون ہے اپنا سیر سامان بہار

باغ عالم کو کبھی اک رنگ پر پایا نہین
آج ہے اسمین خزان تو کل ہے دوران بہار

ترک جان سے اسقدر حاصل ہوئی انکو خوشی
ہنس رہے ہین مثل گل زخم شہیدان بہار

موسم گل ہے چمن سے مت نکال اے باغبان
اندنون جوبن پہ آئے ہین جوانان بہار

جان بلبل نے اگر دی ہے تو زیر نخل گل
کس قدر تھا اس ستم دیدہ کو ارمان بہار

فصل گل آنے تو دے اگلی چمن مین اے صبا
دست گستاخ اپنا ہوگا اور گریبان بہار

گر غبار خط سے نکلے عارض رنگین ترا
خاک مین ملجائے ساری شوکت و شان بہار

کونسا گل اس چمن مین ہے جو اے بلبل نہین
شاکی جور خزان ممنون احسان بہار

[illegible]

ہر موج بحر دامن ساحل میں چھپ گئی
جنت کی دیکھ دیکھ تری آستین پہ خط

کھینچا ہے کسنے یہ تجھے آغوش وہم میں
بانہوں کے پڑ گئے ہیں تن نازنین پہ خط

غافل ہے جو جہان میں سلیمان ملک فقر
وہ کھینچتا ہے نسخ کا تاج و نگین پہ خط

موج سرشک ہو جو نہ زنجیر پاے شمع
مجلس میں میری قبر پہ رونے کو آئے شمع

اس حسن عارضی کو ذرا بھی نہیں فروغ
کب روشنی ہو گر کوئی ذرا کو جلائے شمع

عاشق کے گر اثر نہو سوز و گداز میں
پروانہ جل مرے تو نہ آنسو بہائے شمع

اللہ رے میرے کلبۂ احزان کی تیرگی
سائے کا حکم رکھتی ہے جسمیں ضیائے شمع

خندان کبھی ہے اور کبھی گریان میان بزم
کھلتا نہیں کسی پہ بیان ماجرائے شمع

تو وہ ہے جسپہ مرتے ہیں حور و ملک پری
دیکھا نہ جز پتنگ کوئی مبتلائے شمع

غم میں اگر پتنگ کے ہے چاک جیب صبح
شام سیاہ پوش ہے صرف عزائے شمع

ہر صبح کے صدقے اسکے نہ کیوں ہو وا ای پتنگ
دیکھا نہیں ہے آنکھ سے تو نے سوائے شمع

پروانہ مجھسے کہنے لگا اسکو دیکھکر
آ آسپہ میں نثار ہوں تو ہو فدائے شمع

۳۳

دیوان ناسخ

[illegible]

آتش رخسار جانان شعلہ ور جیسے ہوئی
زلف شبگون مین بنا ہر ایک خار شانہ شمع

کچھ سر زینت نہین ورنہ پریشانہ کو
اپنی زلف دود پیچان کا بناتی شانہ شمع

جلکے مر جائیگا پروانہ اگر آتش سے بچ
کون اٹھائیگا ترے پھر ناز معشوقانہ شمع

حال عاشق کی خبر ہوتی نہین معشوق کو
محرم راز اپنا پروانہ ہی اور بیگانہ شمع

روشنی اک شب تو کرتے مرقد مجنون پہ ہم
گر بجھا دیتی نہ باد صرصر ویرانہ شمع

دستگیری گر کسی پروانہ افتادہ کی
حق تعالی نے دیے ہین تجکو دست و شانہ شمع

پہلے تو جلتی ہی پروانے سے ہر اک بزم مین
مجکو بھاتی ہی یہ تیری ہمت مردانہ شمع

خامشی مین کب کٹیگی یہ شب طول فراق
اپنا کچھ قصہ کہے مین اُسنے افسانہ شمع

اُٹھ گئے محفل سے سب حیران ہی یہ تک اک گھڑی
کسکی صورت دیکھکر بھولی ہے راہ خانہ شمع

جسپہ مین مرتا ہون وہ بھی مجھپہ مرتا ہی فدا
ہی عجب پھرتی ہی یان گرد سر پروانہ شمع

تو وہ ہی اُٹھے اگر محفل سے گھر جانے لگے
ہاتھ دامن کیطرف دوڑا کے گستاخانہ شمع

ہی وہ پاے لنگ سے معذور ورنہ بزم سے
چند گام آتی اُسے لینے کو مشتاقانہ شمع

کیون پتنگے کو جلاتا بزم سلطان مین چراغ
دشت مجنون مین جو لیلی شب کو آتی ہی کبھی
غول صحرائی دکھاتے ہین بیابان مین چراغ
برق اندازی اگر سیکھے یہ اس سفاک کی
جل چکا تو خانۂ گبر و مسلمان مین چراغ
غیر سے محتاج مردان خدا ہوتے نہین
حسن یوسف سے ہی تھا روشن چاہ کنعان مین چراغ

روشنی کیا چاہیے ہم تیرہ روزونکو پتنگ — واسطے تیری جلاتی ہین شبستان مین چراغ

سینہ و ساعد کی تیری ایشا اللہ ری ضیا — آستین مین شمع روشن ہی گریبان مین چراغ

کار روغن سے رہا ہو گریہ بلبل عشق — کیون نہ پھولونکی رہین روشن گلستان مین چراغ

کیا مدادا وہ کرے سوز دل پروانہ کا — اسقدر رکھتا نہین ہی خلل ربانمین چراغ

غم مین پروانے کی رویا شب ہماری قبر پر — دیکھ انگشت تاسف اسکی وندانمین چراغ

گور سے بھی تیرگی از بسکہ تھی شام فراق — ہمنے گھبراکر جلائے روز ہجرانمین چراغ

گور ہو کوئی تو ہم مجبور ہین ورنہ یہان — معنی روشن سے ہی ہر بیت دیوان مین چراغ

سوز کم ہوتا نہین میرے تن محرور کا — تا گجی کا فور ملیے جسم سوزان مین چراغ

حال پر یہ ہم اسیر و کیجے شب اسکا دل جلا — صبح تک دھنتا رہا سر بنا زندانمین چراغ

ٹھنڈی سانسون سے ہماری محفل معشوق مین — پر سے پروانہ نہان رکھتا ہی دامان مین چراغ

گرم رفتاری جو کی ناقے نے شکو نجد مین — بنگیا ہر نقش پا اسکا بیابانمین چراغ

روے روشن کا ترے مجکو رہتا گر خیال — ہاتھ آتا کب مری شام غریبانمین چراغ

جیسے جی غافل فروغ جاہ ہی بعد از فنا — جلتے دیکھا ایک منعم کے نہ ادونمین چراغ

کیا صدائے نغمہ نکلی جلنے میں پروانے کے
وجد میں اگر بلائے جو لگا گردن چراغ

عکس انگلن ہے ہو دریا میں اگر وہ شعلہ رو
موج تو بن جائے گرداب جاوی بن چراغ

داغ دل ہے دل کے خاطر باعث حفظ بلا
خانہ جن ہے ہو جس قصر میں روشن چراغ

گلستان دہر میں تجھ سا نہ نکلا ایک گل
چار سو ڈھونڈھے جو لیکر لالۂ گلشن چراغ

خوش نصیبی پر مجھے اسکی نہ آوے کیونکہ رشک
بو در مدن ہو جس پروانے کا مسکن چراغ

شاعرے ایک محفل میں پایا ہی فروغ
آج تک جلتے کہیں دیکھا نہ بے روغن چراغ

کیا کسی جان سوختہ کی قبر سے گزرا ہے تو
بن رہا ہے جو ہر اک نعل سم توسن چراغ

سوز دل سینے میں چھپا ہے چھپائے کوئی
کیا ہے پروانہ رکھیگا تہ دامن چراغ

خفتہ و مردہ برابر ہیں یہ کہتے ہیں مثل
کس لیے اپنا بجھائیں ہم دم خفتن چراغ

حسن زیب عارضی پر لطف ہوتا نہیں
کب ہو بزم دہر میں محتاج پیراہن چراغ

چاہیے سامان شب کیا اسکو جس بیکس کا ہے
ہاتھ تکیہ خاک بستر شعلہ گلخن چراغ

تیرہ بختی پر ترحم اسکی کرائی شمع حسن
عرس کی شب بھی نہ جب لے سر مدفن چراغ

آہ و نالے مرے اٹھیں یہ کالی آندھیاں
اپنی گھر میں جنکو لوگوں نے کیا روشن چراغ

کیا ناقۂ لیلیٰ کو بیابان سے تعلق
کیونکر نہ پسینا ہو ترے سبزۂ خط پر
ہے مزرعۂ نوخیز کو باران سے تعلق
کب اپنی بلاؤں سے وہ بیچارہ برا ہے
ہو جسکو خط و خال زنخدان سے تعلق
گر دست درازی ہے یہی پیر جنون کی
دامن کو رہیگا نہ گریبان سے تعلق
دنیا میں پس از مرگ رہی روح ہماری

اپنے رونے کی غافل کچھ بھی ہے خبر تجکو
خون مین تر تو دامن سے ہو گیا گریبان تک

چشم خونبار سا برسے نہ کبھو پانی ایک
شست و شو نامۂ اعمال کی جس سے ہووے
لاکھ پانی سے مین دھویا نہ چھٹا زخم کا خون
آج تک اشک مری آنکھ سے گرتے ہین سفید
تا مگر ابر مژہ اپنا تو برسا سو بار
ہم تری چال سے دل کیونکہ نہ ہارین ای چرخ

ابر ہر چند کرے اپنا لہو پانی ایک
برس ای ابر کرم مجھپہ تو پانی ایک
کام آیا نہ مرے وقت رفو پانی ایک
ظرف مین اپنے یہ رکھتا ہی سبو پانی ایک
نہوا موج زنان تا بگلو پانی ایک
بازی دشوار ہی تجھسے تو عدو پانی ایک

باری شرع مین بھی ہار رہی غافل کی
تجھسے جیتا نہ وہ ای عربدہ جو پانی ایک

کیونکر یہ تفت اشک سے مژگان مین لگی آگ
نہ اس سے دھوان نکلتا ہے نہ شعلہ اٹھے ہی
آتش جو ہمارے تن پر داغ کی بھڑکی

شبنم سے کہین بھی ہی گلستان مین لگی آگ
یہ طرفہ ہماری دل نالان مین لگی آگ
دامن نے بجھائی تو گریبان مین لگی آگ

بے پان کھاے سرخ ہوئے تیرے دہن کا رنگ
پردہ اٹھا تھا کس کے رخ رنگین کا باغ مین
جو ایک ہو گیا ہی گل و یاسمن کا رنگ
دعوی برابری کا جو صباحت یہ شمع کو
دیکھا نہین ہی اسنے کسی سیمتن کا رنگ
یکرنگ تھی زبس مرے دیوان کا نہین ہم
بدلا نہ وقت فصد بھی خون بدن کا رنگ

منع تاراج چمن سے تمکو کرسکتا نہین
گلشن جنت کی تزئین آ کے کرتے ہین ملک
خود بخود گلشن کے گل اڑ اڑ کے آتے ہین وہان
یاسمین سے کیون نہو دلکو ہمارے رنجگی
کہتی ہے فصل خزان مین آ کے یہ باد صبا
تھی ہم آغوشی کی تیری یہ ہوس ہمکو کہ رات
سیم و زر کے پھول کرنے دو تصدق ہمین

دو پہر تو نہ توڑا کیجیے جس تس کے پھول
صبحدم دیکھے پژمردہ تری مجلس کے پھول
آج ہین گور غریبان مین صبا یہ کسکے پھول
بستر دہ کان مین رکھتا ہے اپنی اسکے پھول
مین ابھی لادون تجھے درکار ہووین جسکے پھول
تا سحر رہتے ہین تازہ ہو پس لپس کے پھول
کام ہی آوینگے اکدن یہ کسی مفلس کے پھول

وان کسی عاشق کا اے غافل مقرر تھا مزار
دامن جانان سے گلشن مین جہان تھو کسکے پھول

انتظار یار مین وہ بنگئے نرگس کے پھول
ہوگئے بو دار اعجاز کف گلرنگ سے
کیون نہ بلبل مضطرب ہوکر چمن مین غل کرے
نکہت گل سے بھی ہے آشفتہ جو نازک دماغ

قبر پر میری عزیزون نے چڑھائے جسکے پھول
تیری پاؤن تلے جراب کے پس لپس کے پھول
آتش گل سے پڑا ہو آشیانہ مین اسکے پھول
باغبان ڈالی مین آئی ہے ست لگا جس کسکے پھول

کوئی فسانہ خوش آئے نہ تجکو اے غافل
جو گوش دل سے سُنے تو ذرا ہمارا حال

قفس بلبل کا سوے گلستان لانے سے کیا حاصل
وہ اگلی سی چہچہے پھر یاد دلوانے سے کیا حاصل

نہیں کچھ دیدہ عاشق تمہارے عکس کی آئین
جو تمنے آئینہ دیکھا تو شرمانے سے کیا حاصل

نفس کی آمد و شد ہے نہ جنبش نبض مین باقی
تری بیمار کو آئینہ دکھلانے سے کیا حاصل

در زندان تلک آنے کی بھی طاقت نہین ہمین
ہماری پاؤن کی زنجیر کھلوانے سے کیا حاصل

جلایا نہ کسی نے نہ کسی گل پر تو عاشق ہے
تجھے اے لالہ میری طرح گل کھانے سے کیا حاصل

ترا بیمار وقت نزع یہ رو رو کے کہتا ہے
جہان سے اُٹھ گئے جب ہم تو پھر آنے سے کیا حاصل

سنوارے زلف کو مشاطہ اور لوٹے مزا کوئی
صبا کو طرۂ سنبل کے سلجھانے سے کیا حاصل

حزا باغ تماشا چہرۂ رنگین خوبان ہے
تجھے بہر تماشا باغ مین جانے سے کیا حاصل

قیامت کو تو اے غافل عیان ہوویگا نور صبح
شب ہجران کی تاریکی مین گھبرانے سے کیا حاصل

تیری صفائے پا کو نہ پہونچیگا روئے گل
گرتے ہین گلفروش عبث شست و شوئے گل

کبک کے مانند جو طوق گلو ہموار دار
کس پری پیکر کے ہیں دیوانۂ رفتار ہم

ابروے قاتل یہ کرتی ہے اشارہ دور سے
تیر کی زد پر لگاتے ہیں تجھے تلوار ہم

کافری سے اپنی کیونکر آئے وہ تقلید کی
ساتھ لائے ہیں رگ گل کی طرح زنار ہم

گرچہ برپا کی قیامت یار کی رفتار نے
خواب مخمل کی طرح سے کب ہوے بیدار ہم

گاہ تو بالاے سر ہیں اور گاہے زیر پا
کارگاہ دہر میں ہیں مست کی دستار ہم

دانت پیسا ہی کریگی آسیاے آسمان
آبلوں کی طرح ہو جائینگے رزق خار ہم

مرغ گلشن تو نہیں جو شاکی صیاد ہوں
جلتے ہیں آتش میں اپنی شکل موسیقار ہم

حرف بیجا کسطرح بیان ہو سکے صورت پذیر
صاف دل ہیں مثل قرطاس غلط بردار ہم

کوندی بجلی کی جب اپنی جھپک جاتی ہے آنکھ
کیا سمجھکر اس سے ہوویں طالب دیدار ہم

جنس دنیا کی طرح سے گھر کے گھری ہیں ہمیں
دیکھنے پائے نہ ہرگز صورت بازار ہم

باغباں سے ملتجی ہو کون گل کیواسطے
گل سے بھی رکھتے ہیں بہتر غنچۂ منقار ہم

آہ یکمشت کریگا تجھسے جب دعوی حسن
اسکو دکھلا ئینگے تیری کفش زرین تار ہم

باغ کے لائق نہ قابل خانۂ صیاد کے
طائر رنگ حنا کی طرح ہیں بیکار ہم

قطرۂ اشک شمع کے مانند
آکے دنیا مین یہ ہوا ثابت
امر و زن پہ کچھ نہین موقوف

سالک منزل فنا ہین ہم
وارد کاروان سرا ہین ہم
اچھی صورت کے آشنا ہین ہم

خوف محشر ہے کیا ہمین غافل
پیرو آل مصطفےٰ ہین ہم

ہوگی شب فراق نہ شور و شغب سے کم
تا نعرہ خامہ کیون نہ چلین سر کے بل و ہان
بوسے کے نام سے بھی جو نفرت ہے یار کو
اُس سے نگاہ لطف کی امید کیا رکھین
کشتہ اُسی کو جانیو تیغ نگاہ کا
جب سے کہ آگئی چمن حسن مین خزان
دنیا مین مجکو شادی و غم ایک سا رہا
ہم معتقد ہون کیون نہ شہ تشنہ کے جو وہ

یہ رات تو نہین ہے قیامت کی شب سے کم
کوچہ نہین ہے یار کا جاے ادب سے کم
اپنی ہی لب کو ملنے وہ دیتا ہے لب سے کم
عاشق کو گھورتا ہو جو چشم غضب سے کم
زخمی جو ہو کے تیرے شہید و نہین سب سے کم
آئینہ دیکھتا ہے وہ گل چہرہ تب سے کم
سمجھا نہ بزم غم کو بھی بزم طرب سے کم
ہے سے زیادہ انس کرے اور سب سے کم

جلا رہا ہے فلک یکسانہ کیون مجکو — چراغ گور نہ شمع سر مزار ہون مین

نہ کوہکن سے ہی نسبت مجھی نہ مجنون سے — فنون عشق مین یکتای روزگار ہون مین

اگرچہ شمع نمط لاکھ بار سر کٹ جاے — قدم ہٹیگا نہ میرا وہ سر گزار ہون مین

غرور حسن سے لیلی کو یہ نہ دھیان آیا — پیادہ قیس ہی اور ناقہ پر سوار ہون مین

نگاہ لطف جو کرتے نہین بتان نہ کرین — خدا کے فضل و کرم کا امیدوار ہون مین

نہین سفیدی کہین جسکی فرد عصیان مین — گناہگار و نہین ایسا سیاہ کار ہون مین

زبسکہ سینے اٹھائی ہے لذت بیداد — لگائے اور کو بھی تیر تو شکار ہون مین

قضا بھی پھر گئی سو بار ڈھونڈھکر مجکو — فراق یار مین یہ ناتوان و زار ہون مین

شگفتہ رہنے دے اکدم تو مجکو باد خزان — کہ اس چمن گل آخر بہار ہون مین

شب فراق مین مجکو نہ زندہ رہنا تھا — دکھاؤن صبحکو کیا منھ کہ شرمسار ہون مین

مثال آئنہ بیجا نہین یہ حیرانی — کوئی تو سامنے میرے ہے جو دوچار ہون مین

وہ کوہ ہون جو گرے شیشہ مین نہ بال پڑے — جلے نہ جس سے پر کاہ وہ شرار ہون مین

جنون کی فصل ہے مرضی ہے یہ گریبان کی — بغیر ہاتھ لگائے ہی تار تار ہون مین

[illegible]

کہو سے عاشق و معشوق مقابل تو کیا
آنکھ تصویر سی تصویر ہلانے کی نہین

تری پازیب کی جھنکار یہی کہتی ہے
بخت خوابیدۂ عشاق جگانے کی نہین

چینی رنگ پہ اک شوخ کے ہم عاشق ہین
زردی چہرہ کبھی چہرے سے جانے کی نہین

گر ترے عشق مین بدنام ہوا مین تو مجھے
حور جنت بھی کبھی پاس بٹھانے کی نہین

اپنے مجنون کی ذرا دیکھ تو بے پروائی
پیرہن چاک ہوا اور فکر سلانے کی نہین

وقت رخصت یہی مجنون نے کہا لیلی سے
پھر جو آئیگی تو جیتا مجھے پانی کی نہین

بزم خوبان مین مناسب نہین نالہ کرنا
چپ ہو اے دل کہ یہ جا شور مچانے کی نہین

روز و شب اسکی اطاعت ہی مین رہنا غافل
یار بگڑے گا تو کچھ بات بن آنے کی نہین

بسمل تیغ خون چکان ہون مین
یعنی ایک دم کا میہمان ہون مین

مجھ مین اور یار مین ہے اتنا فرق
بے دہن وہ ہے بے زبان ہون مین

مثل تصویر لیلی و مجنون
یار بھی ساتھ ہے جہان ہون مین

ساتھ والون نے ساتھ چھوڑ دیا
کس قدر تنگ کاروان ہون مین

ناظر یار گران ہون مین
منھ نہ موڑون گا تیغ سے غافل
کیا ہوا مشت استخوان ہون مین

یہ کون پروانہ ہوا جل کے لگن مین
حیرت سے جو ہے شمع کی انگشت دہن مین
رکھتے ہین اسے چاہ زنخدان غلطی سے
وہ تیر کا نشان ہے یہ تری بیت ذقن مین
دو آنکھ تن آئینہ پھر کس لیے دیکھے
منھ اپنا سراپا کی تصویر بدن مین

[illegible]

غربت ہی مین آرام ملا اور نہ وطن مین

کسد بھیجوا ے باد صبا شاہد گُل سے
آتا ہی جو وہان اُس قد موزونکا تصور

تیرے لیے روتا ہی کوئی نجد کے بن مین
لگ لگ گلے سرو کے روتا ہون چمن مین

سر کوئی اُٹھاتا نہین آگے مرے غافل
بیٹھا ہے عمل جب سے مرا ملک سخن مین

کسطرح نالہ کرے بلبل چمن کی یاد مین
داد خواہونکی اگر پرسش ہوئی روز جزا
کیا لپٹ جائین ترے آقامت سمجھکر اسکو ہم
کام معشوقون سے بھی عاشق کی لیتا ہی یہ عشق
دامن دل اے نسیم گلشن جنت نہ کھینچ
حشر تک بھی کھینچ نہین سکتی کی تصویر یار کی
کوچۂ جانان مین یارو کون سنتا ہی مری

گھس گئی اتنکی زبان تو شکوۂ صیاد مین
سب سے پہلے آئینگے ہم عرصۂ فریاد مین
یہ نزاکت یہ صباحت ہی کہان شمشاد مین
کیون نہ شیرین جان دے اپنی غم فرہاد مین
لگ گیا ہی جی ہمارا اس خراب آباد مین
گر یونہی محنت رہیگی مانی و بہزاد مین
مجھسے وہ ان بھیجتے ہین لکھون جو داد و بیداد مین

شعر کہنا آپ سے غافل کبھی آتا نہین
عمر اک جبتک نہ کھوے خدمت استاد مین

نا زہر گز نہ کرے آئنہ ساز آہن
دستِ داؤد میں جو دیکھے جو گداز آہن

حلقۂ جوہرِ شمشیر کا کھلتا نہیں بھید
منتظر کسکا ہے یہ دیدۂ باز آہن

پانوں پڑتی ہے سلاسل کی جا زندان سے
باعث قید ہی میرا یہ نیاز آہن

تیری خنجر نے جو منھ موڑ لیا ذبح کے وقت
ہوگئے ہم تو ہیں گشتۂ ناز آہن

خط تقدیر مٹانے سے کوئی مٹتا ہی
کبھی صیقل سے نمود طراز آہن

تیرہ بختی میں مرے عیب نہان ہین غافل
جیسے زنگار میں پوشیدہ ہو راز آہن

فردِ عصیان کی سیاہی کا ہمین کچھ غم نہین
ابر رحمت سی ہمارا دیدۂ تر کم نہین

مجمعِ خوبان مرقع سے ذرا بھی کم نہین
کون سے محبوب پر تصویر کا عالم نہین

بوستا نمین بھی دلِ غمگین مرا خرم نہین
تختۂ تابوت سے تختہ چمن کا کم نہین

کب تہ و بالا مری افغان سے اک عالم نہین
صور اسرافیل سے نالہ مرا کچھ کم نہین

تیری روے صاف سے نسبت نہین ہر گچھ اسے
ہین نہان سے روی گل پر قطرۂ شبنم نہین

گریۂ مجنون کے ہین آثار باقی آج تک
اوس کے قطرون سے کچھ دامانِ صحرا نم نہین

وصل کی شب تو مجھی لینے دو اپنا کام دل
ہم ہین یا تم ہو یہان اور کوئی نامحرم نہین

حلقۂ گیسو تو کیون آیا ہی دست غیر مین
ای پری رو دیو کے شایان تو خاتم نہین

میری وحشت دیکھکر آہو بھی حیران رہ گئے
چوکری بھولے ہین ایسی وہ کہ تا ہم نہین

ایک عالم ہے منور نور حسن یار سے
کون سی جا پر تو انگن نیر اعظم نہین

کتنے ٹیڑھونکو بنایا دم مین سیدھا یار نے
کون سے سرکش کی گردن اسکی آگی خم نہین

جان بلب بیٹھے ہین غافل فرقت معشوق مین
گر یہی اسکا تغافل ہے تو اک دن ہم نہین

حرص سے خالی یہان کوئی بنی آدم نہین
بے غرض ہوتی تو پھر بندہ خدا سے کم نہین

ہم فراق یار مین دے سے بھی کچھ کم نہین
جیون گلی تصویر ہر گز تن مین انکے دم نہین

مین وہ مجنون ہون جسے عریان ہی کا غم نہین
گرد صحرا کی لباس فاخرہ سے کم نہین

کب ہی خط مین رقم حال دل پر غم نہین
کونسا ہے دائرہ جو حلقۂ ماتم نہین

یار نے افشان جو چھڑکی زلف مین تو خم نہین
کوڑیالا سانپ ہی کچھ اسمین اتنا سم نہین

ہے منور فوج میرا دیدۂ پر نم نہین
کونسا آنسو کا قطرہ ہی جو رشک یم نہین

لگ گیا تھا کیا بدن سے غیر کے تیرا بدن
جو پسینے میں ترے وہ عطر کی خوشبو نہیں

دیکھکر افسونگری تیری لب جان بخش کی
سامری کہتا ہے یہ اعجاز ہے جادو نہیں

جسکو کوے یار سے الفت ہے کچھ بعد فنا
گو زمیں بھی اسکا قبلہ کیطرف کو رو نہیں

گر بدوا ہے دست تیشہ تو ہی ایسے وقت میں
کوہکن کا اتنا کوئی قوت بازو نہیں

ہم یہ روئے ہیں فراق یار میں مثل حباب
چشم تو نم ہے پر اسمیں نام کو آنسو نہیں

یہ بھی نادانی ہے جان دینا وصال یار میں
گرچہ پروانہ ہوں پر جلنے کی مجھ میں خو نہیں

کیا تماشا دیکھیے اس قلزم پر شور کا
چشم وا کرنے کی فرصت جیوں حباب جو نہیں

اپنی خوش چشمی پہ اے آہو نکر اتنا غرور
چشم مجنوں میں سگ لیلی سے بہتر تو نہیں

جب تب ہوتا ہے اسمیں آرزوے دل کا خون
مسلخ قصاب سے کچھ کم مرا پہلو نہیں

کب نہیں رہتا ہوں تیری ساق پا کی یاد میں
کب ہر اک کیچے میں آگرتا یہ زانو نہیں

قید ہو کر دل نے پائی بند غم سے مخلصی
ہے حصار عافیت وہ حلقۂ گیسو نہیں

ہے کفن نظروں میں میری جو گل مہتاب ہے
یا ہیں یہ شمع تربت ہے گل خوشبو نہیں

رو رو کے غم میں مجنوں کے ہوئی ایسے سپید
وہ سیاہی اب میان دیدۂ آہو نہیں

کیون نہ ترکش کا گمان ہو دہر اک کو اشیبہ
کہ ترے تیر نگہ سینے مین حسرت خانے ہین

مبتلا رنج مکافات مین فرزانے ہین
پرسش حشر سے فارغ ہین جو دیوانے ہین

گل عارض پہ کبھی ہمین گل کھانے ہین
داغ تو لالۂ صحرائی کو دکھلانے ہین

[illegible] کفر ہے یہ دو جہان مین سجدہ ا
ایک کعبہ ہی اگر لاکھ صنم خانے ہین

کسکی آمد ہے جو ساقی نے تکلف یہ کیا
کہ گلابی ہین سبو سر بہتی پیمانے ہین

خوش نصیب انکے جو ہون مرہ مژگان مین شکار
ہین جو تسبیح سے زائد وہ کوئی دانے ہین

ان پتنگون سے ہمین جانی ہین کیا نسبت ہے
ہم چراغ رخ پر نور کے پروانے ہین

آمد آمد جو سنی ہو تری اے غیرت شمع
مستحق آج مرے بزم مین پروانے ہین

اب بھی باز آئے اگر غیر کے ملنے سے وہ شوخ
وہی باتین ہین وہی چرچے وہی یارانے ہین

ہے کچھ اشک ندامت کا نہ حاصل پوچھو
ہونگے سرسبز قیامت کو یہ وہ دانے ہین

منتظر تیرے شہید رہ کے ہین کیا جنت مین
کف حوران بہشتی مین جو پیمانے ہین

کام آیا نہ ترے وقت کوئی اے غافل
نہین معلوم یہ اپنے ہین کہ بیگانے ہین

دوست کس کا چارۂ درد غم جان ہوتا نہیں — کسلئے اوپر مجھکو دشمن کا گمان ہوتا نہیں

نرمی اندام خوبان پر یہ ہوتا ہی گمان — عضو عضو تن مین انکی استخوان ہوتا نہیں

شرم عصیان سے جھکی ہی اسقدر گردن مری — ورنہ اتنا طوق آہن تو گران ہوتا نہیں

کب غریبون پر نہین ہوتا وہان بیجا ظلم — کب گلی مین آپکے شور الامان ہوتا نہیں

روز ہجران ہین وہ سارے حشر کے آثار ہین — کیون زمین پھٹتی نہین شق آسمان ہوتا نہیں

حسن وہ شے ہے اگر کوئی زر گل کی طرح — لاکھ پردے مین چھپانے پر نہان ہوتا نہیں

کیا سرائے پر چڑھے اپنا یہ جسم گلی — جو فروکش اسمین ہر دم کاروان ہوتا نہیں

ہم تو اس گلزار مین رکھتے ہین اپنی بود و باش — ایک بلبل کا بھی جسمین آشیان ہوتا نہیں

کس طرح عمر گذشتہ کی تلافی کیجیے — ہو گیا جو پیر وہ ہرگز جوان ہوتا نہیں

عشق و محنت مین یہ صورت بنائی ہے مری — اسقدر بیمار زار و ناتوان ہوتا نہیں

مین تو اس ہر دو جہان سے تنگ ہون پر کیا کرون — دور پیشانی سے سجدے کا نشان ہوتا نہیں

حشر تک رہتی ہی غافل شعر رنگین کی بہار — ہے یہ وہ گلشن کہ جو ہرگز خزان ہوتا نہیں

کوئی تو ہو مجلس آرائے طرب زیر زمین — آگے پیچھے جو چلے جاتے ہین سب زیر زمین

٥١

فی المثل گر عوض بادہ ہو مجنون خم مین

ایک بھی قطرہ نہ باقی رہے کوئی خم مین

خاک صحرا سر پہ اے مجنون اُڑاتا ہی جو تو	گرد مین تجکو نظر آئیگا پھر محمل کہان

دیر مین ہمنے تجھے دیکھا نہ بیت اللہ مین
عمر رفتہ پھر بسر کی تونے اے غافل کہان

پیدا ہر رنگ مار اگر دو زبان کرون	دن رات وصف زلف تا ہی بیان کرون
کہتی ہے برق خندہ گل ہے کہ تو بھی	بلبل جلاکے خاک ترا آشیان کرون
سجد بھی قتل گاہ شہیدان ناز ہے	زاہد تو ہی بتا کہ مین سجدہ کہان کرون
آثار مرگ ہین مرے چہرے سے آشکار	صدمے شب فراق کے کیونکر بیان کرون
کس کی امید سے برائی مری جو ہین	دست دعا بلند سوے آسمان کرون
جس سے دہل گیا تھا دل جاملان شہر	آتا ہی جی مین پھر وہی شور و فغان کرون
دو گام مجھ مین چلنے کی طاقت نہین رہی	کس منہ سے قصد ہمرہی کاروان کرون
گل ہو اچمن مین نہ بلبل نہ باغبان	یارب مین کس سے شکوۂ باد خزان کرون
پہلو مین دون جگہ ترے پیکان تیر کو	اپنی کسی طرح سے تو خاطر نشان کرون
غافل بقول مصحفی فخر شاعران	دل ہی نہین رہا جو مین یاد بتان کرون

خالق کو رحم آئے جو غافل کے حال پر
سارے گناہ نامۂ عصیان سے دور ہوں

بے صرفہ چشم تر سے آنسو بہا دیے ہین
مٹی مین ہمنے کیا کیا موتی ملا دیے ہین

لب اپنے لب سے تیرے اُسنے ملا دیے ہین
کیا ذکی کو بھی خدا نے بخت رسا دیے ہین

صورت گر ازل کی دیکھو تو دستکاری
حورون سے آدمی کے نقشے ملا دیے ہین

خوبی مین کوئی تجھسے ہو کر کے چل سکے ہی
خالق نے گو پری کو دو پر سوا دیے ہین

آنکھین ہین جنکی بینا انکو جمال حق نے
پردے مین آدمی کے جلوے دکھا دیے ہین

مقتول چشم تیرے اُٹھے نہ چشم کو بھی
ایسے نظر سے اپنی تو نے گرا دیے ہین

قاتل کی تا شکایت آوے نہ اپنی لب تک
زخمونکے ساتھ منھ پر ٹانکے لگا دیے ہین

تیرے خرام نے تو محشر کیا ہی برپا
مردے جلا دیے ہین سوتے جگا دیے ہین

سوز جگر سے اپنے ہین خشک دیدہ تر
گرمانے یان کنونکے پانی سکھا دیے ہین

چھٹکی ہے چاندنی سی جو یون تب سے مین
چہرے سے موئے گیسو کسنے ہٹا دیے ہین

لیلی ہے منھ چھپائے جاتی ہے قافلے مین
اور ونے محملون کے پردے اٹھا دیے ہین

باندھتے طوق طلائی کو ہلال گردن

نالہ کرے نہ بلبل آ کے مرے چمن میں
پروانہ داغ ادا دی میں ہوں جل انجمن میں
خاک شفا رکھی ہے گرچہ مرے کفن میں
تیر تپ جدائی سے مشتعل بدن میں
تیرے دہن سے نسبت کس گل کو ہے چمن میں
اک غنچے سے سوا ہے دندان نہیں ہیں

کنج لحد میں کیونکہ نہ گھبرائے دل کہ واں	ہمدم نہیں رفیق نہیں ہم زبان نہیں
وہاں کون پوچھے عجز و نیاز فقیر کو	جس جا قبول طاعت گردن کشان نہیں
مجھ نالہ کش کی کوئی سمجھتا نہیں زبان	کیا اس چمن میں مرغ کہن آشیان نہیں
سب ڈھونڈتے ہیں کہ بتا دو بتاؤ ہیں جیسے	دل کے سوا زمانے میں اسکا مکان نہیں
مجنوں سے کوئی کہدے نہ لیگا ہو گا وقت	جاتا ہے ناقہ لیلی کا اور ساربان نہیں
ملک عدم کو جانے کو کیا ساتھ چاہیے	درکار اس سفر کے لیے کاروان نہیں
... لاغری کا مری باعث نہ پوچھیے	مجھکو دماغ صحبت نواب خان نہیں

غافل نہ پوچھ مجھسے تو وصف دہان یار
احوال عیب ہے یہ کسی پر عیان نہیں

ہر کسے شوق شہادت میں خیال گردن	شمع سان ہے میں مرا اپنا وبال گردن
تیرہ بختی کو مرے جیسے ملا حسن قبول	خال رخسار کہیں ہے کہیں خال گردن
تیغ تو اپنے مجھ کرے کے لگانا جلاد	کہ مری ہر رگ گردن ہے مثال گردن
پردہ شب میں کوئی نور سحر چھپتا ہے	کب نہاں جعد میں ہو حسن جمال گردن

دیوان غافل

۵۴

مژگان کی یاد مین کب آتی ہے نیند مجکو
یہ سوتن نہین ہین ہین سیخ پیان بدن مین

سر بھی سفید شام غربت مین ہو چلا ہے
ای کاش یہ سحر تو ہوتی مجھے وطن مین

مجنون ہین اور مجھ مین چندان نہین تفاوت
یکتا ہین اپنی فن مین کامل ہا اپنے فن مین

دست قضا کے اُسنے تیشہ کیا حوالے
قوت عجب ہی کچھ بازوی کوہکن مین

جلتا تھا مین جو یاد لعل بتان مین شب کو
جو شعلہ دل سے اٹھا جاکر بجھا یمن مین

کسکی صفا ہے تن کا کشتہ ہو نمین جج ای دل
دھبا نہین لگا ہی اب تک مری کفن مین

عاشق ہون ہے نرالا سب سے طریق میرا
مذہب مین شیخ کے ہون نے کیش برہمن مین

ڈرتا نہین کسیکی مین حرف گیریون سے
جا سے سخن کسی ہے غافل مرے سخن مین

کون ہے وہ جو گرفتار علائق یان نہین
عالم ایجا پھر کیا ہے اگر زندان نہین

دست نازک سے کٹے گی کسطرح گردن مری
زور بازو مین نہین خنجر ترا بران نہین

غنچۂ گل کے چٹکنے سے آتی ہے صدا
دیدہ کے قابل بہار گلشن امکان نہین

بیکسی پر اپنے وہ کشتہ نہ روئے کیا کرے
جسکے خون کا حشر کے دن بھی کوئی پرسان نہین

تونے جو چاہا وہ قسمت میں ہماری لکھا
حرف ہم پر تو کچھ اے کاتب تقدیر نہیں

کون آگاہ ہو معنی سے تری جلوت کے
یہ وہ مصحف ہے کہ جسکی کوئی تفسیر نہیں

کسکو زخمی نہ کیا خنجر مژگاں نے ترے
کون تیر نگہ ناز کا نخچیر نہیں

سینہ ریشان محبت د ہن زخم کی طرح
منہ تو رکھتے ہیں مگر قوت تقریر نہیں

رہت عالم طفلی کا نہ پوچھو احوال
یاد اس خواب فراموش کی تعبیر نہیں

دشمن و دوست سبھی پھر گئے ہم سے یکبار
اور یہ کیا ہے زمانے کی جو تاثیر نہیں

کون سی چیز پہ غرہ ہے تجھے اے غافل
اب وہ دولت نہیں منصب نہیں جاگیر نہیں

کیں نے اک دست جنوں نے پیرہن کی دھجیاں
مر گئے پر بھی اڑائیں سب کفن کی دھجیاں

جامہ ہی گر یہی ہے تو مرا اگنا دن قبا
لیگا اک دن سرخ پوشان چمن کی دھجیاں

غش سے کچھ ہو چلا اسکو افاقہ اے صنم
کھولدے اب دو پاے برہمن کی دھجیاں

گر تری آبی قبا لو حتیاج بند ہو
کیجیے اس اطلس چرخ کہن کی دھجیاں

گر یو ہیں باہم رہیگی جنگ تیرے حسن سے
ایکدن ہونگی لباس مرد و زن کی دھجیاں

ملیگی کسکی مجھے دولت ہم آغوشی
رکھے ہی لاکھونمین اک آدھ جوہر خوبی
نمین ہی دل پارہ کی سی آنکھین سیر
جنھونکو زیر نگین تھا کبھی یہ ہفت اقلیم
تشنید نجیہ رنگین ہون دیکھنا مرا خون
غضب خدا کا دہ بن ٹھن صاحب مین

پھڑکتے ہین ترے بازو جو آستینون مین
نمین ہی معدن الماس سب مینون مین
کرو رمرتبہ دیکھا ہزار بینون مین
رہا نہ نام بھی اُن لوگون کا نگینونمین
حنا کی طرح سے بٹ جائیگا حسینونمین
جنھین سمجھتے ہین ہم اپنے خوشہ چینونمین

چھپے ہی صورت اشراف بھی کمین غافل
زمانہ لاکھ ملائے ہمین کمینونمین

اُسی پہ پڑتی ہی آنکھ اپنی نازنینونمین
وہ بن سنور کے جو کل آئے نازنینون مین
کسی کے لعل مصفا کی یاد مین ہمنے
شب فراق مین ہلائین کس سے دل اپنا
کیا ہی نالۂ بلبل نے کیا خفا اُنکو

ملے ہی جبین سے شباہت تری حسینونمین
رقیب ہو گئے میرے کئی حسینونمین
شراب سرخ رکھی بھر کے آبگینون مین
نہ ہمدم ہو نمین کوئی ہی نہ ہمنشینونمین
پڑی رہی ہی جو جبین غنچو نکی جبینونمین

شام شب وصال کو ہونے نہ دون مین صبح
دور فلک جو ہوتے مرے اختیار مین

کسطرح اسکے خاک مین ملنے کا غم نہو
پالا تھا طفل اشک ہمنے کنار مین

نالے کا ضبط بعد فنا بھی نہو سکا
سوراخ پڑ گئے مری سنگ مزار مین

آیا جو یاد اسکا رخ آتشین ہمین
سینے کا داغ تازہ ہوا لالہ زار مین

لخت جگر نہین ہین مری اشک خون کے ساتھ
گل پھول بہ چلے ہین یہ سیل بہار مین

توڑی ہین مین نے شیشۂ و ساغر نشے کی بیچ
ٹوٹے نہ پھر بدن مرا کیونکر خمار مین

جنکو بیان تناسب اعضا پہ تھا غرور
اک ڈھیر ہڈیون کا ہے انکے مزار مین

تیر اسکا ملتفت جو نہین ہے ادھر نہو
وا چشم دام تو ہے مری انتظار مین

وہ جور چہرہ ہمسے جو وان بھی جدا رہا
آیا ہمین قرار نہ دار القرار مین

میری گداز دل ہی سے سیر آبی تھی تجھے
مین نخل موم ہون چمن روزگار مین

با ہر کمان ہے مجھسے مرا گو ہر مراد
دریا تو یان ہے صورت ساحل کنار مین

دانستہ باندھتے ہین جو مضمون غیر کو
غافل وہ شاعرونکے نہین ہین شمار مین

دامن ہے اندرون نہ گریبان سے اندرون
دست جنون سے کیون نہ رہین سینہ چاک ہم
ازبسکہ جوش فصل بہاران ہے اندرون

غافل نہ رو مین کیا کرین ایام ہجر مین
کہتے ہین سب کے دیدۂ گریان ہے اندرون

جوش بہار لالہ و ریحان ہے اندرون
بس حق فضل مین جو رخشان ہے اندرون
آنکھون سے کس کے گہر روتے کبھی نہان ہوا
مجموعۂ حواس پریشان ہے اندرون
مجنون سے بد بھلو ملی شاہی جنون

[illegible]

اللہ ری شرم حسن کہ مجنون کو دیکھکر	چھپ چھپ گیا ہے ناقہ لیلی غبار مین
تلوون سے میرے آگ لگی مارے رشک کے	مہندی لگائے غیر جو پاے نگار مین
شوق شراب خواہش بوس و کنار ہے	کیا کیا ہین جمع تیرے دل امیدوار مین
دعوت کسی کے خنجر پیکان کی کیا کرون	اک قطرہ خون نہین ہے مرے جسم زار مین
یکسان زمین سے قبر کو میری بنائیو	مین مر گیا ہون حسرت بوس و کنار مین
اس عالم فنا مین تو پایا نہ ہمنے چین	آرام کچھ ملا بھی تو کنج مزار مین
نسبت پری سے دیتے ہین اے حور جو تجھے	کرتے نہین ہین فرق وہ کچھ نور و نار مین
سر کھیلتے ہین بیچ معرکہ آرا ہے عشق مین	نامرد کا نہ ٹھہرے قدم کار زار مین

اے غیرت مسیح خبر اسکی جلد لے
غافل تڑپ رہا ہے ترے انتظار مین

ترا اشک خون سے گوشۂ دامان ہے اندرون	کیا آب رنگ سے یہ گلستان ہے اندرون
غنچے کیطرح چاک گریبان ہے اندرون	جوش جنون ہے فصل بہاران ہے اندرون
کیا سیل اشک ذرے صحرا کی راہ لی	کو سون تلک جو سبز بیابان ہے اندرون

[illegible]

ایک گل سو لاکھ گل جتے ہیں پیدا دھوپ میں
چاہیے عاشق کو نہ پھیری ورنہ پگھلا دھوپ میں
طرفہ ہوا دقات ہم دارفتگان عشق کی
گریۂ مجنوں نے شادابی نہ ہوتی گر آسے
آفتاب حشر کی کیونکر انہیں آئیگی تاب
آئینے کو دیکھو اُسکے روے روشن کے حضور
دید آنے سے نہیں پہچان سکتے ہم آسے
عکس روے آتشیں سے یون ہی مضطر آئینہ
ہے یقین اُس خاک سے پیدا گل خورشید ہو
چشم تر رہتی ہے اُس خورشید رو کے سامنے
خاک میں خورشید ذرے کی طرح سے مل گیا

نخل موسیٰ کا کوئی دیکھے تماشا دھوپ میں
ابر دود آہ کا کافی ہو سایا دھوپ میں
رات کو ڈھونڈھا کیا تھا اُنکو جانا دھوپ میں
سوکھ جاتا مرقد لیلیٰ کا سبزا دھوپ میں
جلتے ہیں جو رکھ کے یاں سر فرو تپا دھوپ میں
برف کا جسنے نہ دیکھا ہو پگھلنا دھوپ میں
اسقدر سینو لگا قاصد کا چہرا دھوپ میں
جسطرح لہرا رہا ہو آب دریا دھوپ میں
تیری جہری سے گری جبیں جا پسینا دھوپ میں
جا ہو حیرت ہے نہ تپا لاب کھا دھوپ میں
تیری کفش پا کا جب چمکا ستارا دھوپ میں

ہم یہ سمجھینگے ضیائی ہے وہ اپنے عہد کا
جو کوئی غافل غزل ایسی کہیگا دھوپ میں

چاہیے بال پری کا مجھ پہ سایا دھوپ میں
کیسے نفرت ناقۂ لیلیٰ بیاباں میں کبھی
بید مجنوں کے تلے ہرگز نہ ٹھہرا دھوپ میں

سبا دغیر اسکو بھی کنایہ وصل کا سمجھے
لکھا ہی یار نے نامہ بخط توامان مجھکو

وہی دیوانہ پن ہی اور وہی جوش جنون اتک
جوان لکھتی ہو پیری مین بھی تحریر طبع جوان مجھکو

نہین لیتا ہون بوسے بی سبب رخسارۂ گل کے
کسی کے عارض رنگین کا ہی اُسپر گمان مجھکو

نہین معلوم کسنے شعلہ وکو میرے بھڑکایا
تو وہین آگ ہوجاتا ہی وہ دیکھا جہان مجھکو

وہ قاتل ہی اگر میر تو یہ خون کی پیاسی ہی
نظر آتے ہین خصم جان مین دو آسمان مجھکو

یہی رفتار ہا تو دیکھنا محشر مین خوبان کی
کریگی ایکدن رسوا یہ چشم خون فشان کو

صدا جیسے سنی ہی غنچۂ گل کے چٹکنے کی
نہین بھاتی ہی اے بلبل تری طرز فغان مجھکو

تماشاے گلستانکی نہین پروا کچھ اے غافل
دکھائی فکر رنگین نے بہار بوستان مجھکو

خدا بھی دوست رکھتا ہی نہایت اپنی شیدا کو
چلے پتھر تجلی سے نہ آئی آنچ موسیٰ کو

جو چاہے اوج اپنا ترک کر اسباب دنیا کو
کہ سدراہ اک سوزن ہوئی پاے مسیحا کو

غبار تن ہی مین تیرے نہان ہی محمل لیلیٰ
عبث تو چھانتا پھرتا ہی مجنون خاک صحرا کو

جو شب کو ماہ ہی برمین تو دن کو مہر پہلو مین
نہین نسبت کسی سے خوبی طالع مین دریا کو

ہوا ہون گا وشمن گانگی جستجو مین صیت سے
نہو دیگی سیہ کارو نکی تپش آگے نیکون کے
تکلف چاہیے کیا خاکسارونکو زمانے مین
اثر ہوتا جو کچھ بھی بلبلِ بے پر نالہ و شیون
لگا تا جا ہے صندل خاک پا زاہد کی ماتھے پر
غرور جاہ و حشمت عشق مین ہرگز نہین رہتا
رکھا محفوظ آفات جہان سے گوشہ گیری نے
خرابی سے جو قصر تن کی منعم کو خبر ہوتی
نہین جانتے ہین یہ پروانے چراغ و شمع کی جان
صدا ساز سے آتی ہے جہان تازہ مقامین
خیال ہر دم لشتا ک میری دلمین رہتا ہے
نہین ہے برش تیغ قضا سے اُنکو آگاہی
فرشتونکو بھی اُس تیغ نگہ نے کیا گیا زخمی

گل بدفن سے میری بند کرنا اُسکے روزن کو
چمن مین گل کے ہوتے پوچھتا ہے کون سوسن کو
کناری کی نہین حاجت ہے کچھ صحرا کے دامن کو
قفس کسطرح کرتے چاک ہر دیوار گلشن کو
مآل کار سے ہوتی جو آگاہی برہمن کو
گدا کے آگے جھکوا تا ہے پیا ہونگی گردن کو
بجھا سکتی ہے کب صرصر چراغ زیر دامن کو
عوض گھر کی وہ ہوتا گسی ملکس کے مدفن کو
ملا ہے جیسے منہ پر اپنے اُسنے موم روغن کو
یہ اثر تاز نفس مین جانتا ہون نار آہن کو
جلا سکتی نہین برق ہرگز میری خرمن کو
پناہ جسم جو سمجھے ہین اپنے خود و جوشن کو
فلک پر لیگیے جو حضرت ادریس زن کو

کسی محبوب کی تیغ نگہ کا کھاوی دل مین
اسیر غم تیرے ای سرو قد مانند قمری ہون
کرامت آپکی اے شیخ صاحب ہم نہ مانینگے
ہزارون گرچہ دیوانے ہوئی پیدا زمانی مین

دکھائین گے نہ یہ زخم نہانی چشم سوزن کو
نکالی کیا کوئی گردن سے میری طوق گردن کو
مسلمان آجتک ہمنے کیا ہی کس برہمن کو
ہم ہی نے اک کیا آباد پھر مجنونکی مسکن کو

عداوت جو رکھے اُس سے عداوت آپ بھی رکھیے
یہ نادانی ہے ای غافل سمجھنا دوست دشمن کو

فرض جانا اُسسے سجدۂ آستانِ یار کو
دیدہ بازی کی مگر دریدہ خوبی یار کو
کب کوئی خط پہونچی نشان خطِ روے یار کو
اندنون پاتا ہون آب زنگ پر گلزار کو
کیون نہ کیسے منزل مقصود کوے یار کو
بدتر از مردہ ہے وہ زندہ نہ دیکھی جو تجھے
بوسے لیکر شعلہ رویونکی سب مہتاب مین

جو لباس کعبہ سمجھا سایۂ دیوار کو
بندا یرک سے کیا جو روزن دیوار کو
کلک قدرت نے لکھا ہی اس خط گلزار کو
اب جو کس نے بنایا دیدۂ خونبار کو
ہے چمن بلبل کو اور دار الشفا بیمار کو
ہو وہ جینگا دیکھنے جائے تو حسن بہار کو
خوب سا ہمنے جلایا مرغ آتشخوار کو

عالم رؤیا میں ہر شب دیکھتے ہیں یار کو
خواب میں پایا ہے ہم نے دولت بیدار کو

گلشن جنت سے کیا نسبت ہے کوئے یار کو
سایۂ طوبیٰ نہ کہیے سایۂ دیوار کو

جیسے دی تشبیہ اُس سے عارض دلدار کو
برق پھینکے ہے ہلو پر دمبدم دستار کو

صاحب جوہر کو لازم ہے شرافت کا نشان
یعنی بے تمغا نہ پہچانے کوئی تلوار کو

چاہتا ہے ابلق گردوں بنے توسن مرا
کتنا ہی سورج اُٹھاؤں میں سپر تلوار کو

کم بہا و بیش قیمت جنس میں اتنا ہے فرق
وہ تو گھر اپنے بکا یوسف گیا بازار کو

ہم سے مست جنوں کو کہے رکتے ہیں کوئی
کب ہوئی زنجیر مانع فیل کی رفتار کو

خانہ سازی پر عبث مرتے ہیں یہ اہل دول
کیا اُٹھا لیجائینگے سر پر در و دیوار کو

کوچۂ خوباں میں رہتا ہے یہی ہر شب خیال
پھاندیے کوٹھا کسی کی توڑیے دیوار کو

آفتاب صبح کسکی زلف کا دیوانہ ہے
تار تار اسنے کیا جو جامۂ زرتار کو

تنگ تھا وصف دہن میں ہم پہ قافیہ باغ کا
کھولنے بھی ہم نپائے غنچۂ منقار کو

پہلے نکلے دل سے نالہ پیچھے آنسو چشم سے
فوج سے آگے ہی رکھتے ہیں علم بردار کو

جسنے کھایا دل کے اوپر یار کا نیش نگاہ
خانۂ عقرب وہ سمجھا روزن دیوار کو

فارغ ہین یون کشاکش دنیا سے سخت تن | جیسے کڑی کمان نئے سر سے کبادہ ہو
خورشید ایک نیزے پہ آیا یہ ہو یقین | گر بے نقاب تو سر بام ایستادہ ہو
اشکون سے اپنا سبزۂ مژگان ہے تر مدام | کیونکر وہ کھیت خشک ہو جو آب دادہ ہو
کیونکر ہو تیری خاطر نازک سے اگرہ | ممکن نہین کہ عقدۂ ریشم کشادہ ہو

مرد سپاہی رکھتے ہین غافل خود اصل شیر
مارین اُسی کو لاکھ مین جسپر ارادہ ہو

خط مشکین چاہیے کیا اُس رخ پرنور کو | ابر کا ہونا نہین لازم ہے برق طور کو
کسقدر یہ رند بھی ہین مست صہبائے غرور | توڑتے ہین خشت خم سے کاسۂ فغفور کو
راہ تاریک عدم مین خوب کہا ٹھوکرین | کہ نہ شمع دار ملجاتی یہان منصور کو
اصل کا رتبہ نپائے کم بہا نقلی ہے | کب ملے ہیرے کی قیمت ریزۂ بلور کو
سوزش دل کی مدادا مین بستر گرم تھا | جل بجھا جب سینہ تب ٹھنڈک پڑی کافور کو
ہمنے یون چرخ مکوکب کو جلایا آہ سے | پھونک دے جسطرح کوئی خانۂ زنبور کو
چشم تر سے اشک خون جاری رہے جو ہین بہا | بند کرتا یک بیک اچھا نہین ناسور کو

تیغ کے مانند مجھی سرکشی اچھی نہیں
جیسے ہم زخمی ہوئے تیغ نگاہ مست کے

بیگنہ کاٹتے ہیں گردنِ مغرور کو
دوست رکھتے ہیں نہایت زخم کی لنگور کو

سپرہ ہے نکتہ چین معنی روشن آفتاب
کیا نظر آتا ہے نمارِ غلِ دیدہ بے نور کو

دستِ رنگیں سے چھپایا چہرۂ پرنور کو
گر دیا گل شمع ایمن نے چراغ طور کو

محو جوئے شیر ہے فرہاد جو فردوس میں
قصر شیریں کا مگر سمجھا ہے قصر حور کو

چاک کر سینہ جو ہے دل میں ہجوم آرزو
کسنے دربستہ رکھا ہے خانہ معمور کو

تیرے روئے آتشیں پر خط کی ہو کیونکر نمو
بے دخان دیکھا ہے اکثر شعلہ کافور کو

ناخن دستِ جنون بھی کوئی تیغ تیز ہے
زخم کاری کردیا ہے سینے کی ناسور کو

دولت ممسک لیا چاہے تو کر محنت قبول
ملتے دیکھا ہے دفینہ بیشتر مزدور کو

صبح کردی آہ و نالے میں شب تار فراق
میں ہوں وہ فرہاد کاٹا جسنے کوہ طور کو

نقص خامی کب ہے پیدا اگر ہوئے کمال
پختگی کرتی ہے زائل ترشیِ انگور کو

دار کو بھی ہم سمجھتے ہیں کہ اک زینہ ہے یہ
ایسے بیخود ہوگئے پیکر سے منصور کو

مرے اتار رہا اشک کا یارب بھلا ہوئے
بہانے عاشق بیتاب کے لاشے کو دریا مین

یقین ہے قمریان آسپر تیشے انکی صد تھے ہون
سبکسارونکو خطرہ کچھ نہین قہر الٰہی کا

اذیت کا سبب ہے پاس جنس بے بہا رکھنا
یہانتک غیر کی شرکت سے ہے آزاد کو نفرت

صدائے ہمصفیران تو مری کانو نمین آئیگی
ضعیفونکی توانائی سے ای ظالم نہین ڈرتا

بنائے دانہ تسبیح انکی خاک تربت سے
سیہ اتنی ہوئی ہے یہ برنگ مشقی طفلان

پنہائی کیا ہے چلمن پردے کی جسم عریان کو
تہ و بالا کرے گا ورنہ یہ گور غریبان کو

لب جورات کو دیکھیں اگر سرو چراغان کو
خس و خاشاک کشتی جانتے ہین موج طوفانکو

برائے لعل ٹکڑے کرتے ہین کان بدخشان کو
نہین پیوند کرتا باغبان سرو گلستان کو

بنا نازیر دیوار گلستان میرے زندان کو
کہ کھا جاتا ہے اکثر موجہ شمشیر تبران کو

دیا یہ مرتبہ اللہ نے تیرے شہیدان کو
کہ ہرگز پڑھ نہین سکتا ہون اپنی فرد عصیانکو

وہ نخل یاس ہون اس مزرعہ ہستی مین ای غافل
نہین ہے پھولنے پھلنے کی جسکے فکر دہقان کو

غم فرہاد مین شیرین نے بہائے آنسو		تونے تربت پہ مری دو نہ گرائے آنسو

روکش گوہر و یاقوت نہ کیسے آنسو
قصۂ غم کو مرے شمع شبستان سنکر
اشکباروی کہ گلگن مین نہ سماتے آنسو
خوف ہے طفل کو سوطرح کا تنہائی مین
لب دل کو یہ پھر سے ساتھ لگائی مین
جوش طوفان کو تو خاطر مین نہ لائے آنسو
یک بیک آج گیا سامنے وہ مہ لقا

نرالا ساری عالم سے ہے غافل عالم وحشت
نہ غم دنیا کا ہی نی دہشت عقبیٰ ہی مجنون کو

جذب دل ہی ہین کیا خون دل بسمل کو
تا لہو دیکھ کے آجائے نہ غش قاتل کو

سیر دریا کی خوش آتی ہی کسے یار بغیر
ہم لب گور سمجھتے ہین لب ساحل کو

ساربان جی کی طرف کھینچے ہے مجنون کو نجد
ناقہ حیران ہی کہ لیجاؤن کدھر محمل کو

تل یہ کاجل کا زنخدان پہ بنا کر تونے
داغ اک اور دیا رات مہ کامل کو

ایک بوسہ نہ دیا اسکا تو کیا اجر اسکا
گر بھرا موتیون سے تونے کف سائل کو

وادیٔ نجد کا اندیشہ نکر اے لیلیٰ
ناقہ دو گام مین کر جائیگا طے منزل کو

پردہ چہرے سے اٹھاتا ہی وہ اندک اندک
نیم بسمل نہ کرے آج کہین محفل کو

اے پری چہرہ ترے خال دہن کا عشاق
چین دیتا نہین از بسکہ کسی عاقل کو

آب پر نقش بناتا ہی کوئی تیری لیے
آگ مین پڑھ کے جلاتا ہی کوئی طفل کو

بھول جاتا وہ اگر تمکو نہ تھا اسکا عجب
تم تو ہشیار تھے کیون بھول گئے غافل کو

[illegible]

انتظار یار مین اپنے خط انگشت دست
بخت خوابیدہ کسیکا تا نہ چونکا خواب سے

مٹ گئے ہین گنتے گنتے روز ماہ و سال کو
زیب پا اُسنے کیا ہے گر صد اخلخال کو

قطع کرنا رشتہ الفت کا غافل خوب ہے
کون ساتھ اپنے لگائی رکھے اس جنجال کو

تحریر اُسکی ناز کی عضو تن نہو
عریان اُٹھین گے قبر سے آخر تو حشر کو
صیاد وان نہ رکھ قفس بلبل اسیر
تیشے کے جو دہن سے نکل آئی ہے زبان
بے سعی غیر نکلے ہے دریا دلون کا کام
منصور کو جو دار پہ کھینچا بجا کیا
مین نے تو سینہ چاک کیا اُسنے پیرہن
ازبسکہ صاف دل ہین یہ منظور ہے ہمین
اتنا بھی سادہ رو تو خوش آتا نہین ہمین

جائے قلم اگر رگ برگ سمن نہو
رکھدو ہمین یونہین جو نہین ہے کفن نہو
برسون جہان گذر از نسیم چمن نہو
پیاسا ترے لہو کا تو اے کوہکن نہو
چشمے مین کچھ بھی حاجت دادو رسن نہو
وہ بات کیون کہے جو سزا دہن نہو
مجنون زخم سینہ مرا خندہ زن نہو
نامہ بھی تجکو بھیجین تو اُسمین شکن نہو
اک آدھ لفرشی کی جسمین پھبن نہو

مصحف رخ کو ترے دیکھ کے کہتے ہین ہنود
اے صنم ہو جائین گے اک روز مسلمان ہم تو
نہ ذرا وادی پرخار سے ایسے مجنون
گردش چرخ سے ثابت فلقِ مینا کی طرح
محفل عیش مین بھی رہتے ہین گریان ہم تو
انتہا دیکھیے کیا الفت خوبان دکھلائے

لطف کیا رہتی گا اس گلشن مین اے بلبل جہان
باغبان صیاد ہو اور موج سبزہ دام ہو

کوچۂ جانان مین دئیں ہم اگر دل کھولکے
پل مین دریا کا کنارا اک کنار بام ہو

آتش افسردہ ہین اُنکے سینۂ آلودہ لب
اُنسے کیونکر پختہ اپنی آرزوے خام ہو

کوئی بے اسکی نہین اُس سے بچے سازش کیطرح
یا ہمین کافر ہون یا وہ صاحب اسلام ہو

چاہتے ہین یہ پتنگے شوق وصل شمع مین
ہم جلین اور صبح دود بال و پر سے شام ہو

کیا کوئی شاعر کمر کو تیری باندھے شعر مین
جب تلک مضمون نہ اسکا غیب سے الہام ہو

بوریاے فقر میرا کب بنا تخت شہی
مجکو کیونکر اعتقاد گردش ایام ہو

عیش دیتا ہے اسے دور فلک اور مجکو رنج
یان مجھے دوران سے ہو وان جو دور جام ہو

عیب ذاتی تربیت سے بھی نہ زائل ہو سکے
تلخی شکر مین بھی دیوے تلخ جو بادام ہو

ہے جناب کبریا مین یہ ہی غافل کی دعا
جو کہون مین شعر وہ مقبول خاص عام ہو

وہ جام جو پیے تو مجھے یان خمار ہو
ٹوٹے بدن مرا اگر اسکو بخار ہو

دیوانگان گل کی جو مرضی ہو اے صبا
زنجیر بھی ہو پانو مین تو خار دار ہو

کام تھا عالم امکان سے بھلا کیا ہمکو	جذبۂ عشق یہان کھینچ کے لایا ہمکو
ایک مدت سے تلاش دہن یار ہین ہم	اسقدر گم ہین کہ پاتا نہین عنقا ہمکو
پس دیوار تری کوچے مین ہم بیٹھے ہین	آج جنت مین ملا سایۂ طوبا ہمکو
شمع سان یاد قد یار مین روتے روتے	موج اشکون کی ہوئی سلسلہ پا ہمکو
دیکھتے ہین جو کبھی دیدۂ وحدت بین سے	نظر آتا ہے ہر اک قطرے مین دریا ہمکو
دین کے کام کے نے لائق دنیا ہین ہم	نہین معلوم کیا کس لیے پیدا ہمکو
تن پر داغ سے جل جل کے کفن خاک ہوا	مرگئے پر بھی کیا عشق نے رسوا ہمکو
ہمرہان جاتے رہے دشت خطرناک کے بیچ	صورت نقش قدم چھوڑ کے تنہا ہمکو
شب دیجور نہین ہر جو فلک پھر کیا ہے	اک نیا روز دکھاتا ہے تماشا ہمکو
اشک گوہر ہو اگر لخت جگر ہو یاقوت	دولت عشق سے سب کچھ ہے میسا ہمکو

خواہش حور ہے غافل نہ ہوس جنت کی
آرزو ہے کہ نہ ہو کچھ بھی تمنا مجکو

مرغ دل عشاق کی خاطر نہ نشان ہو	جبتک نہ تری ناوک مژگان کا نشان ہو

ایسا نہ کوئی خاطر عالم پہ گران ہو
جس کشتی پہ ہم بیٹھین وہ کشتی نہ روان ہو

مین سختی دوران سے رگ سنگ بنا ہون
نشتر بھی لگائین تو نہ خون تنسے روان ہو

اس باغ کے گل مدنظر اپنے نہین ہین
ہوتا تھا جہان گل پہ خزان آج خزان ہے

مضمون جو لکھون خواہش دیدار کا خط مین
جو دائرہ حرف ہو چشم نگران ہو

مژگان کے خس و خار ہون کیا باعث گریہ
ہو جاوے وہ جون کاہ اگر کوہ گران ہو

خاموشی مین جون غنچہ مزا جسکو ملا ہے
ہرگز نہ کرے بات اگر لاکھ زبان ہو

ہمرنگ رخ یار اگر ہووے کوئی گل
بلبل نہ کبھی باغ مین سرگرم فغان ہو

مین داغ جدائی مین کسی گل کے ہوا ہون
گر نام مجھے وان وہ جہان لالہ ستان ہو

پنہان ہے مرے سینے مین یون سوز محبت
جسطرح سے شعلہ دل خارا مین نہان ہو

دعواے فن شعر فریب ہے اسی کو
جو کوئی کہ غافل ہمہ گو ہو ہمہ دان ہو

مصحف روکو سمجھتا ہون مین ایمان اسکو
جو پھرے اس سے کہون پھر نہ مسلمان اسکو

دشت سحر گر تیرا دیوانہ کرے شہر کا قصد
پانوسن پڑ پڑ کے کھین خار مغیلان اسکو

کیوں نہو جان ان کے نالو سے تنگ
ہمصفیر مرغ بہار اپکی چمن کی لوٹی

لندنوں تجنے نکالی ہے یہی طرز خرام
سجدہ کرتے ہیں اسے شیخ و برہمن دونوں

زندگی گرنی پڑی ہے اسی بیمار کے ساتھ
ہم قفس ہی ہیں ہم مرغ گرفتار کے ساتھ

جی کھنچے جاتے ہیں ظالم تری رفتار کے ساتھ
بت کو نسبت نہیں کچھ سنگ دیار کے ساتھ

مجکو اولاد علی سے ہے محبت غافل
حشر ہوئے گا مرا حیدر کرار کے ساتھ

ہم فقیروں کا سنے گرد کر آرہ فاختہ
جل کے خاکستر ابھی ہو جائے داگ آن میں

چشم تیرے اپنی تو سیر اب کر شمشاد کو
جامۂ خاکستری سے تیری یہ ثابت ہوا

جسم اس ماہ تمامی پوش کا سایہ پڑے
عشق مژگان سے بھی تو کھینچا ہی دار شرر ہے

مرغ بستانی کا آگے سامنے دم بند ہے

اپنی کو کو پر کرے ہرگز نہ غرہ فاختہ
گر ترے دل میں ہو سوز عشق ذرہ فاختہ

یان درخت خشک پر جاتا ہے آرہ فاختہ
اپنی درویشی کا ہے تجکو بھی غرہ فاختہ

باغ میں وہ سبز ہو رشک محرہ فاختہ
یاد ابرو میں اگر ہے زیر آرہ فاختہ

نغمہ سنجی میں نکر غافل سے غرہ فاختہ

باندھ رکھتے ہین دل وحشی کے ہم پیوستہ پا
تنگ آیا ہون تری زلفونکی زنجیرون کے ہاتھ

تا نہ کہلا بھیجین ہین پیام زبانی عاشقان
بھیجتا ہے وہ جوابِ نامہ بھی تیرون کے ہاتھ

دمبدم دردِ محبت اور بھی بڑھتا گیا
جا پڑا ہون کن طبیبونکی مین تدبیرونکے ہاتھ

خاک و خون مین دستِ پا مار کیے وہ دیر تک
دامنِ قاتل تک آیا تو بھی نخچیرون کے ہاتھ

آرزو مین جو ہم آغوشی کی تیری مر گئے
گور سے باہر رہینگے ان جوانمیرونکے ہاتھ

عاشقِ حیران کا تیری کیا جنازہ لیگئے
پہنے کو اٹھے ہین تصویرون کے ہاتھ

قتل مین بھی میری کیا مرنہ تجھے منظور ہے
مجھ پہ گن گن کر لگتا ہے جو شمشیرونکے ہاتھ

ایسا ساحر ہے وہ ای غافل بقول مصحفی
باندھ رکھے ایک تار زلف مین پیرونکے ہاتھ

گھورتی ہے بطرح تصویر پشتِ آئینہ
مجھسے کیا ایسی ہوئی تقصیر پشتِ آئینہ

اپنے خط کا مین نے کاغذ جو دیا اسپر لگا
پڑھ کے وہ حیران ہوا تحریر پشتِ آئینہ

زانوی خوبان سے ہم بھی کہہ چسپان ہر گھڑی
کاش کے ملتی ہمین تقدیر پشتِ آئینہ

حسرتِ دیدار مین آنکھ جو مین بسمل ہوا
خون میرا ہوگا دامنگیر پشتِ آئینہ

دیوان غافل

۷۷

مزا ملے جو مری طرح اُسکو جلنے مین
تو آگ سے نہ کبھی پھر رخ کباب پھرے

جو کھوئے محرم آب دہان کو تو لب جو
عدم کو جاتی ہوئے راہ سے حباب پھرے

مدد سے طالع برگشتہ کے عجب کیا ہی
جو کوئی یار سے قاصد جز اشتاب پھرے

اُٹھے جو یار کے رخسار آتشین سے نقاب
تو حشر کو نہ ادھر روئے آفتاب پھرے

شب وصال جو آہستہ چلنے کو کہیے
تو ضد سے میری فلک اور بھی شتاب پھرے

جو تیری چشم کا قاضی کو بھی اشارہ ہو
بغل مین دابے ہو شیشۂ شراب پھرے

وہ آئے فاتحہ پڑھنے جو بعد مدت کے
مری لحد سے یہ نکلی صدا شتاب پھرے

بدل بہار سے ہوئے خزان گلشن عمر
جو پیر بھی جاگی کبھی موسم شباب پھرے

کہین تو دفن ہی فرہاد اور کہین مجنون
نہ کوہ و دشت مین روتا ہوا سحاب پھرے

چلو رکھی سے جلائے چراغ دریا پر
جو تجھسے دل مرا اے رشک ماہتاب پھرے

سوال سنکے مرے آپ ہین جو خاموش
یہ وہ گدا نہین جو در سے بے جواب پھرے

وہ لالہ روپے گلگشت باغ آیا ہے
ہزار شکر کہ دن تیرے اے گلاب پھرے

خیال جسکا کہ بیداری مین ہے ہر دم
اُسکی آنکھوں مین صورت میان خواب پھرے

صحرا مین میرے خضر کا اُٹھتا نہین قدم
جبتک نہ آگے آگے کوئی رہنما چلے

گردون کسی ملاقی ہو انسان کو خاک مین
بہتر ہے آدمی جو ذرا سر جھکا چلے

بجلی کے تیری تیغ بش ابرو مین چمک ہین
کیا خاک اُسکے سامنے تیغ قضا چلے

کیا دورِ دادخواہی کو صحراے حشر مین
قاتل کے ساتھ گرم الاشہ چلا چلے

تکتے ہین مُنھ ہر ایک کا محفل مین اسلیے
ہم بھی کہین کچھ اُس سے جو ذکر وفا چلے

جور بتان ہند سے غافل تنگ ہون
مین تو ابھی چلون جو کوئی کربلا چلے

عبث وہ سرمگین ستا ہے اب تو آنکھون سے
کہ روتی روتی یان جاتا رہا ہی نور آنکھون سے

اڑاتے ہین ستارا نگہ اُن مخمور آنکھون سے
کیا ہی شرم کہ بیرو کو شاید دور آنکھون سے

کیا ہی قتل اک عالم کو جنکے لال ڈورون نے
خداوندا بچا نا مجکو اُن مخمور آنکھون سے

چڑھے وہ غیرت شمع تجلی گر نظر تیری
ابھی گر جائے موسی چراغ طور آنکھون سے

دل صافی کا گر ہو پاس میخانہ مین ساقی کو
اُٹھائے ریزہ ہاے ساغر بلور آنکھون سے

کیا ہی مین نے طی اک گام مین راہ حقیقت کو
قدم میر لگائین شبلی و منصور آنکھون سے

بے قد یار آنکھوں میں یوں سرو باغ ہے
سولی کھڑی ہو جیسے گنہگار کے لیے

وہ بت ہے تو کہ آنکھ کی پتلی بنائیے
آنکھوں کے ڈورے ہوں ترے زنار کے لیے

دیکھا ہے جیسے حلقۂ عشاق ترے گرد
جلتی ہے شمع گرمی بازار کے لیے

جیسے تکلف ہیں تو درمیاں نہیں
میرے لیے ہے یار تو ہیں یار کے لیے

روئے صبا یہ کب در گلزار بند ہے
راہیں کھلی ہوئی ہیں طلبگار کے لیے

دیوانہ پیرہن نہ کرے چاک کیا کرے
کچھ مشغلہ ضرور ہے بیکار کے لیے

یارب ہماری آنکھ کا پردہ پسند ہو
درکار ہے نقاب رخ یار کے لیے

مرتا ہوں میں تو حلقۂ گیسو کے رشک سے
بوسے ہزار ہاتھ ہیں رخسار کے لیے

اللہ رے جذب عشق کہ باد صبا کے ساتھ
گل اڑ کے آئے مرغ گرفتار کے لیے

مجنوں نہ ہو تو کون ہے لیلیٰ کا قدرداں
مطلوب ہے جہاں طلبگار کے لیے

خلوت سرائے خاص میں غافل کا ہے گذر
پروا نہیں ہے محرم اسرار کے لیے

وہ جوش نوجوانی اب گماں ہے
نہ وہ نالہ نہ وہ شور و فغاں ہے

شب جدائی کا مجکو کھٹکا زبسکہ روز وصال بھی ہے

اگر ہے رنگ نشاط منہ پر تو دل مین کچھ کچھ ملال بھی ہے

ہوئے ہین جون خار شانہ لاغر بدن مین کچھ اپنے حال بھی ہے

وہ گل تو زلفین بنا رہا ہے اُسے ہمارا خیال بھی ہے

ثبات کار جہان ہو کیونکر زمانے کا ایک حال بھی ہے

عروج ہے تو نزول بھی ہے کمال ہے تو زوال بھی ہے

یقین یہ ہے کہ آجکی شب فلک نہ چھوڑیگا مجکو جیتا

جو کہکشان ہے سنان سنبھالے تو تیغ بر کف ہلال بھی ہے

نہ پوچھو جو کچھ کہ ہم پہ گذری سُنا ہی ہوئیگا حال اُسکا

یہ سچ کہا ہے کہ عشق بازی نہین ہے آسان محال بھی ہے

کدھر گیا ہے خیال تیرا کہان ہے اے شاخ یاسمن تو

سمجھ کے دعوی نازکی کر چمن مین وہ نونہال بھی ہے

عجب نہین اسکا زشت رو بھی جو آپکو جانے خوبصورت

گدائے ناچیز ہین ہمارا خیال آتا ہے کب کہ اسکو
جو کبر جاہ و جلال ہے تو غرور حسن و جمال بھی ہے

نہ خواب و خور کا ہے دھیان مجکو نہ تن بدن کا ہے ہوش باقی
خیال جانان مین محو ہون مین سبھے مجھے اپنا خیال بھی ہے

فتادگی سے غبار رہ کو ملی ہے اوج ہوا پہ جا کبھہ
جو آپ کو جانے سب سے ناقص برابر اسکے کمال بھی ہے

پھنسے ہین کتنے ہی طائر دل ہمارے زینو کے پیچ مین ہین
غرض کہ ثابت ہوا یہ مجکو قبا بھی ہے اور جال بھی ہے

مثال خورشید اسکے منہ پر نظر ٹھہرتی نہین ہے اصلا
لڑا سکے اس سے آنکھ کوئی کسیکی اتنی مجال بھی ہے

برنگ ماہی کسی نے مجکو کیا تھا چو رنگ کیا عدم مین
جو زخم شمشیر ہے بدن پر تو خلق میرا ہلال بھی ہے

گدائے نظارہ باز ہون مین جو پاس رکھتا ہے دولت حسن

دیوان غافل ۸۳

اس سرا دہر میں ہر دم مقام کوچ ہے — کوئی بیٹھا ہے کوئی پا در رکاب استادہ ہے

انکو ہوئے حیرت افزا کا ہرا جیسے عکس — مثل آب آئینہ دریا کا آب استادہ ہے

بیٹھنے کا حکم کب ہے محفل خوبان کے بیچ — دست بستہ سامنے ہر شیخ و شاب استادہ ہے

آفتاب صبح جسپر روز ہوتا ہے فدا — کیا یہ اسکا خیمہ زریں طناب استادہ ہے

گر نہ انکے سامنے گردن جھکا دوں کیا کروں — قتل پر میرے وہ سرگرم عتاب استادہ ہے

یہ وہی غافل ہے جو تھا کل تلک مسند نشین
آج گو اس در پہ با حال خراب استادہ ہے

نگاہ یار ہم سے آج بے تقصیر پھرتی ہے — کسیکی کچھ نہیں چلتی ہے جب تقدیر پھرتی ہے

مرقع ہے مری آنکھوں نہیں کیا یاران فتنہ کا — جو نظروں کے تلے ہر ایک کی تصویر پھرتی ہے

ترا دیوانہ جب سے اٹھ گیا صحرائے وحشت سے — بگولے کی طرح سے ڈھونڈتی زنجیر پھرتی ہے

تری تلوار کا منہ ہم سے پھر جائے تو پھر جائے — ہماری آنکھ کب قاتل تری شمشیر پھرتی ہے

کبھی تو کھینچ لائیگی اسے گو غریبان پر — کہ مدت سے ہماری خاک دامنگیر پھرتی ہے

بیاں کس منہ سے ہو ہم یار کی شیریں کلامی کا — زبان پر اپنی اب تک لذت تقریر پھرتی ہے

گر حلقۂ تسبیح مین گردن ہی کسی کی
وابستہ ہے تو رشتۂ زنار سے کوئی

تنہا نہ ہمین اسمین گئے جان سے غافل
جانبر نہ ہوا عشق کے آزار سے کوئی

چمن کوچۂ جانان سے یہ کیا آتی ہے
ناز کرتی ہوئی جو باد صبا آتی ہے

ایک وہ بت نہین آتا ہی مرے مرقد پر
گو زیارت کو لیے خلق خدا آتی ہے

لیکے پیغام زبانی جو چلا ہی قاصد
بات بگڑی ہوئی کیا اسکو بنا آتی ہے

عشق نے عالم پیری مین ستایا ہی مجھے
نالہ کرتے ہوے اس منہ سے حیا آتی ہی

کسکے مین دست نگارین کا ہون زخمی یارب
ہر گل زخم سے جو بوی حنا آتی ہے

جی مین آتا ہی مسیحا سے مین پوچھون جاکر
مرض عشق کی بھی تجھکو دوا آتی ہے

صبح کس طرح سے ہوگی شب دیجور فراق
نہ تو نیند آتی ہے مجھکو نہ قضا آتی ہے

کسطرح قافلۂ ملک عدم کو ڈھونڈھین
نقش پا ملتے ہین نہ بانگ درا آتی ہی

چھوڑ جاتا ہی وہ جب گھر مین اکیلا مجھکو
در و دیوار سے رونے کی صدا آتی ہی

یاد گیسو مین الجھتا ہی شام سے دل
رات کیا آتی ہی اک سر پہ بلا آتی ہی

گفتگو زلف کی اُسکی جو کبھی آتی ہے
پیچ سے گر تری کاکل کے نکلتا ہو کوئی
پوچھتے کیا ہو تم اِس خاک کے پتلے کا ثبات
بحث نالے کی کیا کرتا ہو ہمسے مجنون
کسکے مجموعۂ خاطر کو کرے گی برہم
ناقبولی سے ہوں دُود زمین میں پس رگ
بیستون کاٹکے فرہاد نے یہ دل سے کہا
میں وہ ہمکیش ہوں گلزار میں جسکی خاطر
کون فریاد اسیران جفا سنتا ہے

بات کرنے میں زبان میری اُلجھ جاتی ہے
زلف پھر دام میں اپنے اُسے اُلجھاتی ہے
جیسے تصویر گلی بنکے بگڑ جاتی ہے
اپنے دیوانے کو لیلی نہیں سمجھاتی ہے
اُلجھے بالوں کو ترے کنگھی جو سلجھاتی ہے
میرے مرنے کو تو مٹی بھی نہیں کھاتی ہے
اور کیا دیکھیے شیرین مجھے فرماتی ہے
اُٹھ کے میخانے سے ہر شب بط مے آتی ہے
ہم بھی غل کرتے ہیں زنجیر بھی چلاتی ہے

عرش پرواز و نمین تھے ہم بھی کبھی اے غافل
اب تو ے بال و پری ٹھوکریں کھلواتی ہے

تجھسے محبوب جو وقت بگڑ جاتی ہے
بو کسی زلف معنبر کی مگر لاتی ہے

مرتے بن آتی ہے اور کچھ نہیں بن آتی ہے
ناز کرتی ہوئی جو باد صبا آتی ہے

گلزار نا پائدار ہے ... [illegible]

بادہ خوار وہین نہین مجھا کوئی نازکی مانع [illegible]

بو کرد ہی تو کو تو ہوے نشہ صبا سے مجھے

کبھی مکان مین سے مین ہون اٹھا غافل تری

فکر عالی نے دکھایا عالم بالا مجھے

[illegible]

پست کرتی ہی بگولے کو بلندی آخر

سرکشی خاک مین ہر ایک کو ملواتی ہے

زرد ہوتا ہے کبھی چہرہ مرا گاہ سفید

رنگ کیا کیا مجھے الفت تری دکھلاتی ہے

ملک رفاے سے ہمین دار لقا کو غافل

ایک ہی لغزش پا مستی مین ہو نجاتی ہے

محفل عشرت بھی خوش آتی نہین اصلا مجھے

یاد دلواتے ہین اُسکے ساغر و مینا مجھے

دو گھڑی بھی چین بن اُسکی نہین آتا مجھے

میری بیتابی کریگی ایکدن رسوا مجھے

جسنے جرم دوستی پر جان سے مارا مجھے

حیف وہ اتنا نہ سمجھا اب کہین کیا مجھے

کھینچتا ہی جوش وحشت جانب صحرا مجھے

خانۂ زندان مین بھی مشکل ہو رہنا مجھے

آگئی پہلے ہی پیر نا امیدی کی شکست

مانگتا عقبی ہی مین ملتی اگر دنیا مجھے

نہ سزاوار جہنم ہون نہ شایان بہشت

حق تعالی نے کیا ہی کس لیے پیدا مجھے

مین ہون مجبور ازل اسکا تعجب کچھ نہین

ساتھ سونے گر نہ دیوی صورت پیا مجھے

تیری چشم سرمہ سا کی ہمچو پائی تشبیہ

خوش بہت آئی چمن مین نرگس شہلا مجھے

ٹھنڈی ٹھنڈی سانس بھر کر رہ جاتا ہون

یاد آتا ہے جو وصل موسم سرما مجھے

[illegible]

سرگذشت سوزِ ہجران کا نہ پوچھو ماجرا
جسکو سنکر کان جلجائیں وہ افسانہ ہی

آمد آمد ہے الٰہی آج کس مہ نوش کی
مثلِ چشمِ منتظر جو دادِ میخانہ ہی

وہ بگڑ بیٹھے ہیں جیسے اپنی ہی جان پر
ہم بیان کرتے ہیں وہ روانِ نازِ معشوقانہ ہی

دستِ پا کا خون ہیں پھر ناہی وضوی عاشقان
ٹیکے سر گرِ نازمین پر سجدۂ شکرانہ ہی

نعمتِ خوانِ سلیمان کی نہیں مجکو ہوس
مور قانع کی طرح خرمن مجھے یکدانہ ہی

جلد کر جاتے ہیں عاشق بہرِ ہستی سے عبور
شمع روشن بادبانِ کشتیِ پروانہ ہی

موج زن دریا میں ہے اسقدر حیرانی میں
صورتِ گرداب گردش میں ہے اک پیمانہ ہی

دور کرتا ہی جو خطِ سبز کو عارض سے تو
کیا ریاضِ حسن میں یہ سبزہ بیگانہ ہی

داؤن اے غافل سمجھکر رکھ قمارِ عشق میں
جان کی بازی ہی ہجریان کیا بازی طفلانہ ہی

حور کو کہتے ہیں خوش چہرہ بھلا کس منہ سے
آنکھ سی آنکھ نہ گیسو ہیں ترے گیسو سے

دولتِ حسن کے جانے کا نہ کر تو افسوس
ہاتھ آتی نہیں جو چیز گئی قابو سے

جیسے تن پھونک دیا آتشِ فرقت نے مرا
آگ کا شعلہ نکلتا ہی بن ہر مو سے

ہمخانگی یار کا حاصل تب مزا
جب درمیاں سے شرم کی دیوار ٹوٹ جاے

کنج قفس میں آج پھڑکتا ہے بے طرح
بازو ترا نہ مرغ گرفتار ٹوٹ جاے

وہ بے نصیب کشتۂ تیغ نہیں ترے ہوں میں
باری مری جو آئے تو تلوار ٹوٹ جاے

لیکر بغل میں شیشۂ مے کو چلا ہے شیخ
کیا سیر ہو اگر سر بازار ٹوٹ جاے

گاہک کئی ہیں آئینۂ دل کے ان دنوں
جھگڑا چکے جو پیش خریدار ٹوٹ جاے

کیوں سیب دل عزیز رکھوں چشم یار سے
ڈر ہے یہی نہ خاطر بیمار ٹوٹ جاے

اسلام کا ثبوت ہو اے شیخ کفر سے
تسبیح ٹوٹ جاے جو زنار ٹوٹ جاے

تڑپے نہ وقت ذبح یہ ہم جی میں سوچ کر
ایسا نہو کہ خنجر خونخوار ٹوٹ جاے

چمکیں ہیں یوں ہیں پہ یہ دندانہ اے تنگ
جسطرح موتیوں کا کہیں ہار ٹوٹ جاے

ہم وہ ہیں بے ثبات کہ گل ہے ہماری طرف
سو بار گر بنائیں تو سو بار ٹوٹ جاے

بسمل کی طرح تڑپے ہے دل کیا عجب اگر
تار رفوے سینۂ افگار ٹوٹ جاے

توڑونگا نہ میں رشتۂ الفت کو زینہار
تیری طرف سے ٹوٹے تو اے یار ٹوٹ جاے

لکھوں شکستہ پائی کا اپنے جو ماجرا
پاے قلم وہیں دم رفتار ٹوٹ جاے

پھر گئی آگے لیلی اے مجنون
کوہکن آپ کو ہلاک نہ کر
آب و دانے کی فکر مین شب و روز
جھک کے چانا پیان کینون سے

کتنی برگشتہ تیری قسمت ہے
نار پرویز کو جو عبرت ہے
اسیا زیر گرد کلفت ہے
یہ بھی اک تمغہ شرافت ہے

سچ کہا ہے کسی نے اے غافل
تندرستی ہزار نعمت ہے

چھٹ پنے ہی مین یار آفت ہے
ایک دل چھپہ لاکھ آفت ہے
کر نہ غفلت مین تو بسر انکو
مرگ پر کیا کسی کے روئین ہم
ناز و انداز یہ پری مین کہان
پڑ گئے جسم پر نشان نگاہ
دم آخر نہ جاؤ بالین سے

کچھ بڑھا قد تو پھر قیامت ہے
درد ہے داغ ہے جراحت ہے
ایک دو دم کی یہ جو مہلت ہے
دل کے ہاتھ سے کسکو فرصت ہے
ہنے مانا وہ خوبصورت ہی
گل مین کب اسقدر نزاکت ہے
کر لو رخصت کہ وقت رخصت ہے

روز حسرت ہے شب مصیبت ہے
نعمت خوان عشق کی پڑھی ہے
شکر کرنا یہان شکایت ہے
ہو فلک پر نہ کیون دماغ اسکا
ماہ سیما سے مہر طلعت ہے
دم غنیمت ہے زیست ای غافل
تند گئی آنکھ تب قیامت ہے

مین وہ ہون گنہگار نہ چھوڑے مجھے قاضی	جب تک نہ لہو درۂ تعزیر سے ٹپکے
زخمی تر امر جاے اگر پاس کے مارے	اک قطرہ نہ آب دم شمشیر سے ٹپکے
پڑ جاے اگر حسن جوانی کا تری عکس	اغلب ہی کہ جوبن تری تصویر سے ٹپکے
دن رات جو رہتا ہی کرم ابر بلا کا	جس گھر مین ہون وہ مری تقدیر سے ٹپکے
جب دیکھتی ہین سیب کو ہم یاد ذقن مین	کہتے ہین یہ میوہ کسی تدبیر سے ٹپکے
کیا کیا نہ اسیری مین ہوا حال ہمارا	آنسو نہ کبھی دیدۂ زنجیر سے ٹپکے
مین وہ ہون وفادار اگر ذبح کرے تو	جم جاے لہو اور نہ شمشیر سے ٹپکے
لکھا ہی تمناے شہادت مین اُسے خط	خون کیون نہ مرے نامے کی تحریر سے ٹپکے
ہم وصف کیا کرتے ہین شیرین دہنون کا	رس کیون نہ ہمارے لب تقریر سے ٹپکے
لکھتا ہون صفت پنجۂ رنگین کی عجب کیا	گر رنگ حنا خانۂ تحریر سے ٹپکے
بے یار وہ برسات مین پیکا ہے نہین کم	پانی کی کوئی بوند جو تیر سے ٹپکے

غافل کی یہ طاقت ہی کہ آنکھ اُس سے ملائے
جب زہر نگاہ بت بے پیر سے ٹپکے

پی جو زخم دل کی ہمارے ذرا کھلے
کس روز اسکے آنے کا وعدہ نہین کیا
اے بلبلو دکھاؤن تمھین اک نیا چمن
کیا غافل مین حقیقت شاہ و گدا کھلے
مجنون کی طرح اپنا رگ پوست خشک ہے
جب خون لہو بدن مین کہو فصد کی کھلے
اے عندلیب کس سے کہین اپنی سرگذشت
ہم بھی کھلین جو دست نگارین ذرا کھلے

غافل کسی سے انکا نہ پیمان کھلے
رونق گلشن جو ہو تو زبان بلبل اناودے

دیدہ

چشمۂ کہسار ہی روتے نہین ہین آج تک
داغ ہو لالے کے بھی نہ لین غم فرہاد سے

رخصت پرواز تا بام قفس ہمکو نہ دی
مرتے مرتے جی مین یہ شکوہ رہا صیاد سے

طائر رنگ حنا کی طرح مین ہون وہ اسیر
مخلصی ممکن نہین جسکی کف صیاد سے

گھات مین سکی لگا رہتا ہی صیاد اجل
طائر جان بچ نہین سکتا کا اس صیاد سے

مسح زن دیکھے خضر گر آب تیغ یار کو
ہاتھ دھو بیٹھے بقا سے عمر بے بنیاد سے

اُسنے کھینچی تھی یہ کسکی تیغ پر خونکی شبیہ
خون ٹپکتا ہی جو اب تک خامۂ بہزاد سے

خاک تو اُڑ جائیگی اور دم ہوا ہو جائے گا
آدمی غافل ہی کیون اس جسم خاک و باد سے

کیا لگی ہے آگ میرے نالۂ فریاد سے
جو دھوان سا اُٹھ رہا ہی خانۂ صیاد سے

چاہیے نالان نہ ہونا یار کی بیداد سے
ہر ستم پر آفرین نکلے لب فریاد سے

عشق ہوتا گر اُسے تیرے قد آزاد سے
ٹُٹنے پاتا کب الف پیشانی آزاد سے

فصل گل مین دیکھکر خالی ہمارا آشیان
گر پڑے آنسو چمن مین دیدۂ صیاد سے

میر اُڑنا تو قفس سے اے صبا معلوم ہے
رنگ اُڑ سکتا نہ جب وحشت صیاد سے

دیوان ناسخ ۹۱

گرم پھر حسن کا بازار ہوا چاہتا ہے

اسیری کو تری اے مرغ دل ہر دام بھی آئین	نہیں یہ خال کا دانہ سلیمانی کا دانہ ہے
سنے وہ کان لگ کیوں شیخ میر قصہ وحشت	نئی یہ داستان ہے کہنہ مجنوں کا فسانہ ہے
گل خورشید ہے معشوق خورشید قیامت ہے	چمن میں شور محشر مجکو بلبل کا ترانہ ہے

بہا جاتا نہیں یہ لخت دل اشکوں سے ناسخ
کسیکو لال تھیلی میں مرا نامہ روانہ ہے

عجائب اس پری کا پان کھا کر مسکرانا ہے	کہ جو موتی کا دانہ تھا سو اب لونگی کا دانہ ہے
عبث اس خرابہ میں سینہ ریشوں کا فسانہ ہے	کوئی یہ قصہ جانکاہ سنکر خواب آتا ہے
تماشا آہ آتشبار کا اپنی دکھاتا ہے	در محبوب پر اکدن ہمیں دھونی رمانا ہے
وصال یار ہو نزدیک یاں سے دور جانا ہے	مسافر ہوں عالم کا کوس رحلت سا دیا نا ہے
اٹھا دی پردے رنگین ہوا گر ذرہ اٹھاتا ہے	گل خورشید سے اکدن ہمیں بھی تجکو ملانا ہے
مجھے صیاد شاید طائر تصویر سمجھا ہے	کہ میں کیسے قفس میں بیچ تن یابی ہو نہ دانا ہے
ادھر ابھی کہیں اے برق آفت شوق میں تیرے	بنا ہے دانہ بارود جو خرمن میں دانا ہے
تماشا دیکھتے ہیں روز ہم دولت سے گریہ کی	کہ فوارہ مژہ ہے حوض آنکھیں دل خزانا ہے

نہیں معلوم زیر رفاقت کس کا آستانہ ہے
خدا کی طرح وہ بت گرچہ پوشیدہ ظاہر ہیں
ولیکن مجکو اسکی وہی الفت نہایا تا ہے
مزار مفلس و اہل دولت میں فرق ہے اتنا
کہ یاں چادر گلی کی واں اک شامیانا ہے
سمند وحشت مجنوں کی چالاکی نہ کچھ پوچھو
کہ جسکو جنبش ابرو سے لیلی تازیانا ہے
بٹھاتا ہے نہیں دیر و حرم میں مجکو پھر کوئی

[illegible]

[illegible]

حدیقہ ہے اگر وہ روے خندان — تو آنکھیں کم نہین عین الیقین سے

رگ جان سے بھی جو نزدیک تر ہو — اُسے کیا دیکھے کوئی دوربین سے

گریبان مین رکھا رضوان نے لیکر — گرا جو پھول اُسکی آستین سے

رکھین اُسپر جو تیرا کوہ تمکین — نہ اُٹھے پھر زمین گاؤ زمین سے

ترے دل سوختہ ہین دفن جس جا — نہین اُگتا ہی سبزہ اُس زمین سے

فلک کیا پاس رکھتا ہی جو مانگین — ملا بھی ہے خزانہ تو زمین سے

رخ روشن پہ یہ زلفین نہین ہین — دھوان اُٹھتا ہی بحر آتشین سے

ستارے گم ہوے خورشید نکلا — عرق جب یار نے پوچھا جبین سے

چمن مین کسنے پردہ رخ سے الٹا — جو سارے گل ہین غافل یاسمین سے

عرق ٹپکا جہان اُسکی جبین سے — ہوا الماس پیدا اُس زمین سے

زمین و آسمان ہل ہل گئے ہین — شب فرقت مری آہ حزین سے

خدا کے واسطے ای بت اُٹھادے — حیا کا پردہ روے شرمگین سے

تب اُتارا پیرہن اُس قاتلِ بے پیر نے
جب کیا قصد گریبان جنونِ دامنگیر نے

کیون ترا دیوانہ زندان سے قدم باہر رکھے
جا بسی آنکھون مین وہی ہر حلقۂ زنجیر نے

آہ سے میری حذر لازم ہے اے آہن دلو
پار ہاتھ رکھی ہے فولادی سپر اِس تیر نے

ہاتھ سے قاتل کے ہم بچتے نظر آتے نہین
بیطرح تاکا ہے چشمِ جوہرِ شمشیر نے

وائے حسرت رہ گیا اک تیر کھا کر دید سے
صورتِ صیاد بھی دیکھی نہ اِس نخچیر نے

آتشِ حسرت مین کیا کیا رات پروانے جلے
جب زبان شمع کو منھ مین لیا گلگیر نے

تیری آنے کی شبِ ہجران مین کچھ حاجت نہین
مار ڈالا اے اجل ہمکو تری تاخیر نے

ایک جا نقشہ جو کھینچا عاشق و معشوق کا
لے لیا آغوش مین تصویر کو تصویر نے

ہے دہان خفتہ ہے غفلت یہ تیری خندہ زن
بے بقا سمجھا ہے اے منعم تجھے تعمیر نے

بات کر سکتا ہے تجھسے کون اے جان فردہ بیان
کر دیا ہے بند عیسیٰ کو تری تقریر نے

جب تلک کھینچی ہی کھینچے تیغ وہ زرین قبا
ذبح کر ڈالا سنجاب سرخ کی تحریر نے

گور مین بھی جای آسایش نہ اے نافل ملی
اِسقدر چکر مین رکھا گردشِ تقدیر نے

وہ تو کہتا تھا انا الحق اور انا معشوق ہم
عہد میں اپنے تو ہم بھی کم نہیں منصور سے

آفتاب حشر میں اُنسے نہ بیٹھا جائے گا
بادہ کش خوگر ہیں ایسے مایۂ انگور سے

مر گئے پر بھی ہے یہ شوق ہم آغوشی ہمیں
وصل کی لذت اُٹھاتے ہیں فشار گور سے

ناز معشوقی اُسے کہتے ہیں موسیٰ کے لیے
اب تک آتی ہے صدائے لن ترانی طور سے

آگ شاید خانۂ دل کو لگا دی آہ نے
جو نکلتا ہے دھواں ہر روزن ناسور سے

یاد میں چشم خمارین کی تری جوش ہے ہمیں
خلد میں ساغر نہیں لیتے وہ دست حور سے

گول بازو ہیں اگر اُسکے سانچے میں ڈھلے
ساعد سیمیں بھی ہیں تیرے شیشۂ بلور سے

کون سکیش دفن ہے زیر زمین جسکے لیے
مے چھلک جاتی ہے اکثر ساغر سمور سے

بعد مردن دفن کرنا نرگستان میں مجھے
عشق ہے مجکو کسی کے نرگس مخمور سے

کھائے ہیں نیش ملامت ہمنے تیرے عشق میں
کم نہیں سینہ ہمارا خانۂ زنبور سے

حال نازہ بتان غافل ہمیں سے لوگ ہیں
یہ نہیں وہ بار جو اُٹھے ہر اک مزدور سے

دی مجھے اک جام ساقی اُس مئے پرزور سے
شعلہ مجھ سے جو گذرے سر مخمور سے

پانی کی چادر پہ چڑھتا ہے سیل دوست
جس جا نہیں ہے قبر ترے تشنہ کام کی

مے کون داد آپکی بیداد کی ہمین
کسکو ہے پادشہ سے خیال انتقام کی

وہ آفتاب حسن جو الٹے نقاب کو
برج حمل بنے وہین مہتابی بام کی

وہ بت ہے تو کہ خاصہ درگاہ کبریا
رکھتے ہین آرزو ترے دیوان عام کی

طفلی مین تو بے لیکن زنخدان یار کے
درگذرے تشنگی سے ہم اس سیب خام کی

بے جوہرونکو خوار ہی رکھتا ہے آسمان
تیغ گلی کو کب ہوئی حاجت نیام کی

آتے ہی اسکے دست نگارین مین چھلا نگینا
سادی انگوٹھی ہو گئی نگینے کے کام کی

خون جگر فقیر نہ کھائے تو کیا کرے
لذت ہے کب طعام مین ترک طعام کی

اے ناقہ ران قیس کو زنجیر سے جکڑ
کافی ہے اسکے واسطے رسی زمام کی

اللہ رے عشق گل کہ لیتا ہی شوق مین
بلبل نے اک سبق مین گلستان تمام کی

کیا چپ لقب مین ہمارے خانہ نشین
آتی ہے تنگدی سے صدا رام رام کی

سودائی گر لقب ہے تو مجنون خطاب ہے
دیوانہ مشتہر ہون کہ نہیں قید نام کی

پھندے مین انکے ہوتے ہین جو مرغ دل اسیر
گردن تری نہیں ہے مگر تار دام کی

ملی ہے مری خاک ریگ دان مین
موے پر بھی مجکو تری جستجو ہے

ہم اپنی ہین نازک مزاجی سو شاکی
گلہ کریے کیونکر کہ وہ تندخو ہے

لگایا تھا کیون ہاتھ دامن کو اُسکے
اسی شرم سے عیب مین سرفرو ہے

موے پر بھی منھ اُس گلی سے نہ موڑا
تہِ خاک مرا مرا قبلہ رو ہے

تری یاد مین مست رہتا ہے غافل
نہ مطرب نہ ساقی نہ جام و سبو ہے

وہ ظالم جب کوئی تازہ ستم ایجاد کرتا ہی
تو اپنے عاشقون مین پہلے ہمکو یاد کرتا ہے

سزا ہے دل لگانے کی جو وہ بیداد کرتا ہی
گنہگار اونکو او پر رحم کب جلاد کرتا ہے

مین وہ واماندہ ہون ہر ایک جسکو یاد کرتا ہی
جرس کی طرح سارا قافلہ فریاد کرتا ہی

میان عاشق و معشوق یکرنگی ہو ای گلچین
نہین گل توڑتا بلبل پہ تو بیداد کرتا ہے

بنا کر نقش شیرین کو ہکن فخر یہ کہتا تھا
ہمارا تیشہ کار خامۂ بہزاد کرتا ہے

بہار تازہ یارب کن اسیرونکو دکھائیگا
ہمارے خون سے جو رنگین قفس صیاد کرتا ہی

خفا ہوتا ہو اے بت کیون ہمارے شور و نالے سے
ہر اک وقت مصیبت مین خدا کو یاد کرتا ہی

اسنے ہنس ہنس کے ہمیں ٹال دیا اے غافل
ہمنے ہر چند کہا حال پریشان رو کے

تن پر جو گل اندامونکے بھی بدھی پڑی ہے
صحرائے محبت کی وہ منزل یہ کڑی ہے
ہر پردہ مشبک ہے جو بادام کے مانند
کیا کیجے جدائی کا شب وصل ہیں قصہ
تصویر خیالی کو اگر عشق ہے ہمسے
کیا سنبل و ریحان کو خط زلف سے نسبت
فریاد کی آتی ہے صدا سینہ سے ہر دم
تھا ذکر ابھی تیرا کہ اتنے میں تو آیا
بو خون کی جو آتی ہے مجھے تیری گلی سے
تنہا نہ ہمیں بیٹھے ہیں اے بت تیری در پر
مہمان دم چند ہوں اب دیر نہ کر تو

کس مست نگارین ہیں بھبولونکی چھڑی ہے
وحشت سے یہاں خضر کو بھی جی کی پڑی ہے
کسکی صف مژگان سے تری آنکھ لڑی ہے
یہ رات تو چھوٹی ہے کہانی وہ بڑی ہے
جب دیکھیے تب سامنے آنکھوں کے کھڑی ہے
وہ طرفہ ہے بوٹی تو عجائب یہ جڑی ہے
میرا دل نالان ہے کہ انگریزی گھڑی ہے
ای قاصد معشوق تری عمر بڑی ہے
کیا آج وہاں تازہ کوئی لاش گڑی ہے
اک خلق خدا ہے کہ وہ مشتاق کھڑی ہے
آ جلد کہ سینے میں مرے سانس اڑی ہے

ابتدا ہی مین دکھائی عشق نے کیا انتہا
جل نہ جائے سبزہ تربت ہمارا کسطرح

تیشہ مارا سر پہ جب فرہاد نے نکلی صدا
آپ تو جاکر ملی ہی عرش پرواز میں روح

کون دریائے محبت سے اتر سکتا ہے پار
کیونکہ دو اشد کی توقع ہو دل پژمردہ کو

شمع سے دیتا ہی نسبت تو جو رہ یار کو

دلکو لگتے ہی جو منہ پر مردنی سی چھاگئی
جو گھٹا آئی وہ انگاروں کا منہ پر ساگئی

جان کا کچھ غم نہین محنت یہ سب بیجا گئی
اور مجھ رکھا ہی تن کے دام مین الجھا گئی

کشتئ فرہاد آخر کوہ سے ٹکرا گئی
وہ کلی گل کی کہین کھلتی ہی جو کھلا گئی

کیا تری آنکھونمین ای پروانہ چربی چھاگئی

عاشق کامل ہے غافل تجھسا ہرجائی نہین
پھر نہین پھرتی جدھر اُسکی طبیعت آگئی

گو لگی ہچکی ہے اور ہی آنکھ پتھرائی ہوئی
مر رہینگے زہر ہی کھاکر شب فرقت مین ہم

گرم ہوتا ہی جو مجھسے دمبدم وہ شعلہ رو
کوچہ قاتل مین مجکو یار تو کرتے ہین دفن

تم جو یان آؤ تو پھر جائی قضا آئی ہوئی
آج دلمین ہی یہی تجویز ٹھہرائی ہوئی

یہ رقیبونکی ہی شاید آگ بھڑکائی ہوئی
کھود کر پھینکوا ندی وہ لاش گڑوائی ہوئی

کم فرصتیِ عمر پہ روتی ہے جو شبنم
آتش کا جلا ہوتا ہے آتش ہی میں اچھا
دامن کا بھلا بوجھ کہاں یار سے سنبھالا
میں ہوں سیہ بخت کہ مرقد پہ بھی جسکے
باشندوں سے کوچہ کے ترے ہے یہی شکوہ
وہ گرم رو وادیِ الفت ہوں کہ جسنے
گذرے ہے جو سرخی پہ تری لب کی تصور

دیکھی نہیں کیا اسنے کہیں موج شرر کی
جز داغ دوا اور نہیں داغ جگر کی
اٹھتی نہیں اس سے تو نزاکت ہے کمر کی
بتی عوض شمع جلاتے ہیں اگر کی
ہم روتے رہے تجکو کسی نے نہ خبر کی
جھاڑی نہیں جہری سے کبھی گرد سفر کی
حنظل میں بھی لذت مجھے ملتی ہے شکر کی

تھے چاہ ہزاروں ہی جب دلمیں تو ناقل
پر وہ جو اٹھا پھر نہ رہی تاب نظر کی

غازے سے فروزاں رخ پر نور نہو جاے
غلطانیِ گوہر سے کھلا بھید یہ ہمپر
اینچ تو مجھے قتل کا کچھ ڈر نہیں لیکن
جاے شد و آمد نہ رہی سینے میں دم کی

ڈرتا ہوں پری سے تو کہیں جمع نہو جاے
آغوش سے نادر کے کوئی دور نہو جاے
ظالم تو کہیں خلق میں مشہور نہو جاے
دل بھی غم و اندوہ سے معمور نہو جاے

عبث تو ہمسے وحشت اسقدر کرتا ہی مجنون
کہ ہم بھی تو ہین دیوانے کسی لیلی شمائل کے

فناے ہستی وہمی کا ناحق غم ہے اے غافل
خوشی ہو آدمی مٹنے سے ایسے نقش باطل کے

جبکے دلبر ہون لگے ناوک مژگان کتنے
قتل کرتے ہو اُسے تم بھی ہو نادان کتنے

یاد مین اُس گل عارض کے اگر روئین ہم
دانۂ اشک سے پیدا ہون گلستان کتنے

پشت پا توڑ کے نکلا جو چھپا تلوون مین
تیز اس دشت کی ہین خار مغیلان کتنے

شور زندان مین ہے ذی خانۂ زنجیر مین غل
اک ذرا مرتے ہی گھر ہوگئے ویران کتنے

چشم تر کا مری کیون ساتھ نہین دیتا ہے
ابر کے پاس تو ہین دیدۂ گریان کتنے

شوق ہے جامہ دری کا جنھین غنچے کی طرح
رکھتے ہین تیر گریبان و گریبان کتنے

ق
آہن تیغ کو گلو کے مرے قاتل نے
آج حدادسے بنوائے ہین پیکان کتنے

آگے دو چار کو کرتا تھا وہ زخمی پر اب
ہدف تیر بلا ہووینگے انسان کتنے

مین بھٹکتا ہوا اُس دشت مین پھرتا ہون جدھر
جسکے ہر جادہ مین پنہان بیابان کتنے

ایک بھی تجھسے نہ امید بر آئی میری
دل کے دل مین ہے حسرت و ارمان کتنے

آتی ہے کب ہماری دیدۂ تر سے بجھی
آگ تو دونون کی کبھی نہ آگ سے بجھی
بادۂ گلرنگ سے وہ آگ بن جو لگی
نخل سے کام بھی نہ ہوا اور کام بجھی
کیونکر ہوا ہم تو بھی چمک گئی
آتش یاقوت کسی سے نہ بجھی
بعد مردن یہ اثر تھا طالع بیدار کا
شمع تربت وہ میری بادِ مرگ سے بجھی
آرزو سے دل کا شعلہ وہ بکتا ہی رہا
یاس غافل کی نہ اب تیغ تحزن سے بجھی
دل کو بوسے کی طلب گیسوے دلدار میں ہے
یہ وہ دزد کہ محروم شب تار میں ہے
مرتبہ اسکا یہ سب انجمن یار میں ہے
جوش پروانہ کہاں شمع پہ بازار میں ہے
کیا زبان ہے ترے گلشن کا تماشا ہے گلچین
آشیان اپنا تو اک رخنۂ دیوار میں ہے
دشت کسار میں ہے دھوم مری نالون کی

اے اجل دید رخ یار تو کر لیتے ہم	کوئی دم کی جو ہمین اور بھی مہلت ملتی

رہبری جذبۂ اسکی نہ کی ای غافل
ورنہ مجکو کمر یار بدقت ملتی

چمک اسکی رخ پر نور کی دیکھین اگر تارے	نظارے کی لیے ذلکو بھی نکلین چرخ پر تارے
زمین کو بھی فلک سے ہمسری کا آج دعوی ہے	گرے ہین اسکے کفش دلستان سے اسقدر تارے
نقاب اس شعلہ رو نے گر نہین الٹی بام الٹا	فلک پر آج کیون بیتاب ہین مثل شرر تارے
ہماری طرح یہ بھی کیا تری صورت پہ عاشق ہین	جدھر تو کروٹین لیتا ہے پھرتے ہین ادھر تارے
چمک افشان کی اس نوجبین پر آگئی کیا ہو	شب مہتاب مین بے نور آتے ہین نظر تارے
شب فرقت مین ای مہ کسکو تجھ بن نیند آتی ہے	گنا کرتے ہین بستر پر پڑے ہم رات بھر تارے
مسی آلودہ لب مین چھپ سکین کیونکر ترے دندان	چمکتے ہین شب تاریک ہی مین بیشتر تارے
ترے آگے فروغ حسن کیا ہو اور خوبان کو	کہ بے رونق دکھائی دیتے ہین پیش قمر تارے

مرے داغ بدن چمکین نہ کیون پیری مین ای غافل
کہ اکثر جھلملانے لگتے ہین وقت سحر تارے

شور بلبل کا فقط واسطہ گلزار میں ہے
سب صبا سے کل عارض دلدار میں ہے
بو پھیلا ہے نہ گلشن میں نہ فضا میں ہے
پھول میسا بھی گلی کو کہیں سجا ہے
سوچتا ہے بار میں ہے
طرف کعبہ جو دل سے گلشن میں ہے
نسیم گلشن میں کچھ صبا میں ہے
سروی عمر کی بھی فضا میں ہے
کل سکی سرو نے قبا میں ہے

[illegible]

وعدۂ وصل مرے ساتھ نہیں ہے تو نہو
لطف سو ظلم پیارے ترے انکار میں ہے

دل شکستہ سے بھی غافل نہ گئی شورش عشق
وہی آواز مری چینی سودا میں ہے

جسکے نگاہ کی مرے دل پر سنان لگی
پوچھا نہ یہ پھر آسنے کہ تیر کہان لگی

آواز تیری دل پہ جو مثل سنان لگی
اک پل بھی آنکھ شب کو نہ ای پاسبان لگی

داغ فراق گل میں جلے ہم قفس کے بیچ
تمکو نہ آگ خار وخس و آشیان لگی

مانند خار ہمسے جو کرتا ہے کاوشین
تجکو بھی کیا چمن کی ہوا باغبان لگی

پہونچی فغان قیس جو لیلی کے کان میں
پھر پھر کے دیکھنے وہ پس کاروان لگی

اتنا بہار حسن پہ مغرور تو نہو
ہر گل کے پیچھے رہتی ہے ظالم خزان لگی

مارا کسی نے گرگل بازی ہان تجھے
باللہ چوٹ اسکی مرے دل پہ یان لگی

حال تباہ دیکھ مرا پوچھتے ہیں لوگ
سچ کہہ کہ تجکو کسکی نظر اے جوان لگی

کرتا رہا زبسکہ میں نالہ شب فراق
تا لو سے ایکدم بھی میری نہ زبان لگی

زخمی ہوے ہو تری صف مژگان سے سیکڑون
خنجر لگا کسی کے کسی کے سنان لگی

ضعیفی مین ہر اک واہی تواہی بکنے لگتا ہی	عجب کیا ہی اگر ہووے کلام پیر بے معنی

الف کی شکل ہے غافل نگاہ راستبینان مین
کمان کش کا مرے ہرگز نہ سمجھو تیر بے معنی

اب پس قافلہ جز شور و فغان کیا کیجیے	پاؤن اٹھتے نہین ای ہمسفران کیا کیجیے
قصہ گیسوی پر پیچ بیان کیا کیجیے	ہر سر حرف الجھتی ہی زبان کیا کیجیے
کوہ پر تیشہ فرہاد سے آتی ہی صدا	دب گئے ہاتھ تہ سنگ گران کیا کیجیے
یار اس سے نہ جب آپکے پوچھے آنسو	شمع کی طرح سے پھر اشک روان کیا کیجیے
آخر کار تو ٹوٹ جائینگے مانند حباب	ایکدم کے لیے تعمیر مکان کیا کیجیے
ایک چادر کے سوا کام نہ کچھ آئیگا	خلق مین جمع یہ اسباب جہان کیا کیجیے
ہنسے جاتا تھا کہ کچھ حال دل اس سے کہیے	نہ کھلا وصل کی شب قفل دہان کیا کیجیے
کو بکو اسنے جوانی مین کیا ہے رسوا	عشق کو عالم پیری مین نہان کیا کیجیے
جسکی صورت سے ہو حور و پری کو نسبت	عقل حیران ہی کہ پھر اسپہ گمان کیا کیجیے
دم گفتار چلا آتا ہے رونا غافل	ماجرا عمر گذشتہ کا بیان کیا کیجیے

مے خوردہ جو وہ نرگس شہلا نظر آئے
تو صبح گلستاں کا تماشا نظر آئے

میں اُس سے مزا برش شمشیر کا پوچھوں
بسمل جو ترا کوئی سسکتا نظر آئے

پیراہن آبی میں چمکتا ہے وہ تن یوں
جسطرح سے گوہر تہ دریا نظر آئے

دیکھا تجھے اک بار بھی جسنے وہ کہے ہے
یارب مجھے اب منھ نہ کسیکا نظر آئے

موقوف نہیں طور ہی پر جلوہ معشوق
ہم دیکھنے والی ہین تو ہر جا نظر آئے

اُٹھ جائے جو غفلت کا در چشم سے پردا
اس آئینہ دل ہی میں کیا کیا نظر آئے

طالب ہو نہیں اس جنس کا بازار جہاں میں
کوئی بھی خریدار نہ جسکا نظر آئے

ہم سے طلب یار نجائیں کبھی غافل
ہمکو در شہر و دمن بھی گردا نظر آئے

کیا ہے مینے یہ داغ دل مضطر کو نیبہ سے
ندیکھا ہوگا تجھے آجتک اخگر کو نیبہ سے

نہیں لکھتی ہیں خط میں شوخی ش و ل ابی کیوں تر ہم
کہ ہے کچھ کچھ شباہت تیری بام بر کو نیبہ سے

وہ خون بیگناہاں سے یقیں ہے سرخ ہو جائے
جو پوچھیں جد صیقل بھی تیرے خنجر کو نیبہ سے

تن پر سوز کی گرمی سے آخر آگ لگ اٹھی
نہ بھرنا تھا ہماری بالش و بستر کو نیبہ سے

سبزۂ تربت کا مرے خار مغیلان ہجاے	ٹوٹ جاے اگر دامن جانان آسیر

یار بن جام اگر ہاتھ مین لون اے ناسخ
موج مے میرے لیے خنجر بران ہجاے

گلبرگ بھی کہیے تو صفا کم نہین اُس سے	مرجان ہو لب یار ذرا کم نہین اُس سے
مجکو سکن موج ہوا کم نہین اُس سے	کیون دام بناتا تو میرے لیے صیاد
غنچے کے بھی کھلنے کی صدا کم نہین اُس سے	بلبل ہی کے نالے سے مجھے رنج نہین ہے
تن پر مرے داغون کی قبا کم نہین اُس سے	کمخواب کی چکین کی نہ ترغیب دے آکوس
بوسے مین ترے لب کے مزا کم نہین اُس سے	یاقوت سب وصل مین کیا چاہیے مجکو

فرہاد کا خون پنجۂ شیرین نے کیا تھا
تیرے بھی تو ہاتھون کی حنا کم نہین اُس سے

فرش کانٹون کا ہی یان بھی تن عریان کے تلے	بستر گل ہے جو وان پہلوے جانان کے تلے
دم لیا ہی تو دم خنجر بران کے تلے	جاے آرام نہین گنبد گردان کے تلے
رو کے ہم رہگئے دیوار گلستان کے تلے	باغبان نے جو نہ دی رخصت پرواز چمن

قافلہ والو ہے کیونکر جا ملوں مین ناتوان
گرد پائے رہروان ہی سد اسکندر مجھے

ای فرشتو دفتر عصیان ابھی رکھو پرے
کھولنے دو پہلے اپنی خون کا دفتر مجھے

ہر در و دیوار سے شکل اُسکی آتی ہے نظر
کم نہیں ہی آئینہ خانے سے اپنا گھر مجھے

دل کے ٹکڑونکی پریشانی کا مجکو غم نہیں
جمع اب کرتا ہی یہ گنجینۂ ابتر مجھے

میری تن پر اور ہی دو چار داغون کی جگہ
اپنے بھی تو داغ دے ای لالۂ احمر مجھے

چاہیے اب بحر کے صد موجونکا مین حق گر ہوں
دیکھنا ہی ایک دن ہنگامۂ محشر مجھے

بخل آ جائے نہ قاتل کے مزاج ناز مین
جانتا ہے تشنۂ آب دم خنجر مجھے

چشم سے غافل زمانے کی گرا جاتا ہون مین
عشق نے دی ہے زبس غلطانی گوہر مجھے

نشان رہا نہ مٹے ہم حباب دار ایسے
جہان سے اٹھ گئے صد حیف یکبار ایسے

ہمارا حال نہ کچھ پوچھو تو گرفتار رو
کٹے قفس مین کئی موسم بہار ایسے

نہ انکو دل کبھی دیتے اگر سمجھتے ہم
کہ بیوفا ہین یہ خوبان روزگار ایسے

کسی سے بھی نہ رہا قابل رفو ہوس
اڑے ہین میری گریبان کے تار تار ایسے

آواز عندلیب نہ پھر عمر بھر کھلی
دیوانگان حسن کی شورش سے شہر میں
دوکان گلفروش پہ ... کھلی
دیکھا تھا ایک دن کہیں تجکو ...
مانند آئینہ کے مری چشم تر کھلی
ڈھونڈھا کیے عالم میں ...
منزل پہ بھی پہونچ نہ اپنی کمر کھلی
سوتا ہی چھوڑ جائے مجھے اہل کاروان

دورسے جھلکی سی شکل ماہ نو دکھلا گئے
بسمل دیدار کو تم اور بھی تڑپا گئے

دل سے دلکو راہ ہوتی ہے سچ کہتے ہیں لوگ
جی میں جو بات اسنے ٹھانی یان سے وہ ہم پا گئے

سرخی عارض کو تیری گلستان میں دیکھکر
رنگ گل ایسا اُڑا جو سرخ بادل چھا گئے

زیر خنجر جب ترے مذبوح نے نالہ کیا
کانپ کانپ اُٹھیں زمینیں آسمان تھرا گئے

گلشن ہستی تماشاگاہ سے کچھ کم نہ تھا
ہم بھی یان ملک عدم سمجھ کے جی بہلا گئے

ناقۂ لیلی کی جسدم نجد میں آمد سنی
بہر استقبال پہلے آہوے صحرا گئے

قصۂ گیسو کو اتنا طول اے غافل نہ دے
مختصر کر تو کہ سننے والے بھی اکتا گئے

وہ رمز کون سی تھی جو سب پر کھلی
پر اس دہن کی بات نہ ہر ایک پر کھلی

کانوں میں ڈالی تونے جو زینت کے واسطے
عارض پہ تیری خوب یہ سلک گہر کھلی

کہتا ہے کوئی مہر اسے کوئی شمع طور
ہمپر نہ کچھ حقیقت داغ جگر کھلی

دیکھا نہ دل جلوں کا کوئی ہنسے سدا
چاروں طرف ہے دیر راہ شرر کھلی

غنچہ تمام عمر چھپائے رہا اسے
اے گل نہ رکھ چمن میں تو یوں دشت زر کھلی

خجل ہو کر ہماری آہ یون نالے سے کہتی ہے
نہ کچھ تاثیر تونے کی نہ کچھ تاثیر مین نے کی

کٹی اوقات عشرت ہی مین ای غافل مری اتبک
جہان مین شاد کس دن خاطر دلگیر مین نے کی

شہید ناز کسی کو جو لالہ رو کرتے
ملک بھی سر کے کٹانے کی آرزو کرتے

جدا نہ دامن قاتل سے اپنا ہاتھ ہوا
یہ داغ خون تو نہ تھا جسکی شست و شو کرتے

ہمین تو کعبے سے کچھ کم نہ تھا ترا کوچہ
بجا تھا اسمین اگر سجدے چار سو کرتے

مزا تو زخم سلانے کا ہمکو تب ملتا
جب اپنے ہاتھ سے وہ چاک دل رفو کرتے

زبان اگرچہ دم تیغ بند تھی اپنی
جو آتے وہ تو اشارون مین گفتگو کرتے

پس فنا بھی نہ یکجا ہمین تو چین آیا
فرشتے خاک مین پھرتے ہین جستجو کرتے

چمن مین دھوم مچاتا نہ اسقدر مین تو
بہار آتے ہی گر کم مرا لہو کرتے

خموشی رخصت فغان اگر ہمین دیتی
کسی کے ہاتھ سے فریاد کو بکو کرتے

درست جب تری تصویر ہوتی تب نقاش
دہن کو نقطہ بناتے کمر کو مو کرتے

مثال شانہ اگر اپنی سو زبان ہوتین
بیان فسانہ گیسو ہی مو بمو کرتے

چھپایا جب نہ گئی آنکھیں دیکھنا نظارہ بازو نکلی
اگر پردے سے باہر ابن یبرد کی جبین نکلی

پڑی ہے غنچے کے دل میں گرہ بلبل کی جانب سے
ہنسا یا بھی صبا نے پر پیشانی سے چین نکلی

ہمیشہ نالہ و زاری کی جو آواز آتی ہے
تر ہو گشتہ کے تن سے روح کیا اب تک نہیں نکلی

کیا تھا ذکر کس نے باغ میں اس قد نازک کا
زمین سے سرنگون جو شاخ نخل یاسمین نکلی

فلک دیتا تو ہے تکلیف نالے کی ہمیں لیکن
جلا دیگی اُسے جب لب سے آہ آتشین نکلی

مقرر کیونکر نہو ہر ایک تیری فکر عالی کا
بنایا آسمان تو نے ہر عنا فل جو زمین نکلی

غم نہیں اسکا کوئی شئی گر بنے اور ٹوٹ جاے
پر غضب ہے اشک یون گوہر بنے اور ٹوٹ جاے

ضد پر آئے صانع عالم سے گر نا ابرا
لاکھ بازی گنبد خضر بنے اور ٹوٹ جاے

ظالموں کا خلق میں ناقص ہی رہنا خوب ہے
یا الٰہی دستہ خنجر بنے اور ٹوٹ جاے

جاے حیرت ہے کہ دل کا آئنہ تیرے حضور
سختی ایام سے پتھر بنے اور ٹوٹ جاے

تا لب مے نوش سے تیرے نہو وہ لب بلب
خاک سے اغیار کی ساغر بنے اور ٹوٹ جاے

حیف یون قطرہ عرق کا گیسوے شبرنگ سے
گرتے گرتے رہ کش اختر بنے اور ٹوٹ جاے

کس دن ... لب جانان
بازار زمین ...

خاک پوچھیں درد دل کی جو انا اٹھیں کچھ
مذہب اہل تصوف بھی عجب ہی جسمیں

چشم بیمار کا اپنی ہی وہ چارا کرتے
دشمن و دوست کی یکساں ہیں مدارا کرتے

تیغ ابرو ہی پہ کھینچا کیے وہ ای غافل
امتحان آکے کسی دن تو ہمارا کرتے

ذی کام قبا سے ہی نہ مطلب کفنی سے
مجنوں ہوں مجھے شوق ہی عریاں بدنی کے

ہارا کوئی باتوں سے کوئی کم سخنی سے
قاتل کو مرے کام نہیں تیغ زنی سے

ناچار ہو پھر تیشہ کیا میرے حوالے
فرہاد کا جب ہاتھ تھکا کوہ کنی سے

حیرت نے مجھے ثانی معشوق بنایا
خاموشی مری کم نہیں کچھ بے دہنی سے

کس قامت موزوں کا ہو کشتہ جو مری خاک
اڑ اڑ کے لپٹ جاتی ہی سرو چمنی سے

نیلم ہے اگر لب تو حدید اسکی مسی ہے
یاقوت سے لب اپنے ہیں ہیرے کی کنی سے

بلبل کی نہ لگ جائے نظر تجکو چمن میں
اندیشہ یہی ہی تری گل پیرہنی سے

اچھا نہیں احسان کسینے کا اٹھانا
دولت بھی ہمیں دے تو نہ لیں چرخ دنی سے

قمری کی یہ طاقت ہی کہ ہو ہمسے مقابل
دم بند ہی بلبل کا مری نعرہ زنی سے

مرنا ہی ترا خوب ہے اس کوہ کنی سے
برباد کرائی تھی مری خاک کہاں تو
پوچھوں گا یہ اک روز نسیم چمنی سے

دیکھے داغوں کی طرح زخم بھی نہیاں کرتے
وہ نہ تھے ہم کہ جو قاتل کو پشیماں کرتے

ہنسنے یہ زرد محبت میں مزا پایا تھا
مرتے مر جاتے وے اسکا نہ درماں کرتے

قوت دست جنوں ہے جو خبر ہوتی ہمیں
تار آہن سے رفو چاک گریباں کرتے

دخن ہوتا چمنستان میں چمن میں زمزمہ سنج
طوف مرقد کا مرے مرغ خوش الحاں کرتے

فصل بد ایسے نکر تو کہ خدا کو ناداں
دیر لگتی نہیں انساں سے حیواں کرتے

اپنے ہر عضو کی ہوتے اڑے تھے پرزے
جمع کس طرح یہ اوراق پریشاں کرتے

مانع سیر عدم تار نفس ہیں اپنے
کٹتی زنجیر تو ہم قصد بیاباں کرتے

اپنی وحشت میں کبھی پانوں میں پر لگتے
کس طرح ہے خلش خار مغیلاں کرتے

لوٹتے خاک شہیداں پہ غزالاں چمن
پر جہاں جھاڑتے واں سیر گلستاں کرتے

نفس چند ہی باقی تھے مری ایسے کاش
اب بھی آجاتے وہ الکدم کو تو احساں کرتے

قافلے والے ٹھہرتے جو ذرا اے غافل
بیٹھکر گریہ سر گور غریباں کرتے

رات کو وا جو نقاب رخ دلبر ہو جائے
کثرت نور سے خورشید ہر اختر ہو جائے

موسے جا ہون حالی سے بھی جھمکی دیکھکر جسکی
کمان ابرو ہائی ہو دلِ صد چاک کی اپنے
بڑھایا ربط اتنا کسلیے تونے رزالون سے

قیامت ہو جو غمزے سے نکالو وہ جبین ساری
کہ ہر شانے کے قبضے مین وہ زلفِ عنبرین ساری
اٹھاتی چھیڑ کیا انگالیان تیری ہمین ساری

صفائے حسن پر اسکے اگر عاشق نہ تھا عاقل
چمن سے لیگیا چین جبین کے پھر کیون آئین ساری

محفل عشرت بھی خوش آتی نہین اصلا مجھے
آگئی پہلے ہی دلپر نا امیدی کی شکست
ٹھنڈی ٹھنڈی سانسین بھر کر آہ رہجاتا ہون میان
قبر کیا دیوانہ و لاغر بدن کو چاہیے
یار بن آیا جو انکی سیر کو جب مین گیا
پھر نہ آئے جب سے قبر تیرہ مین سلا کر گئے
زندگی سے رنج مین تھا یہ بڑا احسان ہوا
آہ جب ضعف بدن سے لب تک آسکتی نہ تھی

یاد دلواتے ہین تیری ساغر و مینا مجھے
مانگتا عقبی بھی مین ملتی اگر دنیا مجھے
یاد آتا ہے جو وصلِ موسمِ سرما مجھے
گاڑ دو کوئی میان جادۂ صحرا مجھے
تیر و خنجر سے لگے خار و خس دریا مجھے
چھوڑتے تھے ایک ساعت بھی جو تنہا مجھے
گر نہ روزِ حشر کو خالق کری پیدا مجھے
ولولہ ہی کرتا تھا یہ زنجیر کا نالا مجھے

رفتار اگر سیکھے تو شمشاد ہماری
دل شوق شہادت مین تڑپتا ہے خدایا
کس روز خبر لیوے گا صیاد ہماری
کس سے کہین احوال دل اے جان یہ عاقل
سنتا ہی نہین وہ ستم ایجاد ہماری

دشمنی کرتے ہیں اس سے جو کہ اپنا دوست ہو
مان کہنا داغ سینے کا نہ دھو اے اشک گرم

ہمنے دیکھی یہ عجب رسم دیار دوستی
رہگیا ہے اک یہی تو یادگار دوستی

کوہکن ہی تھا جو غافل جلکے لایا جوے سیر
ہر کوئی کا ہیکو ہے شایان کار دوستی

سوز فراق بسکہ ہمارے بدن میں ہے
لب پر مسی نہ پان کی سرخی دہن میں ہے
طاقت نہیں کہ بات کریں آگے یار کے
بلبل ذرا تو رکھ تو سہی سر کو زیر بال
جسپر نظر پڑی وہ ہیں دیوانہ ہو گیا
اپنا لہو بہائیے اب جوے شیر میں
آرایش اسکی زلف کی جبسے ہوئی ہے آج
کس شمع رو کے چہرے سے پردا اٹھا ہے آج
موے کمر سے تیری اسے کیا مناسبت

ہے تار شمع تار جو یاں انجمن میں ہے
عالم ہزار رنگ کا اک سادہ پن میں ہے
کہنے ہی کو زبان ہماری دہن میں ہے
ہے وہ قفس میں بھی جو تماشا چمن میں ہے
کیا سحر تیرے نرگس جادو فگن میں ہے
اے تیشہ آرزو یہ دل کوہکن میں ہے
ہے پیچ پیچ میں تو شکن بھی شکن میں ہے
پروانہ بیقرار بہت انجمن میں ہے
ایسی لچک کہاں رگ برگ سمن میں ہے

بن چکی زلف کہیں ہاتھ سے رکھ بھی شانہ
دستِ پا تیغ قناعت سے جو کاٹو تو ہے خوب
سرگذشتِ شبِ ہجران ہے کہانی یہ نہیں

جی الجھتا ہے مرا بالوں کے سلجھانے سے
دربدر پھرنے سے اور ہاتھ کے پھیلانے سے
نیند آویگی نہ تمکو مرے افسانے سے

ملتفت شمع رخان ہوں کہ نہوں اے غافل
میں ہوں پروانہ مجھے کام ہے جل جانے سے

بیابانِ محبت سے گذرنا سخت مشکل ہے
اسے کہتی ہیں جذبِ عشق مجنوں کی طرف لیلی
بجائے بادہ اس سے تو لہو آتا ہے ساغر میں
گلا کاٹو جو تجھسے کوئی کس سے خونبہا مانگے
سمندر دیکھتا ہے موج پھیلائے جو رہتا ہے
چلائے ایک چنگاری نے جسکے طور سے تجھ
وہ رشک حور سب میں جلوہ گر ہے گو نہ دیکھیں ہم
کوئی اُف بھی نہیں کرتا ہے پروانے کی جلنے پر

وہ مہلک ہے یہ رستہ گور جسکی پہلی منزل ہے
چلی آتی ہے پانوں پانوں ناقہ ہے نہ محمل ہے
ہمارا شیشۂ دل ہے کہ حلقِ مرغِ بسمل ہے
نہ وہ مقتول تیرا ہے کچھ تو اسکا قاتل ہے
یہ کس چشمِ گہر افشاں کی دردانے کا سائل ہے
ہمارا آب خاک و بادہ میں وہ آگ شامل ہے
تصور اسکا نہیں اپنا حجابِ چشم حائل ہے
سبھی بیدرد ہیں لوگ ہیں یہ کیسی محفل ہے

جو اس چمن سے مثل نسیم سحر گئے
مرغ اسیر ہوکے رہائی کو کیا کرے
پرواز ہی سے کام ہے جب بال و پر گئے
یاران رفتگان کو خدا جانے کیا ہوا

کب نکلی نہیں تیغ تری میان سے باہر
کب ہمکو تمنا سے شہادت نہوئی تھی

پیغام زبانی تو ہمین بھیجے گا ہے
گو آپکو خط لکھنے کی فرصت نہوئی تھی

خندان ہوئے زخم جو منہ بوجھ کا تیرے
کیا اسکو نہ تیغ اذیت نہوئی تھی

جبتک کہ رہی طبع کسی شوخ پہ مائل
اک دم بھی میسر مجھے راحت نہوئی تھی

تھا دشمن جان کوئی کوئی دری دولت
کس کس کو مرے ساتھ عداوت نہوئی تھی

وحشت کو مری دیکھ کے کہتے ہین یہ آہو
مجنون کو بھی اسطرح کی وحشت نہوئی تھی

اب کیا ہی جو غافل ہی کا ہے ذکر ہر اک جا
آگے تو کبھی اسکی یہ شہرت نہ ہوئی تھی

باز آؤ کہین اب بھی ستانے سے کسی کے
حاصل تمہین کیا ہوگا کڑھانے سے کسی کے

انبوہ خلائق ہے مرے لاشے پہ ہوئے
ایسا نہو جی اٹھون مین آنے سے کسی کے

ہے پاک محبت جنھین معشوق سے اپنے
ڈرتے نہین وہ عیب لگانے سے کسی کے

ٹھکرا کے نہ چل خاک کے ہم تو تنکو تو اے شوخ
ہرگز یہ نہ جاگینگے جگانے سے کسی کے

مٹ جائینگے جیون نقش قدم ہم ترے در پر
پر یان سے نہ اٹھینگے اٹھانے سے کسی کے

مقابلہ جو ہوا عاشق کا وہ محروم رہتا ہی
نہیں بجھتی ہی دریا سے کبھی آغوش ساحل کی

یہ قربت مصحفی کی تو غنیمت جان اے غافل
کہ قسمت ہی سے ہاتھ آتی ہی صحبت ایسے کامل کی

شہادت کی بھی من حسرت نہ نکلی کچھ مرے دل کی
کہیں تک آ کے آتے رہ گئی شمشیر قاتل کی

ابھی خون ہمارا دیکھکر اُسکو بھی غش آ گئے
تماشا ہی جو حالت ایک ہو مقتول و قاتل کی

لگایا سر پہ تیشہ کوہکن نے ہو کے دق آخر
نکالی خوب ہی اُسنے دوا بیماری سل کی

اُٹھایا اُسنے دشت نجد سے بھی بستر اپنا
گئی جب گوش مجنون مین صدا میری سلاسل کی

کسی صورت تو وہ نظارہ کرے روے قاتل کا
تڑپنے مین سرک جائے جو پٹی چشم بسمل کی

کیا تھا ذبح کیا تیغ ادا و ناز سے اُسکو
تڑپ جاتا ہی جو ہر اک تڑپ پر مرغ بسمل کی

دل آگاہ سا قاصد نہین کوئی بھی اے غافل
کہ لا دیتا ہی اک دم مین خبر یہ لاکھ منزل کی

کام یان جسکو پڑا ہی چشم و زلف یار سے
کم نہین ہی زور اُسکا کچھ شب بیمار سے

کیون نہ مژگان تیز تر ہو ابروے خمدار سے
تیغ میں کاٹ ہوتا ہی فزون تلوار سے

[illegible]

غفلت تو باز رکھتی ہے کار ثواب سے
کھلتی نہیں ہے آنکھ نماز سحر کے وقت
لذت ہمیں ہی یہ تو اب کے خیال میں
گر یار بھی جگائے تو اٹھیں نہ خواب سے
غالب ہے اسکا غمزہ تو شاق کی چھین سے
تلوار کہکشان ہے پیر آفتاب سے
اچھا کیا جو لاش کو میری جلا دیا
چھوٹا لحد کے سخت سوال و جواب سے
ہمیں بچے گا کس بت قاتل کا پیرہن

کیونکر نہ ہر شرارہ آتش فغان کرے
دوزخ عذاب میں ہے ہمارے عذاب سے

چہرے پہ اُسکے ابکہ ہجوم نگہ ہوا
جانے سے کھانے لگ گئے آخر نقاب سے

ہمسے چھپے تو غیر کے ہوتے ہو روبرو
بے پردگی ہی خوب ہے ایسے حجاب سے

مجکو سبب وصال ہے ڈر ہے کہ آسمان
پیدا کرے کہیں نہ سحر ماہتاب سے

دریا خون ہے کوچہ قاتل میں سر بسر
سر دار اٹھتے بنتے ہیں موج و حباب سے

کھائی ہے جب سے کوہ کی ٹکر نہ بحر عشق
کشتی ہماری چلتی ہے بچکر حباب سے

میت کا میری منہ نہ لحد میں بھی ڈھک لنا
مارا ہے مجکو یار نے تیغ حجاب سے

کس ستد دے عشق نے دکھلائے ہیں تیرے گل
ہیں دونوں ہاتھ ہوگئے سیخ کباب سے

آنکھوں سے وہ اُدھر دیکھتے ہی دم نکل گیا
لکھی تھی کیا قضا مری موج سراب سے

ہم رہ درخت خشک ہیں جو بے خزاں عشق بن
جل جائیں لو ہریانی نہ آگین سحاب سے

تا وہ بھی جانے حالت دل خستگان عشق
نامہ لکھیں گے یار کو خون کباب سے

تو کس طرح حساب کریگا بروز حشر
باہر گناہ ہیں مرے حد حساب سے

ابر کرم تب آئے خبر تو نے لی تو کیا
جب جل کے خاک ہو گئے برق عتاب سے

[illegible]

[illegible]

میرے گریہ سے لفافہ ہی نہین کچھ تر ہوا
مٹ گئی ہے جا بجا نامہ کی تحریر بھی

کون سا پردہ رہا ہے میری رسوائی پہ آہ
ہو چکا گلیون مین میرے لیے تشہیر بھی

سانحہ فرہاد کے مرنے کا ایسا ہو گیا
جسکے ماتم مین ہے ہو گریان جوان و پیر بھی

غرق بحر شرم ہے تیشہ جو اپنی آب سے
پانی پانی تو خجالت سے ہووے شیر بھی

دیکھین بندھتی ہے چمن مین کسکے نالون کی ہوا
نالہ کش بلبل بھی ہے اور غافل دلگیر بھی

پابند گیسوے سیہ یار ہم ہوے
دانستہ کس بلا مین گرفتار ہم ہوے

ہر طرح اسکی گرمی بازار ہوے
یوسف جو وہ ہوا تو خریدار ہم ہوے

بیگانہ وار اس چمنستان مین کی بسر
ہرگز نہ آشنائے گل و خار ہم ہوے

آتی ہے اس گلی مین ہوا اور دل فزون
دار الشفا مین اور بھی بیمار ہم ہوے

چھوٹے تمام عمر نہ زنجیر زلف سے
دام بلا مین ایسے گرفتار ہم ہوے

اپکی نہ ایک نالہ رنگین ادا ہوا
شرمندہ تجھسے بلبل گلزار ہم ہوے

موسیٰ کی طرح ہمسے نہ کرلن ترانیان
دیکھین ملینگے جو طالب دیدار ہم ہوے

چشم گریاں جو بنا ساغر مے اے ساقی — دور محفل میں ہا کے لب خنداں سے

جانکر چھوڑو بت مجھ سے ہوا ہم صحبت — جب گئی شکل بدل اہر کی غم پنہاں سے

جن فقیروں کی توکل میں بسر ہوتی ہے — انکو کچھ کام نہیں گنج زر سلطاں سے

ہی بہت خام ابھی سلسلۂ عشق میں وہ — کہدو مجنوں کو رکھیں دور مری زنداں سے

قابل دید ہے یہ گریۂ مستانہ مرا — خاک پر لوٹتے ہیں اشک و غلطاں سے

یاد آتا ہے کسی زلف میں شانہ کرنا — کھیلتا ہو جو کوئی افعی بے دنداں سے

دل گرفتہ تری جنت میں بھی بیٹھے ہیں ملول — وہ سمجھتے ہیں نہ بولتے ہیں غلماں سے

ابر مژگاں نے لگادی ہے جھڑی یار بغیر — کم نہیں ہے وہ رسیہ اپنا شب باراں سے

لذتیں اسکو اٹھاتے ہیں ہم غم دوری میں — وصل کے دن کو بدلتا ہوں شب ہجراں سے

کب تماشائے چمن اسکو خوش آئے غافل

غنچے گلزار میں لگتے ہیں جسے پیکاں سے

شب جو گیسوئے سیہ سر کی رخ جاناں سے — چھائیاں ہٹ گئیں رخسارۂ تاباں سے

کیا فرشتہ ہو کہ یہ باز رہے عصیاں سے — بشریت ہے جو ہوتی ہے خطا انساں سے

دیدہ ترسے جدا ہوئے متصل جاری ہین اشک
اب کہان جو ماہ رو پیجیے ملکر شراب
بزم مین نکلے گلے سے پھر قلقل کی صدا
ہاتھ تک ٹھکی ساقی اور میری آب تلک

کہہ گیا ہی کچھ تو سرگوشی مین شیشہ جام سے
توڑیے یا دہم آغوشی مین شیشہ جام سے
ہے اگر تعلیم خاموشی مین شیشہ جام سے
رہگیا عاجز فزون کوشی مین شیشہ جام سے

ناگہان دلبر ہمارے آگئے غافل شکست
رات ٹکرایا جو مدہوشی مین شیشہ جام سے

آئے ہین تنگ ہم ستم روزگار سے
جاوینگے کہان نکل کے فلک کے حصار سے
چلتے ہین راستے مین جو بچکر غبار سے
واقف نہین ہین اپنے وہ انجام کار سے
لینی ہی داد تجکو تبے تھر یار سے
اے موج گریہ سر نہ ٹپک کوہسار سے
چشم سیہ کی رہتے ہین اکثر کمین مین ہم
پاوین کہین دغا نہ ہرن کے شکار سے
گل دیکھتے ہی داغ جنون مشتعل ہوا
حق مین مرے خزان ہی بھلی تھی بہار سے
جو میرے پا کا آبلہ ٹوٹا دہن بنا
کرنے کو شکوہ دست تعدی خار سے
منھ پر غبار خط ہی نہ دلبر پہ گرد کین
ہی صاف اسکا ظاہر و باطن غبار سے

اے برق تیرا کیجیے کس منھ سے سامنا
جاتی رہی تڑپ وہ دلِ بیقرار سے

ہم دل جلوں کی خاک اُڑا تو نہ اے صبا
ہوگا جہان سیاہ ہماری غبار سے

ہے رنگ زرد اپنا بہ از کشتِ زعفران
کچھ کم نہیں خزان بھی ہماری بہار سے

تکلیف نالہ مجکو نہ دیوے ورنہ عندلیب
جل جائیگی مری نفسِ شعلہ بار سے

الفت چمن کی اس سے یہی ہے تو چلتے وقت
گل خار بنکے الجھیں گے دامان خار سے

بعد فنا بھی آرزوے وصل یار میں
باہر رہیں گے ہاتھ ہمارے مزار سے

ماہ تمام گھٹ کے بنا صورت ہلال
تشبیہ دی جو ہنسنے نہی کٹ کے یار سے

صحرا میں کوئی خاک اُڑاتا ہے نجد کی
ٹکرا رہا ہے سر کو کوئی کوہسار سے

غافل بہار آئی ہے ہے موسم جنون
بیٹھا ہے کیا تو اُٹھ تو سہی کوے یار سے

ٹپکنے پر ہیں قطرات عرق زلف معنبر سے
خداوندا یہ ابر تر ہماری خاک پر برسے

سر اکچھ تو ملا قاتل مجھے گردن کٹانے میں
جو پھر حلق بریدہ کو رگڑتا ہوں میں خنجر سے

نہیں دیتا ہے پہنچنے نامہ بخت نارسا دان تک
گلہ قاصد سے ہے ہمکو نہ کچھ شکوہ کبوتر سے

مرا ہی دل اُس شیرین لب کے بوسے سے نہین پھیرا
وگرنہ چار دن مین طبع پھر جاتی ہی شکر سے

بنایا عالمون نے ہمکو عمامہ فضیلت کا
زمین پر منہ دے ٹپکا تھا جس دستار کو سر سے

غرض لاحق نہین ہوتی کبھی اسفل سے علی کی
کہین خورشید بھی کرتا ہی کسب نور اختر سے

بنا ڈی پر عمارت کی عبث مرتے ہین یہ منعم
کہ خشت گور تک باقی نہین مغفور و قیصر سے

دل پر داغ کا سینے مین جلنا یاد آتا ہی
نکلتے دیکھتا ہون مین جو دود عود مجمر سے

فقیر بے طمع جمکر جہان بیٹھا وہان بیٹھا
برنگ نقش بوریا یہ نہین اُٹھتا ہی بستر سے

اُسی سے خون بہا مانگین گے ہم روز قیامت کو
ہمارا جسنے خون دھویا ہی تیری دست خنجر سے

بڑی ناداں ہین جو انیوں سے کچھ امید رکھتے ہین
لب خشک صدف کس دن ہوا تر آب گوہر سے

نہین ہی تاب رسوائی کی خاص و عام مین ہمکو
حساب اپنا کرین ہی کاش پہلے روز محشر سے

نہین یہ کہکشان یعنی نشان کا میر یہ ہی
فلک کہتی ہین جسکو وہ بنا ہی گرد لشکر سے

مدد سے اختر طالع کی ہم آخر بلال آسا
سلامت اپنی کشتی لے گئے اس بحر اخضر سے

غضب ہی جو مضمون وصل کا لکھون اُسے خط مین
لپٹ جاتا ہی لاسے کی طرح بال کبوتر سے

نہین پیرو کسی کے ہم طریق عشق مین غافل
ہمیشہ رہتے ہین اک دو قدم آگے ہی رہبر سے

کیا ستانے کو مرے اے بت سنگ آتا ہے
جب تو آتا ہے یہاں بر سر جنگ آتا ہے

چشم بیمار تری سرخ جو خونخوار سی ہے
بادہ نوشی سے کب آنکھوں میں یہ رنگ آتا ہے

کیونکہ ہر نالہ مرا تاب اثر تک پہونچے
ایک ہی آدھ نشانے پہ خدنگ آتا ہے

اسقدر کوئی بھی رکھتا ہے کدورت دل میں
صاف کرتے ہیں جو آئینے پہ زنگ آتا ہے

کتنا بیباک ہے یہ غمزۂ سفاک ترا
کھینچکر تیغ میاں صف جنگ آتا ہے

جب بلاتے ہو مجھے تب میں یہاں آتا ہوں
اب نہ آؤنگا اگر آپکو ننگ آتا ہے

ضبط کرتا ہوں تو لگتی ہے پر و بال میں آگ
نالہ کرتا ہوں تو صیاد بہ تنگ آتا ہے

عزم کیا ناقہ نشیں کا طرف مجنوں ہے
ناز کرتا ہوا جو ناقۂ زنگ آتا ہے

کسکا دیوانہ ہے یہ دارو صحرا لیلی
پاسبانی کو ہر اک شیر پلنگ آتا ہے

جان لینے کی تو ہیں یاد ہزاروں گھاتیں
دلفریبی کا بھی تجھکو کوئی ڈھنگ آتا ہے

بسکہ فن شعر ابتذال ہوا ہے غافل
کوئی شاعر مجھے کہتا ہے تو ننگ آتا ہے

ہم فقیروں کا بدن آلودگی سے پاک ہے
بوریا ہی اپنا ہمکو کیسۂ ولاک ہے

خاتمۃ الطبع

حمد بیحد اور ثنا بے عد اس ناظم
رباعی کائنات کو سزاوار ہے جو باعث
کہ بحضرت کونین کو بسبب تضمین
مصرع قامت محمود و عالم فخر بنی آدم
احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم کے شرف بخشا جو اپنی سخن لسان کو
طاقت گویائی دی ہے جسکی بدولت راہ
گنج اسرار معانی شاعروں پر کھلی ہے
ان اللہ تعالیٰ خالق کنز مخفی عرش
ومفاتیحہا السنۃ الشعراء اس قول کی

داغ بر دل ہے اگر لالہ کم فریاد مین
آئے لیلی بھی اگر اسمین تو مجنون نکلے جاے
یار بن ہمکو نظر آتا ہے ویرانہ چمن

ماتم مجنون مین ہر جادہ کا سینہ چاک ہے
بسکہ صحرا تیرے دیوانون کا وحشتناک ہے
ڈھیر پھولونکا نہین ہے یہ خس و خاشاک ہے

شہسوارون سے بھی اسکی باگ رک سکتی نہین
یہ سمند عمر غافل اسقدر چالاک ہے

مدعی کی عیب گیری سے نہین کیا باک ہے
سرکشی مانند شعلہ اسقدر اچھی نہین
شرم آتی ہے جو اُس سے یار کو ہنگام غسل
جانب صید حرم بھی جو نظر کرتی نہین
جان بلب ہین کیسو گرفتار کے قبضے مین ہم
کسطرح سے پہونچے مجنون ناقہ لیلی کے ساتھ
ساقی مخمور سے کہتے ہین یون مستی مین ہم
اور تو آثار بلبل اب گلستان مین نہین

پاک طینت ہین محبت بھی ہماری پاک ہے
خاکساری کر کہ آخر ایکدن تو خاک ہے
کیا حباب بحر میرا دیدۂ نمناک ہے
منتظر کسکی یہ چشم حلقۂ فتراک ہے
گردہ یہ کھینچے تیغ تو اک دم مین جھگڑا پاک ہے
جسقدر یہ سست ہے اُتنا ہی وہ چالاک ہے
تاک سے جیسے بہم پیچیدہ چوب تاک ہے
یادگار آشیان مشت خس و خاشاک ہے

نازک خیالی تھی اگرچہ وہ اس فن مین کامل تھے لیکن اکثر اشخاص انکے کلام سے بیخبر و غافل تھے انکی خلف الصدق میان جھمو خان اس پریس مین ملازم باوقار ہین اپنی صناعی مین یکیائے روزگار ہین انھون نے ایک روز حال انکے حسب و نسب اور حالی خاندانی کا مالک مطبع سے بیان کیا اپنے والد ماجد کی زبان دانی کا نشان دیا مالک مطبع کو سنتے ہی کمال تاسف ہوا بہ سبب گم ہو جانے دیوان کے بجہت عذر جھمو خان کے گھر سے مالک مطبع نے تلاش کرنے کا حکم دیا کارپردازان مطبع نے بدقت تمام جا بجا جستجو کرکے کلام واقع آلام مجتمع کیا المختصر یہ دیوان سحر بیان فصاحت نشان بلاغت توامان اس سے پہلے چند بار مطبع منشی نول کشور موسوم باودھ اخبار واقع لکھنؤ مین بصد حسن و خوبی طبع ہوا اور اب مطبع منشی نول کشور واقع شہر کانپور مین بسرپرستی عالیجناب معلی القاب منشی پراگ نراین صاحب بہادر مالک مطبع دام اقبالہ بتصحیح تمام و تنقیح مالا کلام ہزاران خوش اسلوبی بماہ دسمبر ۱۸۹۷ء بار اول جامۂ طبع سے محلی اور زیور انطباع سے آراستہ ہوا

والحمد للہ علی ذالک

قطعہ تاریخ طبع سابق تصنیف شاعر با جوش و خروش حکیم مولوی نواب نیاز احمد خان صاحب

متخلص بہ ہوش بریلوی شاگرد رشید امیر لکھنوی

لکھنؤ مین ہے مطبع زیبا
منشی باوقار و دانا کا

رو برو انکی عقل و دانش کے
عقل کل کا ہی تذکرہ بیجا

ہے سخاوت مین مثل حاتم کے
جو کسی نے طلب کیا پایا

ہوش مریا ہی فیض سے انکے
قطرے پر بھی ہے حکم دریا کا

تھا ازل سے ملا جو انکو نوال
نام آخر نول کشور ہوا

کس زبان سے ہو انکی مدح و ثنا
ناطقہ بند ہی یہان سب کا

وصف مطبع کا کیا بیان کیجے
ہے وہ مطبوع طبع شاہ و گدا

دل اہل نظر ہے ہر اک سنگ
سمجھو وہ جگا دل ہی پتھر کا

زر دکا نہی نظر پڑی جسکو
گل صدبرگ کا ہوا دھوکا

ورق صاف کی تجلی ہے
ورق آفتاب شرمایا

کاتبون نے یہان کیے بے تشویش
منشی چرخ پر ہے خط کھینچا

جو کہ مطبوعہ یان کا نسخہ ہے
نسخہ کیمیا سے ہے وہ سوا

ہوش اس مطبع گرامی مین
انکا دیوان جبکہ طبع ہوا

دیکھا اسکو دل اٹھا ہاتف
چھپ گیا ہی کلام غافل کا

قطعۂ تاریخ طبع سابق طبع زاد شاعر کامل رشک سحبان وائل منشی بھگوان دیال صاحب عاقل ایجنٹ مطبع ہذا

زغافل چہ شد طبع دیوان دلکش / جہان بہر خریدارش گشت مائل
پے سال تاریخ عاقل ز کلکم / رقم شد چہ دلچسپ دیوان غافل
۱۲۸۹ھ

قطعات تاریخات طبع جدید دیوان ہذا

از طبع وقاد سخنور کامل منشی بھگوان دیال صاحب عاقل ایجنٹ مطبع موصوف الصدر

ہست این دیوان غافل در نظیر خود نظیر / آنکہ در ہر مصرعہ اش دلکش مضامین مندرج
بہر تاریخ مسیحی عاقل از فرط طرب / گو عجب دیوان غافل رحمت آگین آمدہ
۱۸۹۷ء

ایضاً

زعون خالق کونین حالا / مکرر طبع شد دیوان غافل
بگو عاقل بتاریخ مسیحی / بسی دیوان غافل رحمت افزا
۱۸۹۷ء

ولہ

سخن سنجی کا یہ دیوان غافل ایک دریا ہے / نظر آتا نہیں کوسوں ٹھکانا جسکے ساحل کا
عبث غواص بحر فکر تاریخ اشاعت ہو / لکھو عاقل کہ لبریز بہا ہے یہ دیوان غافل کا
۱۳۱۵ھ

قطعۂ تاریخ طبع از سخنور سحر بیان مولانا محمد حامد علی خان حامد شاہ آبادی مصحح مطبع ہذا

یہ دیوان غافل کا بے مثل ہے / ہیں سب شعر سانچے میں گویا ڈھلے
جو حامد تمہیں فکر تاریخ ہے / تو لکھدو مضامین دلکش چھپے
۱۳۱۵ھ

دیوان غالب دہلوی - کلام مرزا اسداللہ خان دہلوی -
دیوان تلق مسمی بہ منظر عشق - کلام آفتاب الدولہ خواجہ اسد تخلص بہ تلق -
دیوان خواجہ میر درد - سخنور صاحب باطن کا کلام -
دیوان بہار عرب - کلام مولوی محمد نذیر تخلص بہ حافظ
دیوان سلطنت - کلام حافظ محمد لطف علی خان بریلوی -
دیوان نیاز - کلام حضرت شاہ نیاز احمد بریلوی -
دیوان نعت سروری - کلام مفتی غلام سرور لاہوری -
دیوان شہیدی - کلام مولوی کرامت علی خان شہید -
دیوان جرار - کلام مرزا حسین جرار -
دیوان واسطی - کلام سید فضل رسول خان تعلقہ دار سسندیلہ -
دیوان عاشق - از پنڈت کنھیا لال -
دیوان ضامن - کلام سید ضامن علی شاہ -
دیوان مخزن شوق - کلام منشی ہرچند رائے شوق -
دیوان شائستہ پاسخ - یعنی ہم قافیہ و ہم بحر بمقابلہ غزلیات ناسخ لکھنوی از منشی ہرچند رائے -
دیوان حمد ایزدی - کلام مفتی غلام سرور لاہوری -
دیوان چمنستان جوش - کلام نواب احمد حسن خان جوش -
دیوان نعتیہ - از تصنیف مولوی احمد علی -
دیوان سحر - ملقب بہ سحر سامری - کلام منشی دیبی پرشاد ڈپٹی انسپکٹر مدارس بدایون -
دیوان بختاور - کلام منشی بختاور سنگھ -
دیوان عباس - مسمی بہ ریاض سخن کلام سید غلام عباس -
مجمع الاشعار - چیدہ چیدہ اُستادوں کا کلام یکجائی اُردو و فارسی -
چمن بے نظیر - شعرائے نامی فارسی اردو گویوں کا کلام چیدہ -
دیوان گویا - کلام فقیر محمد خان رسالدار تخلص بہ گویا -
ایضاً - حسب مراتب بالا -
گلدستۂ امانت - اسمین انتخاب چیدہ غزلیات و مخمس کا شاعر نازک خیال تخلص امانت سے ہے جسکا کلام فصیح معروف ہے -
دیوان حیرت - مصنفہ حکیم حافظ عبدالرحمن خان تخلص بہ حیرت -
دیوان مناجات ہندی - مصنفہ منشی کنھیا لال رائے بہادر -
توشۂ آخرت - اسم بامسمی مصنفہ مولوی سید مظفر علی صاحب - اسمین عمدہ و چیدہ قصائد و غزلیات حمد و نعت مین مرقوم ہین -
دیوان سخن دہلوی جلی قلم - مصنفہ مولوی سید فخرالدین حسین تخلص بہ سخن دہلوی شاعرانہ کلام نہایت فصیح -
ایضاً - حسب مراتب بالا -
گلدستۂ حفیظ اللہ خان - معروف بہ اشعار دلپسند مع فرہنگ - اسمین اُردو - فارسی اشعار متفرق مستزاد و مخمس و مسدس و دوہے ملی ہوئی غزلین - بھجن و ہولی و ٹھمری و چوماسہ - بارہ ماشہ ادرا وددہا

کبت و سویا وغیرہ نہایت عمدہ ترتیب کے ساتھ مولوی حفیظ اللہ خان ساکن ڈوی تخلص بہ حفظ نے مرقوم کیے ہین خوبی اسکی دیکھنے پر موقوف ہے۔

ترجمۂ شرح قصاید عرفی۔ مترجمہ مولانا ابو الحسن صاحب فرید آبادی۔

مثنویات

مثنوی شمس فیض۔ موسوم بہ طلسم حیرت کلام مدحیہ در محامد ولیعہد بہادر والی سورٹھ مولفہ منشی غلام محمد خان تخلص بہ خبیر۔

مثنوی بہارستان نادان ترجمہ اُردو مثنوی غنیمت فارسی۔ مترجمہ منشی کامتا پرشاد تخلص بہ نادان۔

مثنوی موجۂ غم۔ مع مثنوی نالۂ حزین دلچسپ مثنوی بمضمون داستان از گوپال شاہ تخلص بہ حزین۔

مثنوی زینت انجمن ۔ کلام مدحیہ در مدح نواب غوث محمد خان والی جاورہ۔

مثنوی سعدین۔ از منشی انور حسین تخلص بہ تسلیم۔

مثنوی دلاویز۔ از رشید الدین احمد خان لکھنوی۔

مثنوی رموز العاشقین۔ معروف بہ تیرہ ماسہ از تصنیف حضرت طالب شاہ۔ اسمین عاشقانہ کلام تصوف آمود عجیب وغریب مرقوم ہین۔

مثنوی گلشن عشق۔ از تصنیف منشی عنایت اللہ متخلص بہ روشن۔ اسمین بیان اقامت راجہ نل و چنر سین مرقوم ہین۔

مثنوی فرحت افزا۔ مصنفہ لالہ انکا لال تخلص فرحت۔

مثنوی حیرت افزا۔ مع غزلیات و مخمس و تصنیف محمد قاسم علی لکھنوی تخلص قاسم۔

مثنوی طلسم جہان۔ مصنفہ سید فرخ حسین صاحب اتالیق مرشدزادگان مرشدآباد۔

مثنوی دریاے عشق۔ از حضرت واجد علی شاہ۔

مثنوی بلبھ جر تیر تعریف مکانات اجودھیا پوری بناکردہ مہاراجہ رام کشن سنگھ بہادر مصنفہ منشی جواہر لال۔

مثنوی مرآۃ المشترقین۔ دربارہ امتناع اسراف و رتقریبات تہنیت و تعزیت از حکیم عنایت حسین بیلوی۔

مثنوی گلدستۂ معنی۔ در صفات نعتیہ رسول از محمد حب علی خان۔

مسدس کربلا۔ از میان نظیر اکبرآبادی۔

مسدس اوج۔ در مدح جناب امیر المومنین علی از مرزا احمد جعفر۔

اندر سبھا۔ امانت و مداری لال باتصویر۔ کلام ہر دو استاد علامہ و ہرفن شاعری مین بےمثل۔

مثنوی گلزار نسیم۔ تذکرہ گل بکاولی۔

مثنوی میر حسن۔ دہلوی باتصویر۔

مثنوی یوسف زلیخا منظوم۔

ایضاً۔ منظوم از شاعر نازک خیال منشی نندکشور۔

بارہ ماسہ دہن سنگھ مصنفہ ٹھاکر پرمیشر دین سنگھ۔

بارہ ماسہ بیرہ باریس۔ از منشی کنھیا لال۔

بارہ ماسہ سندر کلی

مجموعۂ بارہ ماسہ داب بنی مادھو و خیر شاہ و مقصود۔

بتوفیق رنگین نگار آرای چمن حسن و عروس بهار افزای سخن جل جلاله
گلستان همیشه بهار فصاحت گلزار طراوت بار بلاغت نمودار روضهٔ رضوان اسم بامسمی
سکندرنامه بحری
سبز کردهٔ نخلبند معانی گلشن آرای جلوه بیانی ناقد نقود صوری و معنوی خواجه نظامی گنجوی
از طبع مطبع منشی نولکشور واقع کانپور

بسم الله الرحمن الرحیم

خرد هر کجا گنجی آرد پدید
بنام خدا سازد آنرا کلید

خدای خرد بخش بخرد نواز
همانا خرد مند را چاره ساز

رهائی ده بستگان سخن
توانا کن ناتوانان ز کن

نهان آشکارا درون و برون
خرد را بدرگاه او رهنمون

سزای پرستش پرستنده را
توانا بر مرده زنده را

نگارنده نقش این کارگاه
برآرنده شقف این بارگاه

خرد دانستنش عقل را ناگزیر
بزرگی و داناییش دلپذیر

ورای همه بودنی بود او
همه رشته جوهر آموده او

بحکم آشکارا بحکمت نهفت
شناسنده حیران از و در شگفت

یکی گر دوئی جز نقش هست پاک
هم از آب و آتش هم از باد و خاک

همه آفریداست زوجان پوست
بر و آفرین کافریننده اوست

همه بود را هست از و ناگزیر
بود در کس او نیست نسبت پذیر

بد و هیچ پوینده را راه نیست
خرد مند زین حکمت آگاه نیست

اگرت خرد مهر این شد که بالا و زیر
به تعظیم او زیر تنها بود

اگر ذات او زیر کوئی که هست
خدا را نخواهد کسی زیر دست

چو از ذات معبود رانی سخن
بزیر و ببالا دلیلی مکن

چو در قدرت آمد سخن زان امیر
که در قدرتش نیست بالا و زیر

هر آنچه آید از زیر بالا پدید
سر از خط فرمان نباید کشید

یکی را بگردون دهد بارگاه
یکی را ز کیوان در آرد بچاه

دلی را فروزان کند چون چراغ
نهد بر دل دیگر از مهر داغ

همه بودنی پیش او آمده است
بزرگی و خردی بنزدش یکیست

چه کوهی بر آرد چه یک کاه برگ
چه با امر او زندگانی چه مرگ

جز او کیست کز خاک آدم سرشت
بر آب انچنین نقش اندر نوشت

چو ره یاوه گردد نماینده اوست
چو در بسته گردد گشاینده اوست

توانا ست بر هر چه آن ممکن است
گران چیز چه بند دیا ساکن است

توانمند ازو جمله کائنات
بدو زنده هر کس که دارد حیات

همه هستی از بود او هست تام
تمام اوست دیگر همه ناتمام

خدایا توئی بنده را دستگیر
بود بنده را از خدا ناگزیر

تضرع بمضمون حضرت باری تعالی اجل جلاله و عم نواله

توئی خالق بوده و هر بودنی / ببخشای بر حال بخشودنی
ببخشایش خویش یاریم ده / ز غوغای خود رستگاریم ده
ترا خواهم از هر مرادی که هست / اگر آید از تو مرادی بدست
دلی را که از خود نگردی کمش / نه از چرخ ترسد نه از انجمش
چو تو هستی از چرخ و انجم چه باک / تو هست آسمان بر زمین زیر خاک
جهانی چنین خوب و خرم سرشت / حوالت چرا شد بقای بهشت
گر آن خوبتر جا نباشد دگر / چو آن خوبتر گفتی آن خوبتر
در آن روضه خوب کن جای ما / ببر نفس ناخوبی از رای ما
نه من چارهٔ خویش دانم نه کس / تو دانی چنان کن که دانی و بس
طلبگار تو هر کسی بر امید / یکی در سیاهی یکی در سفید
بر آن تازه باغ تو باید بری / تضرع کنان هر کسی بر دری
نبینیم من آن رهبر خویشتن / که گویم ترا این و آن ده بمن
کنم حاجت از هر کسی جست و جو / چو یابم تو بخشنده باشی نه او
تو مستغنی از هر چه در راه تست / نیاز همه سوی درگاه تست
سر غرض مرادی بهر دم مکن / سر رشته از راه خود گم مکن
چو بر آشنائی گشادی درم / مکن خاک بیگانگی بر سرم
بچشم من از خود فروغی رسان / که یابم فروغی ز چشم کسان
چو پروانه بر شب چراغ توام / چنان دان که مرغی ز باغ توام
ببین گرچه خردم مبین زیردست / بنه بر کمم کن خرد بزرگیت هست
چو ذره بگرد بزرگان دوید / بدان خردی آورد خود را پدید
من آن ذره خردم از دیده دور / که نیروی تو بر من افگنده نور
به نیروی تو چون پدید آمدم / در گنجها را کلید آمدم
بسر بردم اول بساط سخن / دگر ره کنم تازه درج سخن
بآن سخن دادیم دستگاه / بآخر قدم نیز بنمای راه
صفائی ده این خاک تاریک را / که تا بینم آن راه باریک را
برانم کزین پیش بین تنگنای / بخوشنودی تو زنم دست و پای
حفاظت چنان باد در کار من / که خوشنود گردی ز گفتار من
چو از راه خوشنودی آیم برت / نپیچم سر از قول پیغمبرت

نعت سید کائنات مفخر موجودات محمد رسول الله صلی الله علیه و آله وسلم

محمد که بی سعی تخت و تاج / ز شاهان بشمشیر بستد خراج
غلط گفتم آن شاه و سدره سریر / که هم تاجور بود و هم تخت گیر
تنش محرم تخت افلاک بود / سرش صاحب تاج لولاک بود
فرشته نمودار ایزد شناس / که ما را بدو هست ایزد سپاس
رساننده ما بجرم بهشت / رهاننده از دوزخ تنگ و زشت
سپیده دمی در شب کائنات / سیاهی نشینی چو آب حیات
گر او نگروی سر ز طاق عرش / که برقع نوردی درین سبز فرش
ره انجام روحانی او داد ما / ره آورد عرش او فرستاد ما
نیرزد بخاک سر کوی او / سراسر همه یک سر موی او
ز رنجه او راحت اندوز ما / چراغ شب و مشعل روز ما
درستی ده هر دلی کو شکست / شفاعت کن هر گناهی که هست
سر آمد ترین همه سروران / گزیده تر از جمله پیغمبران
گر آدم ز مینو در آمد بخاک / شد آن گنج خاکی بمینوی پاک
گر آمد برون ماه یوسف ز چاه / شد آن چشمه از چاه بر اوج ماه
اگر خضر بر آب حیوان گذشت / محمد ز سرچشمهٔ جان گذشت
وگر گشت یونس ز ماهی شکار / زمین بوس او گشت ماهی و ماه
ز داود اگر درع گذاشت / محمد ز دراعه صد درع داشت
سلیمان اگر تخت بر باد بست / محمد ز بازیچه باد رست
اگر مهد عیسی بگردون رسید / محمد خود از مهد بیرون دوید
وگر طارم موسی از طور بود / سراپردهٔ احمد از نور بود

زهی روغن هر چراغی که هست / بدو در بزه شمع توحید بست
تو آن چشمه کآب تو هست پاک / ازان آب شسته شد روی خاک

زمین خاک شد بوی قطیفش توی / جهان را ز رومند قطیفش توئی
طبیب تهی دست با آب و رنگ / ز حکم خدا نوشته دارد بچنگ

توئی چشم روشن کن خاکیان / نوازنده جان افلاکیان
طراز سخن سکه نام تست / بقای ابد جرعه جام تست

کسی کو ز جام تو یک جرعه خورد / همه سال ازین شد ازو داغ و درد
مبادا کز آن شربت خوشگوار / نباشد چو خاکی جرعه خوار

در سبب نظم این داستان و یاد کردن بعضی از دوستان

بهر مدتی گردش روزگار / بطرز دگر خواند آموزگار

سر آهنگ پیشینه کژ رو کند / نوائی دگر در جهان نو کند
ببازی در آید چو بازیگری / ز پرده برون آورد پیکری

بران پیکر از راه افسونگری / کند مدتی خلق را دلبری
چو پیری در آن پیکر آرد شکست / جوان پیکری دیگر آرد بدست

بدینگونه گوینده هر سخن / کند تازه پیرایهای کهن
زمان تا زمان خامه نخلبند / سر نخل دیگر بر آرد بلند

چو کم گردد از گوهری آب و رنگ / دگر گوهری سر بر آرد ز سنگ
عروس مرا تازه پیکر شناس / کند تازه رونق بسی زین قیاس

درین نامه گر هم نبودی عروس / سخن گفتن تازه بودی فسوس
من آن توسنم کز ریافتنگری / رسیدم به پیری بفرمان بری

چه گنجست کان از نغانیم نیست / دریغا جوانی جوانیم نیست
جوانرا چو گل پای بر ابرش است / چو پیری رسد نعل در آتش است

دران کور کائینه روشن کند / چو بشکست زائینه کوشش کند
دل هر کرا کو سخن پرور است / سر زرقش سر آینده یار گرست

ازان بیشتر کان سخنهای نغز / بر آوردی اندیشه از خون مغز
سر آینده داشتم در نهفت / که با من سخنهای پوشیده گفت

کنون کان سر آینده خاموش گشت / مرا نیز گفتن فراموش گشت
نیوشنده نیز کان می شنید / هم از شقه کار شد ناپدید

سر آینده رفت و نیوشنده خفت / سخن چون توان جستن و چون گفت
مگر دولت شه کند یاری / درآرد بمن تازه گفتاری

در اندیشه از رهگذرهای تنگ / هم از تن توان شمع را زردی رنگ
چو طوفان اندیشه ام هم گرفت / شب آمد در خوابگاهم گرفت

شبی از دل تنگ تاریک تر / رهی از سر موی باریک تر
در آن شب چگونه توان برد راه / درین ره چگونه توان دید چاه

فلک پایگه را براندود نیل / سر پاسبان مانده در پای پیل
بدین سبزه مار آهو انگیخته / ز ناف زمین نافها ریخته

نه شمعی که باشد ز پروانه دور / نه پروانه داشت پروای نور
سر آمد ز شب بسته سودای چنگ / سیه تر ز سودای آن شب برنگ

بغواصی بحر در ساختن / گه اندوختن گاهی انداختن
دو پاسی گذشت از شب و بر باز / دو پاسی دگر ماند هر یک دراز

شتاب فلک اندک آهسته شد / خروسان شب را زبان بسته شد
من از گله شب درین ماه تنگ / همی یافتم حله هفت رنگ

مسیحا صفت از خم لاجورد / گه ازرق بر آورد دم گاه زرد
مرا کاولین پرورشگار بود / علی نعمتی در دهش یار بود

عماد قوی خواجه ارجمند / که شد فر دولت بدو سر بلند
جهانرا ز گنج سخا کرد بر / ز درج سخا بر سخن بسته در

ندیدم کسی در سرای کهن / که دارد جز او هم سخا هم سخن
عطارد که بیند که در مشتری / بدین مهر بر دار و انگشتری

بود مدتی کا بخت را جهان / به نیرنگ خود دارد از من نهان
فرو بسته کاری بپای غمی / نه کس غمگسار و نه کس همدمی

ز یک قافیه چند زاید سخن / چه خرما گشاید ز یک نخل بن
شبی و چه شب چون یکی ژرف چاه / فتاده درو درخت خورشید و ماه
من از دولت شه کمند بدست / گرفته بسی آهو و شیر مست
رصد بسته بر طالع شهریار / سخن کرده با ساعت نیک یار
بمنزل رسانده ره انجام را / گرو برده هم صبح و هم شام را
گهرجوی را تیشه بر کان رسید / جگر خوردن دل بپایان رسید
من آن شب نیاسوده برخاستم / بآسودگی بزمی آراستم
بساطی کشیدم بترتیب نو / برا کردم اندیشه را پیشرو
سرم از می ناب مستی گرفت / سخن با سخا هم نشستی گرفت
دلم آتش و طالعم شیر بود / زبانم دران شعل شمشیر بود
مگر آتش و شیر باهم گوهر اند / گه از دام و دو هرچه باشد خورند
گه از لطف بر ساختم زیوری / گه از گنج حکمت گشادم دری
دگر بار بر کان گشادم کمین / بر انداختم مغز گنج از زمین
شرف نامه را تازه کردم نورد / سپید آب را ساختم لاجورد
باول چه گشتم بآخر چه رست / شکسته چنین کرد باید درست
فروشندهٔ جوهر آمد پدید / متاع از فروشنده باید خرید
بسر سبزی شاه روشن ضمیر / به نیروی فرهنگ فرمان پذیر
همین زین نمط هرچه وارد نوی / بدین شیوهٔ تو کنند پیروی
سخن گفتن آسان بدانکس بود / که نظم بهش از سخن بس بود
غلط کاری آن خیالات نغز / بر آورده جوش دلم را بمغز
بترتیب این بکر شوهر فریب / مرا صابری باد و شد ناشکیب
ندانم که اینجا دو بهای چیست / چگونه درین بابلی چاه رست
بدین سحر کو آب زرتشت برد / بسا زند را کاتش زند مرد
من آن ابرم این طرفه تش طاق را / که آب از جگر بخشم آفاق را
چو سایه گه هنجار در زور نور / وزو دار دامیزش خویش دور

من آن شب تهی بدم از خواب و خورد / شناور درین برکهٔ لاجورد
شبی کز سیاهی بآن پایه بود / که زو نور در تهمت سایه بود
در افگند طرحی بدریای ژرف / بطرح اندرون ماهیان شگرف
بدان تا کنم شاه را پیشکش / بر آمیخته خیل چین با حبش
دران دهشت آباد حیرت پذیر / شده دولت شه مراد دستگیر
چو زرین سراپردهٔ آفتاب / بخرپشتهٔ کوه بر زد طناب
سریر بر آئین سلطانیان / زدم بر سر کوی روحانیان
می و نقل و ریحان مرا همنفس / زبان و ضمیر و سخن بود و بس
در آمد بغریدن ابر بلند / فرو ریخت گوهر بگوهر پسند
دو جام درا بوده باید دلیر / یکی نزد آتش دگر نزد شیر
چو ز دست من او نیک اختری / دف زهرهٔ و دولت مشتری
جهانی بجوهر برانباشتم / که چون شاه گوهر خریدی داشتم
بدعوی دروغی نباید نمود / زر و آتش اینجا توان آزمود
دگر بار این نظم چینی طراز / ببین تا کجا میکنند ترکتاز
بسی سالها شد که گوهر پرست / نیاید ازین گنج گوهر بدست
بفرمود شه باغی آراستین / سمن کشتن و سرو پیراستین
یکی سرو پیراستم در چمن / که بر یاد او می خورند انجمن
ولی باید اندیشهٔ تیز و تند / بریدن نباید بشمشیر کند
کسی کو جواهر بر آرد ز سنگ / بدشواری آرد سخن را بچنگ
نه گرمی سرم را برافروده گرد / ز خشکی تنم را نمک سود کرد
سخن بین کجا بارگه می زند / چه میگویم او خود چه ره میزند
که آموخت این پرده را زیر زند / که سازد نواهای هاروت بند
کجا قطره تا در بدریا برد / خر آرد درین بصره خرما برد
همه چون گیا جرعه خواران من / ز من سیر و تشنه بیابان من
زمین گرچه شوریده شد خوابشان / هم از فیض بوی نست آبشان

همه حرف خوانان حرف من اند / مثالی نویسان حرف من اند
نجلوت نی دو دم ز پولاد رنگ / بدان تا پذیرد ز یاقوت رنگ
بخواندی که آن صیقل چین نگار / چگونه ستد رومیان احصار
شنیدی درین آنکه فرزانه بود / که بر ناید از هیچ ویرانه بود
بسا چیز کو در دل آرد هراس / سرانجام آن کرده باید سپاس
چو باران فراوان بود در تموز / هوا سرد گردد چو برد عجوز
چو بر عادت خود در آید حریف / هوا دور باشد ز باد لطیف
بباید یکی آتش افروختن / بدو صندل و عود و گل سوختن
خدا از پی بندگیم آفرید / بجز بندگی ناید از من پدید
بهر جیش رسد ساز گاری کند / فلک بر ستیزنده خواری کند
چو ابریشمی بسته بنید بساز / کند دست خود بر بریدن دراز
یکی کارگاه بریشم تند / یکی کاروان بریشم زند
کند یک مگس مایهٔ خورد و خفت / بدزدی خورد یک مگس در نهفت
ازان بیش کار و شبخون شتاب / چو دراج در وه صلای کباب
سپهر اژدهائیست با هفت سر / بزخمی براندازد از ما سپیر
گراو با تو چون طشت شد خون بریز / تو با او چو غربال شو خاک بیز
فسون گر خم ست این خم نیلگون / که صد گونه رنگ آمد از وی برون
حساب فلک را رها کن ز دست / که پستی بلند و بلندیست پست
درین پرده با آسمان جنگ نیست / که این پرده با کس هم آهنگ نیست
کسی را که گردون بر آرد بلند / همش باز در گردن آرد کمند
بدین چارسو چند سازیم جای / شکم چارسو کرده چون چارپای
رباطی دو در دار و این پر ز خاک / دری در گریوه دری در مغاک
فسرده کسی کو درین چاه پست / چو برق اندر افتاد و چون بیخ بست
به افسردهٔ شمعی که چون برفروخت / شبی چند جان کند و آنگه بسوخت
نبینی که ماهی بدریای ژرف / نیندیشد از هیچ باران و برف

من او را ازین فیض از آن یافتم / که رو از دگر چشمها تافتم
چو من کردم آئینه را تابناک / پذیرندهٔ پاک شد جان پاک
چو خواهی که بر گنج یابی کلید / نباید عنان از ریاضت کشید
بسا خوب کاو دل بود هولناک / نشاط آورد چون شود روز پاک
جهان پر شد از دعوی انگیختن / برین نطع ترسم ز خون ریختن
بسا سبزه کان تر نماید در آب / بسوزاند آن برگ را آفتاب
وبا خیزد از نرمی آب و ابر / که باشد نفس را گذرگه سطبر
من آن عود سوزم که در بزم شاه / ندارم خبر زین یک خلیفه نگاه
نه نیک و بد مرد آموزگار / بسیچیده ساز گردش روزگار
ندارد جهان خوی سازندگان / که سازد نوا با نوازندگان
دو گرم اند کان در بریشم کشی / کند دعوی آبی و آتشی
دو باشد مگس انگبین خانه را / فریبنده چون شمع پروانه را
یکی زان مگس کانگبین گر بود / به از صد مگس کانگبین خور بود
اگر جوش گیری بسوزی ز درد / دگر بر بخوشتی شوی خام سرد
درین طشت غربالی نیلگون / تو غربال خاکی فلک طشت خون
کجا خاکدان باشد و آب گیر / ز غربال و طشتی بود ناگزیر
اگر جادوئی بر خمی شد سوار / خمی بین بر و جادوان صد هزار
گهی زیر ناگاه بالای ماست / اگر زیر و بالاش خوانم رواست
چه بازیچه کین چرخ نارنج رنگ / نیارد درین چار دیوار تنگ
بروباه سرخ از کلاهش دو پر / بخور و سگان با سیاهش دو پر
سرانگاه بر چاه بالش نهم / اگر زین گندهٔ چاه بالش هم
نیاید کسی زان درینجا فراز / اگر زین در برو نیش نگردند باز
خنک برق کو جان بگرمی سپرد / بیک لحظه زاد و بیک لحظه مرد
کسی را که گشتی نباشد درست / شتاد رشد آن چه آمد نخست
شتابنده را اسب صحرا خرام / برق داده زان به که باشد حرام

جهان این جهان شد که از مکر و فن که آب تو ریزد گهی خون من
برین ره کسی پرده داند نواخت که اینجا برین ره تواند شناخت
دگر بار غفلت سیاه آورد سرم بر سر خوابگاه آورد
چنان وقت وقت آمدم گر به پیش که امید دارم از عمر خویش
بدین چارسوی مخالف روان نیم رشته گر پیرم و گر جوان
دگر با چنین تن جوانی کنم بجای سگان زندگانی کنم

سپهران سپهر است گرد اغ و درد گر از رزق گندم رنگ ناگاه زرد
بر رهبر توان راه بردن بسر سر راه دارم کجا راه بر
خیالی بخوابے بدر مے برم بافسانه عمرے بسر مے برم
باین پر کجا پر توانم پرید بپای چنین پیر چه دانم رسید
اگر رمز پیری در آرم بکار جدا مانم از مردم روزگار
همان به که با سر کهن تازه نمایم بقدر روے اندازهٔ

نخواهم رها کردن این بنده را نیاز آرم این همرهی جنده را

عنوان این نامه بنام بادشاهی

چو فیاض دریا در آمد بموج ز کام صدف در برآرد باوج
دگر باره دولت در آمد بکار اهلی دولتی با سخن گشت یار
دگر بار بختم سبک خیز شد انشاط سخن در دلم تیز شد
همه وز راز گوزگارست نام اکی روزوانه یکی روز وام
بر انداختی کردم از رای چیست که این مملکت هر که گردد درست
خرد گفت کانکس بود شهریار که باشد پسندیدهٔ هر دیار
بموران دهد کو بود مور خوار دهد پیل را طعمهٔ پیل وار
نه چون خامکاری که مستی کند بخام زدن خامه دستی کند
که یک ره سر از پای نشناختند بستی کلاهی بر انداختند
سخای که بیدانش آید بگوش ز طبل دریده برآرد خروش
کم و بیش کالا چنان بر مسیخ که حمال از حمل آید برنج
مزن از بر سالخورده درخت که ضحاک ازین گشته بے تاج و تخت
بدریا رسد در فشانده ز دست کند گرده کوه را لعل بست
بحمد الله این شاه بیدار هوش که نازش خراست و نوازش فرشی
باندازهٔ هر گز انمایه دهاو و دهش را دهد پایه
ازان شد بر و آفرین جهانگیر که در آفرینش ندارد نظیر
سری دیدم از مغز پرداخته بسی سر زبے مغزی انداخته
همه صیرفی طبع بازارگان جگرخوارهٔ جانگی خوارگان

ازان ابر کاتش در آب افگند زمین سایه بر آفتاب افگند
فرو رفت شب وز روشن رسید شب آهنگ صبح صادق رسید
چو دولت دهد در گشایش کلید ز سنگ سیه گوهر آید پدید
چو فرمان ده نقش پرکار کن بفرمان من گرد ملک سخن
درین شهر کاقبال یاری کند که باشد که او شهریاری کند
بداد و دهش چیره بازو بود جهان بخشش بے ترازو بود
ره آورد موری فرستد به پیل دهد پشه را رایت جبرئیل
همه کار شاهان شوریده خواب ز اندازه ناداشتن شد خراب
بزرگ اندک و خرد بسیار برد شکوه بزرگان ازین گشت خرد
مراتب نگهدار تا وقت کار شمردن توانی یکے تا هزار
مکش بر کهن شاه نوخیز را که این کشت شیرویه پرویز را
جهاندار چون ابر و چون آفتاب باندازه بخشید آتش هم آب
بهر جا که رایت برآرد بلند سر کیسه را ابر گشاید ز بند
ز اوج سر کوه تا برگ گاه شناسد همه چیز را پایگاه
جز او هر که را دیدم از خسروان ندیدم در و خوی خلت روان
ز من هر کس این نامه را باز جست بعنوان او نامه آمد درست
ولی پر ز دعوی و خوبی تهی همه لاغری هاے بی فربهی
همین رشته را دیدم از لعل بیج ضمیری چو دریا و لفظی چو در

خریداری الحق چنین ارجمند
سخنهای من چون نباشد بلند

شنیدم که بالای این سبز فرش
خروس سپیدیست در زیر عرش

چو او برزند طبل خود را دوال
خروسان دیگر نکوبند بال

همانا که آن مرغ عرشی منم
که هر بامدادی نوائی زنم

چو آواز من جمله مرغان شهر
برآرند بانگ انیست گویای دهر

در سبب تالیف این کتاب گوید

نظامی ز گنجینه بکشای بند
گرفتاری گنج تا چند چند

برون آی گر صیدی افگنده
برون آر گر گنجی آگنده

چنین گنج کز بخت روزی بود
سزاوار گیتی فروزی بود

چو بر سکه شاه هستی زرش
همه خطبه خوان باز بر منبرش

شهی کانچه در دور ایام اوست
بدان خطبه و سکه نام اوست

سر سرفرازان و گردنکشان
الملک نصرة الدین سلطان نشان

چو محمود با فر و فرهنگ و شرم
چو داود پولاد ازو گشت نرم

بطغرای دولت ز محمودیان
بتوقیع نسبت ز داودیان

بهاریست هم میوه هم گل برو
سرایندهٔ قمری و بلبل برو

شهی بینی که در بزم چون نوبهار
درم ریزد و در فشاند نثار

چو در جام ریزد می سالخورد
شبیخون برد لعل بر لاجورد

بشمشیر آتش برآرد ز آب
میا تیغ گیرد ابر بر آفتاب

کجا گشت شاهین او صید گیر
ز شاهین گردون برآرد نفیر

چو شهباز او پر زند بر سپهر
شکارش نباشد بجز ماه و مهر

که باشد کسی تا بدوران او
کند ترکتازی بسیرت و شان او

هر دزدی آن دزد گرد خراب
که خود را رسن سازد از ماهتاب

سراب از سر آب نشناختن
کند ترک سر را در تک تاختن

کلیچه گمان بردن از قرص ماه
فگندست بسیار سنگ اچاه

دهد دیو عکس فرشته ز دود
ولیکن ز ظلمت بود این نور

درین مهربان شاه ایزد پرست
ز مهر و وفا هر چه خواهند هست

ز من مانده ام خیره در کار او
که گفت آفرینی سزاوار او

چرا پیشکش خواند او را سپهر
که هست از دگر خسروان بیش مهر

اگر پیش مهرش نویسند راست
بود دبیشک این حرف برو گذاشت

سزد گر بود نام او کی نشین
که هم کی نشانست هم کی نشین

باجبای او زنده شد ملک دهر
گواهی من اینک ز آبادی و نهر

گزان زلزله آسمان را درید
شد آن شهرها در زمین ناپدید

جهان لرزه افتاد بر کوه و دشت
که گرد از گریبان گردون گذشت

زمین گشت چون آسمان بیقرار
معلق زنان از بازی روزگار

برآمد یکی نفخه از نفخ صور
که های شد از کوه گاو دور

فلک را سلاسل بهم برشکست
زمین را مفاصل بهم در شکست

در اعضای خاک آب را بسته گره
که بس کوفتن کوه را خسته کرد

زیخ نو خطان را بر آورد سیل
ز مصربان را بر آمد دو میل

جهان را چنان در بهم افشرد سخت
کز افشردگی کوه شد لخت لخت

نه یک رشته را مهره در کار ماند
نه یک مهره در هیچ دیوار ماند

نه مانده یکی دیده بر جای خویش
جهان در جهان مهره انداز پیش

ز جنبان زن و مرد برنا و پیر
برون نامد آواز جز نفیر

چو مانده این یکی رشته گوهر بجای
دگر ره شد آن رشته گوهر گرای

باقبال این گوهر گوهری
ازین دایره دور شد داوری

بکم مدت آن مرز ویرانه بوم
بفر دی آباد تر شد ز روم

دران رخنه منگر که از رنج و تاب
شد آن مملکت جمله یکسر خراب

بنگر بسایه آن شاه فرخ سریر
دگر بار شد چون عمارت پذیر

که این بار دیوار از سنگ ساز
بدیوار زرین بدل کرد بار

برآراست ویرانه را بر گنج
ز معماری مملکت برده رنج

ز هر گنج انگیخت صد گونه باغ
برافروخت از خانه صد چراغ

خبر یافتند از ره کین و مهر / که در هفت گنبد چه دارد سپهر
چنین چند نوبادهٔ عقل و رای / پدید آمد از شاه کشور کشای
اشارت چنان شد ز بخت بلند / که داناست نزدیک ما ارجمند
ز هر بارگاهی که والا بود / هنرمند را پایه بالا بود
چو دولت بدانش روان کرد عهد / جهان سوی دانش نمودند جهد
ز فرهنگ آن شاه دانش پسند / شد آوازه یونان بدانش بلند
سر نوبتی گرچه بر چرخ سود / بطاعت گهی پیش بودی سجود
یکی خرگه از شوشهٔ سرخ بید / دران خرگه افشاند ریگ سپید
نهادی کلاه کیانی بسر / بجد متگری چست بستی کمر
ز رفته سپاسی برآراستی / بآینده هم یاری خواستی
دعا کردنش تعیین چه در پرده بود / هماها که شاهی دعا کرده بود
چو صافی بود مرد مقصود خواه / دعا زود یابد بمقصود راه
نه زان عاقلان بود کز روی می / بد و نیک را بر نگیرند پی
اگر پیر زن بود و گر طفل خورد / که داد خواهی بد و راه برد
بتدبیر کار آگهان دم کشاد / ز کار آگهان کار عالم کشاد
شنیدم بهر جا که راندی چو کوه / نبودی درش خالی از شش گروه
در افسون گران چند جادوی چست / گز ایشان شدی بندها درست
حکیمان باریک بین پیش ازان / که انجام اندیشهٔ خویش ازان
به پیغمبران نیز بودش پناه / وزین جمله خالی نبودش سپاه
ز دستش کوکبه صف بیاراستی / ز هر کوکبه یاری خواستی
باندازهٔ جهد خود هر کسی / دران شغل بازی نمودی بسی
چو زینگونه تدبیر ساز آمدی / دو واسپه غرض پیش باز آمدی
به پیغام اول ز راند اختی / بزر کار خود را چو پرساختی
گر آهن نبودی بران در کلید / بافسون گران چاره گردی پدید
چو زخم زمان هم نبودی پسند / ز رای حکیمان شدی بهره مند

کنون زان صدف ها گوهر فشان / برون از اصطلاحی نه بینی نشان
بدان کاروانی و کار آگهی / چو بنشست بر تخت شاهنشهی
نجوید کسی بر کسی برتری / مگر کز طریق هنر پروری
قرار آنچنان شد که نزدیک شاه / بدانش بود مرد را پایگاه
همه رخ بدانش برافروختند / ز فرزانگان دانش آموختند
کنون کان نواحی ورق در نوشت / زمان گشت ازو نام دانش شگفت
نهان خیمه داشت او ز ادیم / برو هیچ بندی نه از زر و سیم
وشس چون شدی سیر ازو مگاه / دران خرگه آوردی آرامگاه
زدی روی بر روی آن ریگ پاک / بر آوردی از دل دمی دردناک
هر آن فتح کاقبالش آورد پیش / ز فضل خداوند نه از جهد خویش
دعا کاید از راه آلودگی / نیاز و مگر مغز پالودگی
سکندر که آن پادشاهی گرفت / جهان را بدین نیکنامی گرفت
بکس بر جوی جور نگذاشتی / جهان را بمیزان نگهداشتی
بدین راستی بود پیمان او / که شد هفت کشور بفرمان او
و گرنه یکی ترک رومی کلاه / بهند و بچین کی زدی کارگاه
ز پولاد پوشان شمشیر زن / کمر بسته بودی هزار انجمن
زبان آوران که وقت شتاب / کلید ربودندی از آفتاب
ز پیران زاهد بسی نیک مرد / که در شب دعای تواند کرد
چو کاری گره بسته باز آمدی / بمشکل کشادن نیاز آمدی
ز چندان رقیبان یار یگرش / گشاده شدی آن گره بر درش
بتدبیر پیران بسیار سال / بدستوری اختر نیک فال
بجا دشمنی یافتی سخت کوش / به پیچیدی از سخت کوشش گوش
اگر دشمنی زر بدی دشمنش / بآهن شدی کار چون آهنش
گر افسون گر ار چاره بر تافتی / بمرد و نماندان فرخ یافتی
حکیم ار ز چاره هراسان شدی / بزهد و دعا سختی آسان شدی

گر از زاهدان بودی آن بار پیش — به بنیاد بر روی آن کار خویش
دگر زین همه پیش بودی شمار — بایزد دنیا هیدی انجام کار
پناهنده بخت بیدار او — شدی یار او ساختی کار او
ز هر غبره کان در شمار آمدش — نمود ار عبرت بکار آمدش
ز بزم طرب تا بشغل شکار — ندیدی بیازیچه در هیچکار
یکی روز می خوردن آغاز کرد — در خرمی بر جهان باز کرد
ز بس گنج کاز از شه برفشاند — سپهر آفرین بر کف شاه خواند
برامش نشسته سکندر رامشگران — کشیدند بزمی گران تا گران
سراینده بودم در بزم شاه — که شه را در آن پیش بودی نگاه
وشی جامهٔ داشتی هفت رنگ — چو گل تار و پودش برآورده تنگ
تماشای آن حلهٔ نغز باف — دل شاه را داده بردی طواف
بدان جامهٔ چون گل افروخته — که گر پاس خام استری دوخته
خداوند آن جامهٔ نغز کار — بدان حله بر تابشی روزگار
ز بس رخنه دو تاراج کرد — وشی پوش را جامه شد سال خورد
چو خندید بر یکدگر تار و پود — سراینده را آخر آمد سرود
کهن جامه را کرد سازی دگر — وشی زیر کرد استرش بر زبر
چو در چشم شاه آمد آن رنگ شب — بدو گفت کای مرد بدسرشت
چو ابر زمین سرخ گل ریختی — بخار مغیلان درآویختی
حریرت چرا گشت بر تن پلاس — چه داری شه پیش گوهر شناس
زمین بوسه داد آن سراینده مرد — بجان و سر شاه سوگند خورد
که این حله هست آنچه بود از نخست — ز پود و شش گرگونه نقشی برست
جز این نیست کز خود عمل کرده ام — درون را به بیرون بدل کرده ام
خلق بود بیرون نهفتم ز شاه — خلق تر شدم چون درون یافت راه
شه از پاسخ مرد دستان سرای — فرو ماند سرگشته بختی بجای
از آن پس که خلقان او تازه کرد — بخلعتش کرم بیش ز اندازه کرد
ز گریه بپیچید و دیگر نگفت — که پوشیده به رازها در نهفت
گر از رازها برگشایند بند — بگیرد همان در جهان بوی کند
چو از نقش و دیبای رومی طراز — سر عیب زنیسان گشاید باز
به از مادرین مجمر نقره پوش — چو عود و سیه بر نیاریم جوش
که خوبان بجا گستر عود و بید — کنند از سر خنده دندان سپید
بسازای مغنی ره دلپسند — براو تار این ارغوانی بلند
رهی کان ز محنت رهائی دهد — بتاریک شب روشنائی دهد

در اقوال مختلف که چرا اسکندر را ذوالقرنین گویند

سخن را نگارندهٔ چرب دست — بنام سکندر چنین نقش بست
که صاحب دو قرنش از آن بود نام — که بر مشرق و مغرب آورد گام
بقول دگر آنکه بر جای جم — دو دستی زدی خون هر صبح و بوم
ز قول دگر کان بپیچیده داشت — دو گیسو پس گوش بپیچیده داشت
همان قول دیگر که در وقت خواب — دو قرن فلک بستد از آفتاب
دگر داستانی زد آموزگار — که عمرش دو قرن آمد از روزگار
دگرگونه گوید جهان فیلسوف — ابوالمعشر اندر کتاب الوف
که چون بر سکندر بسر آمد زمان — نبود آن خلل خلق را در گمان
ز مهرش که یونانیان داشتند — بکاغذ برش نقش بنگاشتند
چو بر جای خود کلک صورتگرش — برآراست آرایشی دلکشش
دو نقش دگر بست صورتنگار — یکی بر یمین دیگری بر یسار
دو قرن از سر هر یک انگیخته — بر ولا جوروی در آمیخته
لقب کردشان مرد هیئت شناس — دو فرخ فرشته ز روی قیاس
که هر پیکری کایزد آراستش — فرشته بود بر چپ و راستش
چون آن هر سه پیکر بآن پیکری — که بر دار ده پیکری پیکرے
ز یونان بدیگر سواد او فتاد — حدیث سکندر بدو کرد یاد
نثار رفت از ایشان به هر مرز و بوم — برآرایش دستکاران روم

عرب چون بران دیده بگماشتند ‌ سکندر دگر صورتی انگاشتند

ازین هر دو در شست افتاده اند ‌ که صاحب خود فرنش لقب داده اند

بران گوش چون تاج انگیخته ‌ ز زر داشتی طوق آویخته

بجز سر تراشش که بودی غلام ‌ سوی گوش او کس نبردی پیام

تراشنده او ستادی آمد خرام ‌ بپوشیدگی موی او کرد باز

که گر راز این گوش بیرون بود ‌ بگوش آورم کاو در کس بگوش

شد آن مرد آن حلقه در گوش کرد ‌ سخن مرزبان را فراموش کرد

ز پوشیدن راز شد روی زرد ‌ که پوشیده راز دل آرد بدرد

به بیغوله دید چاهی شگرف ‌ فگند آن سخن اندر آن چاه ژرف

سوی خانه آمد با هستگی ‌ تهی داشت از مرزبان خستگی

ز چه سر بر آورد بالا کشید ‌ همان رست در وی نهالی کشید

برسم شبانان ازو نی بساخت ‌ نخستش بر زخم دانگه نواخت

برون رفته بد شاه روزی بدشت ‌ بر آن نی شبانی پسر چوپان گذشت

چنان بود در ناله نی به راز ‌ که دارد سکندر دو گوش دراز

در ان داوری ساعتی پی فشرد ‌ بر آهنگ سامان او پی نبرد

کز این نی ز چاهی بر آمد بلند ‌ که شیرین تر است از نیستان قند

در جانی از عشق جان نیست ‌ بدین نیز با نی زبان نیست

چو در شد بخلوت فرستاد کس ‌ تراشنده را سوی خود خواند بس

که راز مرا با که پرداختی ‌ سخن را بگوش که انداختی

تراشنده کین داستان را شنید ‌ بجز راست گفتن جوابی ندید

که چون شاه با من چنان عهد کرد ‌ که بر قرع کشتم برو سان مهد

نگفتم جز این با کس ای نیک رای ‌ دگر گفته ام باد خصم خدای

بفرمود کار در قیبی شگرف ‌ نی ناله پرورد از آن چاه ژرف

شد آگه در عرصه گاه جهان ‌ نهفته دگر کس نماند نهان

جهان دان که از عرصه لعل و در ‌ شگوفه کند هر چه آن گشت بر

گمان بودشان کانچه فرنش برست ‌ نه فرخ فرشته که اسکندر است

جز این گفت با من خداوند هست ‌ که بیرون ز اندازه بودش دو گوش

سر در گوش را گنجدان داشتی ‌ چه بخشش ز مردم نهان داشتی

اگر کان غلام از جهان درگذشت ‌ بدیگر تراشنده محتاج گشت

چو موی سر مرزبان باز کرد ‌ بدو مرزبان ترک آغاز کرد

چنان ماند دم گوش لال از نفس ‌ که ناگفتنی را نگوئی بکس

نگفت این سخن با کسی در جهان ‌ چو گفتش همیداشت در دل نهان

یکی روز پنهان برون شد ز کاخ ‌ ز دل تنگی آمد بدست فراخ

که شاه جهان را دراز است گوش ‌ چه گفت این سخن دل تهی شد ز جوش

شنیده چنان شد کزان چاه رست ‌ بر آهنگ آن ناله نای برست

شبانی بیابان آمد ز راه ‌ نی دید بر رسته از قعر چاه

دل خود باندیشه نگذاشتی ‌ بآن نی دل خویش خوش داشتی

نی دید گز ده بزیر دست شبان ‌ شد آن مرد شوریده بر مرزبان

شه از ناله نی چنان گرم گشت ‌ که پولاد با خشم او نرم گشت

شبان را بخود خواند پرسید راز ‌ شبان قصه نی باو گفت باز

ز زخم خود دفن کردم از گرد پاک ‌ نشد زخمه زن تا نشد زخمناک

شگفت آمد این داستان شاه را ‌ بسر برد سوی وطن راه را

بدو گفت کای مرد آهسته رای ‌ سخنهای سربسته باز گشای

اگر گفتی آزادی از بند و میغ ‌ دگرنه سرت را برم بی دریغ

نخستین بنوک مژه راه رفت ‌ دعا کرد و با آن دعا کرده گفت

از آن راز پنهان ز ظلم سفته شد ‌ حکایت بجاهی فرو گفته شد

چو شه دید راز جگر سفت او ‌ درستی طلب کرد بر گفت او

چو در پرده نی نفس یافت راه ‌ همان راز بشنیده شاه

به نیکی سر آینده را یاد کرد ‌ شد آزاد دار بخشش آزاد کرد

چو آبی که در سنگ خارا شود ‌ سرانجام کار آشکارا شود

مغنی بیارا دل صبح جام
بزن زخمه پخته بر عود خام

ازان زخمه کو در دل آب رو
زسودای بیهوده خواب درو

قصه سکندر با آن شبان و فتح الباب سکندر با انچه گفت

چنین گوید آن نغز گوینده پیر
اگر در فیلسوفان بود بی نظیر

که رومی کمر شاه چینی کلاه
نشست از بر گاه روزی بگاه

بطاق دوابرو برآورد خم
گره بسته بر خنده جام جم

همی داشت تابنده چون آفتاب
ز بحران تب یافته پیچ و تاب

شکسته جهان کام در کام او
رسیده بنومیدی انجام او

دل شه که آئینه بود پاک
ازان دردمندی شکیب دردناک

بفرمود تا کاروانان روم
خرامند نزدش ز هر مرز و بوم

مگر چاره آن پریوش کنند
دل ناخوش شاه را خوش کنند

کسانیکه در پرده محرم شدند
دران داوری یکه فراهم شدند

دران تب بسی چاره ها ساختند
تپش را ز جانش نپرداختند

نه آن سرخ سیب از تپش گشت بیم
نه ز ابرویی شه دو گشت آن گره

ازانجا که شه دل در دلبسته بود
ز تیمار بیمار دل خسته بود

فرود آمد از تخت و بر شد ببام
که شوریده را کم پذیرد مقام

یکی لحظه پیرامن بام گشت
نظر کرد زان بام بر کوه و دشت

دران پستی از بام خفتن بلند
شبان دید در پیش او گوسفند

همایون یکی پیر با فر و هوش
کلاه و سر پشم بر دوش پوش

دران دشت می گشت با مشغله
گهش در گیاه روی و گه در گله

دلش زان شبان اندکی برگشاد
که زیبا منش بود و زهر که نهاد

فرستاد کاندر غم از جای پست
برآن خسروی بام عالی نشست

رقیبان بفرمان شه تاختند
شبان را بخواندن سر افراختند

برآمد شبان چون بر نزدیک شاه
سراپرده دید بر اوج ماه

خبر داشت کان شاه اسکندر است
نمودار رفتارش بلند اختر است

زمین بوسه داد و کپرورده بود
دگر خدمت خسروان کرده بود

پس آنگاه شاهش بنزدیک خواند
بگستاخیش نکته چند راند

بدو گفت کز قصه کوه و دشت
فرو خوان بمن هر یکی سرگذشت

که دل تنگم از گردش روزگار
مگر خوش کند دل بآموزگار

شبان گفت کای خسرو تخت گیر
بتاج تو عالم عمارت پذیر

ز تخت و زرت ملک پرنور باد
ز تاج و سرت چشم بد دور باد

نخستم خبر ده که تا شهریار
ز هرچه بر خاطر آرد غبار

بران تا سخنگوی زان ره برد
سخن گفتن او بر ان در خورد

پسندید شاه از شبان این سخن
گر آن قصه ابار جست از وبن

بگفت از سر داد و دین پرورے
سخن چون بپایان آمد سپرے

بدو حال آن غم ش تب بازگفت
شبان چون شد آگه ز راز نهفت

دگر بار خاک زمین بوسه داد
ازان پس دعای دگر برگشاد

چنین گفت کانگه که بودم جوان
نکردم بجز خدمت خسروان

ازان پیش داران که مسند نشستم
وز ایشان بسی جود بر افراشتم

ملک زاده بود در شهر مرد
بهی طلعتی چون خرامنده سرد

سهی سرو را گرد بالاش پست
دماغ گل از خوبیش نیم مست

سرو سهی زآئین پرستان او
کزو بود خرم شبستان او

شد اندر که از چشم زخمی رسند
تب آمد شد آن نازنین دردمند

دران تب که جز داغ دردی نداشت
بسی چاره کردند سودی نداشت

سهی سرو لرزنده چون بید گشت
بران حد کز خلق نومید گشت

ملکزاده چون دید کان دلستان
بکار اجل گشت همداستان

ازان پیش کان مه بپایه رسید
ازان نوش لب جان شیرین کشید

زنومیدی او یکبار گے
گرفت از جهان راه آوارگے

دران ناحیه بود زاندیشه دود
بیابانی از کوه و اندیشه دور

کسی وادی و غار ویران فرد
کسی کو شدی نا امید از جهان
ملکزاده زاندوه آن رنج سخت
خبر داشت کان شاه اندوه ناک
برآشفت و بانگی بر وز و بلند
سوی خانهٔ خود یکی ترکتاز
یکی ز استوران بر او گماشت
ملکزاده زند اسپ مستمند
جوان مرد کو بود غمخوار او
طبیبی طلب کرد علت شناس
همان آب و رنگش در آمد که بود
جوان مرد چون دید کان خوب چهر
چو آراست آن بزم را چون بهار
ز رخ بند برقع برانداختش
ازان دوزخ تنگ و تاریک رست
شهنشه چو گفت شبان کرد گوش
درین بود خسرو که از بزم خاص
شبان چون لب شه نکو ای نمود
هنر باید از مردم گوهری
کسی کو سخن با تو نغز آورد
مغنی یکی نغمه نو آورد
هم از فیلسوفان آن مرز و بوم
که بود اندر ایوان خسرو خرام
ز یونانیان محتشم زادهٔ
خردمند یکی زاده فرهنگ و هوش

مقام پلنگان و شیران فرد
در آن محنت آباد گشتی نهان
سوی آن بیابان گرائید رخت
دران ره که کند خویشتن را هلاک
بر و حملهٔ برد و او را افگند
بچشم خرد بستن آورد باز
اگر دراز پوشیده پوشیده داشت
دل و دیدهٔ دست و هر سه به بند
اگر بسته در چارهٔ کار او
گران مایه را او انست یکچند پاس
تماشا طلب کرد و شادی نمود
ملکزاده را چو دید از راه مهر
نشاند آن گل سرخ را در کنار
وران بزمگه برد و بنواختش
همش حور حاصل شده هم بهشت
بمغز رمیده در آورد هوش
برون آمد آوازهٔ بر خلاص
بدارای شاهنشهی شاهی نمود
چه نور از مه و تابش از مشتری
بدل بشنوی چون نغز آورد
گزاند بغیه دهن غم افتاد بود

اور وا ایمنی را نه بیخ و نه برگ
ندید ند کس ر اگر ان شور دشت
رفیقی وفادار دیرینه داشت
چو در دان هنر زنهارش باز بست
به انگنده بودش چو سرو روان
نهان خانه داشت در زیر خاک
ز آبی و نانی قناعت نه بود
فرو ماند سرگشته در حال خویش
عروس تنش دیده را چاره ساخت
پریرو ز درمان آن خیره دست
چو گشت از دوا یافتن تندرست
شبی خانه از عود پر طیب کرد
نشد آور د شاه نظر بسته را
ملکزاده چون یکزمان بنگرید
چگویم که چون بود از خرمی
بر آسود از ان رنج و آرام یافت
که آن مهربان ماه خسرو پرست
کسی را که پاکی بود در سرشت
شناسنده گر نیست شوریده مغز
ربابی که دارد سخن ناصواب
جهان برکش این نغمهٔ نغز را

بنام آن بیابان خیابان مرگ
بماد اگر خویشتن باز گشت
که مهر ملکزاده در سینه داشت
سوی او خرامید تیغی بدست
فرو هشته برقع ز روی جوان
نشاندش در آن خاک اندوه ناک
وزان بیش چیزیش رخصت نمود
که نارفته چون آمد آنجا به پیش
دلش ابصد گونه شربت نواخت
وزان تاب و زین تب بیکبار رست
دوای دل خویش او را بجست
یکی بزم شاهانه ترتیب کرد
می از دم اژدها رسته را
می و مجلس و نقل معشوقه دید
بود شرح زین بیش نامحرمی
که زان پیر پخته می خام یافت
باقبال شه عطسهٔ داد دست
چنین قصه ها زو توان در نوشت
عیار شناسد ز زیبای نغز
بجا موشکیس داده باید جواب
اگر ساکن کنی در سر این مغز را
چنین گفت پیری ز پیران روم
هنر پیشهٔ ارشمندس بنام

قصه ارشمندس و کنیزک که اسکندر داده بود و عنایت ارسطاطالیس حکیم

بدید و چنان گفته از زاده
به تعلیم دانا کشاینده گوش
بنوا این نه بد خوب تر زو کسی
ارسطو عرش فرزند خود نام کرد
هنر پیشه داشت خوبی بسی
به تعلیم او خانه پدرام کرد

سکندر بدو داد ایوان خاص / اگر زود دید غمخوارگان را خلاص
کنیزی که خاقان باو داده بود / بران ماه آرامش افتاده بود

بدان خوب دل هنرپیشه داد / هنرپیشه را دل باندیشه داد
چو صیاد را آهو آمد بدست / نشد سیر ازان آهوی تیر خست

بدان ترک چینی چنان دل سپرد / که هندوی غم عشقش از خانه برد
ز مشغولی او بسی روزگار / نیاید به تعلیم آموزگار

سرآینده استاد روز درس / ز تعلیم او در دل افتاد ترس
اگر گوئی چهره را هنرپیشه را / چو شوریده در مغز اندیشه را

بتعلیم او بود شاگرد صد / که آموختندی ازو نیک و بد
اگر ارشمندس نبودی بجای / نمودند بدان رهنمای

سراینده را بسته گشتی سخن / گزان سکه نو بود نقد کهن
وگر بودی او یک تنه یادگیر / سخن گوی را بر گشادی ضمیر

نوشنده یکتن که بخرد بود / ز نانخوران بهتر از صد بود
هنرپیشه را پیش خواند استاد / که چون سبقت گزمانیاری بیاد

ز مشغولی از دانشت باز داشت / به بیدانشی عمر توان گذاشت
چنین باز داد ارشمندس جواب / که بر تشنه راه زد جوی آب

مرا پیشتر زین که بنواخت شاه / بمن داد چینی کنیزی چو ماه
جوانی دو انسان بت خوب چهر / بدان مهربان چون نباشم بمهر

بان صید وا مانده ام زین شکار / که یکره نباشد دلی در دو کار
چو دانست استادکان تیز هوش / ز شهوت پرستی بر آورد جوش

بگفت آن پریروی را پیش من / بباید فرستاد بی انجمن
ببینم که تاراج آن ترکتاز / ترا از سر علم چون است باز

شد آن بت پرستنده فرمان پذیر / فرستاد بت پیش دانای پیر
بر آمیخت دانا یکی تلخ جام / کز آن تن برون آورد خلط خام

نه غلطی که جان را گذائیش کند / بلی آنچه خون را فزائیش کند
بپرداخت از تخص او مایه را / دو تا کرد سرو سهی سایه را

فضوله که زان مایه آمد بزیر / بطشتی در انداخت دانا دلیر
چو پرکرد از خلط آن ماه طشت / بت خوب در دیده ناخوب گشت

طراوت شد از روی رونق ز رنگ / شد آن نقره زیبق ز آب و سنگ
بخواند آن جوان هنرمند را / بدو داد معشوق دلبند را

کر بستان دلارام خود را بناز / بر شاد دانش سوی خانه باز
جوانمرد چون دو صنم بنگریست / باستاد گفت این بتی دیگریست

کجا آنکه من دوستدارش بدم / همه سال در بند کارش بدم
بفرمود دانا که از جای خویش / بیارند آن طشت پوشیده پیش

سر طشت پوشیده را بر گرفت / دران داوری ماند بختی شگفت
بدو گفت این بد دلارام تو / بدین بود مشغولی کام تو

دلیل آنکه با پیکر آن کنیز / ازین بود نی بود چیزی عزیز
چو این مایه در تن نمیداشتش / بصورت نی بست میخواستش

چه باید ز خون خلط پرداختن / بدین خلط خون عاشقی باختن
مریز آب خود را درین تیره خاک / کزان آب شد آدمی تابناک

دران قطرهٔ آب نا ریخته / بسی خرمیهاست آمیخته
بخندید کنیزه وحشی نژاد / مده خرمن عمر خود را بباد

یکی جفت همتا ترا بس بود / که بسیار کس مرد بیکس بود
ازان مختلف را که شد روزگار / که دارد بدو هفت و ماه چهار

چو یکرنگ خواهی که باشد پسر / چو گل باش یک مادر و یک پدر
خدیو ارشمندش که دانای روم / چگونه کشید انگبین را ز موم

بعذری چنین پای او بسته باد / وزان پس نظر سوی دانش نهاد
ولیکن دلش میل آن ماه داشت / گر آن حق فریبند نخواه داشت

دگر ره چو سبزی در آمد بشاخ / سهی سرو را گشت میدان فراخ
بنفشه دگر باشد مشک پوش / سر نرگس از مستی آمد بجوش

گل روی آن ترک چینی شگفت | شمال آمد و راه میخانه رفت
ز تعلیم دانا فرو بست گوش | در عیش بگشاد بر نای نوش
عتاب خود استاد ازو دور کرد | دلش را بدان عاشقی معذور کرد
گل سرخ بر دانشش خاک ریخت | سراینده بلبل ز بستان گریخت
فلک پیشتر زانکه آزاده بود | ازان به کنیزی بمن داده بود
پیاده نهاده ز حشمت ماه را | فرس طرح داده بسی شاه را
رباینده چرخ آنچنانش ربود | اگر گفتی که تا بود هرگز نبود
مرا طالع تازه هست از سخن | اگر چون نو کنم داستان کهن
چو حلوای شیرین همی ساختم | ز حلوای این خانه پرداختم
کنون نیز چون شد عروسی بسر | برضوان سپردم عروسی دگر
به از نام اندوه و بیشینه پیش | بدین داستان خوش کنم وقت خویش
من بینوا را ازان یک نوا

دل ارشمندش درآمد بکار | چو چرغان تا زنده بر مرغزار
پری وار با آن پریچهره زیست | کزو خوب و خوشتر ندانم که زیست
چو بگذشت زین داستان کیمیا | غزاله شد از چشم چینی غزال
فرو خورد خاک آن پریزاد را | چنان جلن پریزادگان باد را
همان مهر و خدمتگری پیشه داشت | همان کاروانی در اندیشه داشت
چو چشم مرا چشمه نور کرد | ز چشم منش چشم بد دور کرد
بخوشنودی کان مرا بود ازو | چه گویم خدا باد خوشنود ازو
درین عهد کان شکرافشان کنم | عروسی شکرخنده قربان کنم
چو بر گنج لیلی کشیدم حصار | دگر گوهری کردم آنجا نثار
ندانم که با داغ چندین عروس | چگونه کنم قصه روم و روس
مغنی ره باستانی بزن | معانی نوای معانی بزن
گرامی کن و گرمتر کن هوا

قصه ماریه قبطی که از ارسطاطالیس علم اکسیر آموخته بود

کهن فیلسوف جهان آزمای | سخن را چنین گفت با رهنمای
بسی قلعه نامور داشته | ز بیداد بدخواه بگذاشته
چو کارش ز دشمن بجان آمده | بدرگاه شاه جهان آمده
بدستور شه برد خود را پناه | همان داوری گشت از دادخواه
ازان دادخواهی هراسان شده | بر و دانش آموزی آسان شده
بخدمتگری پیش دانای دهر | پرستنده گشت گستلخ چهر
ز پرهیزگاری بود او ستاد | نظر بست هرگه که او رخ گشاد
چو زن دید کاوستاد پرهیزگار | ز کافور او گشت کافور خوار
تنش داد و در دانش آموختن | پشیمان شد از رامش آموختن
بسی دُر بران دُرِ ناسفته سفت | بسی گفتنیهای ناگفته گفت
زن دانش آموز دانش سرشت | بلوح دل این نقشها درنوشت
بآن داوری دستگاه نداشت | بآئین خود برگ راهی نداشت
بآن جوهر اندوخت اکسیر زر | بر اکسیر خود کرد دستش اکسیرگر

که قبطی زنی بود در ملک شام | ز مهر پدر ماریش کرده نام
بدو گشته بدخواه او چیره دست | بکارش درآورده گیتی شکست
بدان تا بخواهد ز شه داد خویش | شود خرم از ملک اجداد خویش
چو دید او که دستور دانش پژوه | دهد درس دانش بچندین گروه
دل از قصه داد و بیداد شست | بتعلیم دانش کمر بست چست
ز دیگر کنیزان آئین پرست | جز او کس نشد محرم راز بست
ز دستی چنان کاب می‌پیچید | جز آبی که بر دستش آمد ندید
ز میلی که باشد زنان را بمرد | هوای دلش گشت یکبار سرد
ارسطوی دانا بران دلنواز | در دانش خویش بگشاد باز
ازان علم کاسان نیاید بدست | بیکایک خبر داشت از هرچه هست
سوی کشور خویشتن کرد رای | اگر رسم نیاز آبیاری بجای
چو دستور دانا چنان دید کار | که بی گنج نتوان شدن شهریار
بآن کیمیا ماریه میر گشت | لقب نامه علم اکسیر گشت

چو از دانش خویش دستور شاه / بگنجی چنین اوش آن پایگاه
شتابنده چون موی کشور شتافت / بآهستگی مملکت باز یافت
بانسیرکاری جهان شد تمام / اگر کرد زر پخته از سیم خام
چه زر ترازوی آنکس چه سنگ / که آرد زری بی ترازو بچنگ
بدرگاه او هر که سر داشتی / اگر خود بدی زین زر داشتی
گروهی حکیمان دانش پرست / از اسباب نیاشده تنگدست
نمودند خواهش بآن کان گنج / که درویشی آورد ما را برنج
نکسب جهان دامن افشانده ایم / بقوت یکی روز درمانده ایم
درآموز داز رای تدبیر خویش / بما چیزی از علم اکسیر خویش
مگر قوت را چاره سازی کنیم / ز خلق جهان بی نیازی کنیم
یکی منظری بود با آب و رنگ / مقرنس برآورده از خاره سنگ
برآموده چون نرگس و مشک بید / بموی سیه مهرهای سپید
بنظارگان گفت گیسوی من / ببینید در طاق ابروی من
نوشندگان را درین داوری / غلط شد زبان بان آوری
یکی از پوشیده از موی چیست / که آن مهر با موی پیدا نخست
ازان قصه هر یک دمی می شمرد / بفرهنگ دانا کسی پی نبرد
پریروی در طاق منظر نشست / نشاند آن تن چند را زیردست
حدیث سر کوه و مردم گیا / که سازند ازان زیرکان کیمیا
بپوشیدگی کرد رمزی پدید / درو آهنین قفل زرین کلید
ازین کیمیا با همه حیرت ست / دریغی نه چندانکه خواهند هست

بدستور خود راسو کشورکشش / فرستاد با گنج و با لشکرش
جهان گشت مستغنی از گنج و باج / که بر داشت از کشور خود خراج
ز بس زر که آن سیم تن ساز کرد / در گنج بر خاکیان باز کرد
زر شکر گهش کس نیابد بدست / که بر بارگی نعلی از زر ببست
ز بس زر که بر زیور انباشتند / سگان را بزنجیر زر داشتند
ازان گنج پنهان خبر یافتند / پدید ار گنجینه نشتافتند
ندانیم چون دیگران پیشه / اگر در جهان گردن اندیشه
تواند که بانوی عاجزنواز / گشاید بما بر در گنج باز
جهان را چنین گنج و گوهر بسیست / کلید در گنج با هر کسی ست
زن کاربیرای روشن ضمیر / بآن خواسته گشت خواهش پذیر
عروسانه بر شد بران جلوه گاه / پرندی سیه بسته بر گرد ماه
صلیبی دو گیسوی مشکین کمند / دران مهره آورد با پیچ و بند
نمودار اکسیر پنهانیم / ببینید در صبح پیشانیم
یکی را اشارت بآن مهر بود / که براق تابنده چون زهره بود
گرفتند هر یک پی آن پیشه را / خلافی پدید آمد اندیشه را
دگر روز خواهش برآراستند / در آن باب فصلی دگر خواستند
سخن اندران گنج درخواسته / چو سربسته گنجی برآراسته
همان سنگ اعظم که کان زرست / سخن بین که چون کیمیاپرورست
بدانا رسید آن سخن گنج یافت / بنا دار سید اندران گنج یافت
گر آن کیمیا را گهر در گیاست / گیاهی قلم گوهر کیمیاست
کسی را بود کیمیا درنورد / که او عشوه کیمیاگر نخورد

حکایت خراسانی فی المثل و رفتن در بغداد

شنیدم خراسانیی بود چست / ببغداد شد چون شدش کار سست
ازان دم که آهی خراسان کنند / ببغدادیان بازی آسان کنند
بسوهان یکایک همه خورد سود / برآمیختش با گل سرخ زود
بعطاری آن مهره ها برشمرد / بمهر خود آن مهره اورا سپرد
دمی چند بر کار کردی شگفت / خراسانی آمد وبش در گرفت
هزارش عدد بود مصری چو موم / زری کانچنان زر نباشد بروم
وزان سرخ گل مهره چند ساخت / بآن مهرها بین که چون مهر تافت
که این حقه در مهره شد پر از / زهی مهره دزدی زهی مهره باز

بدنیاری این مهره بفروختیم — از و کیسهٔ سود بر دوختیم
بپرسید عطار کاین را چه نام — بگفتا بتریک سخن شد تمام
بدار الخلافت خبر باز داد — که اکسیری آمد بدست استاد
علمای من چون درآید بکار — یکی ده کند ده کند صد هزار
همان استواران مردم شناس — بمن برگمارند و دارند پاس
دگر خواهم از راستی در گذشت — ز من خون سر از شما تیغ داشت
بافسون روباهی آن تیز مست — زریخته را با مس خام بست
یکی کوره ساخت چون زرگران — ز هر داروی کرد چیزی دران
هم آخر رقیبان آن کارگاه — بعطار بشینه بردند راه
خراسانی آن مهرها کرد خورد — نمود آشکارا یکی دست برد
سبانگه فروریخت در نای تنگ — برآمد زر سرخ یاقوت رنگ
زری دید با سود همره شده — دران کتخدائی یکی ده شده
ازان مغربی زر مصری عیار — فرستاد نزدیک او ده هزار
کشند استواران ما از تو دست — که نزدیک ما استواری بست
خراسانی آن گنج بستد نیاز — چو هندو کمر بسته بر ترکتاز
بخفت و بخوردن نخسپاند شان — چو برخاست بر خاک افشاند شان
بافسونگری سنگ را زر کند — صدف زیره را لولوی تر کند
خلیفه چو آگاه شد زان فریب — که برد آن خراسانی آن زر ز جیب
خبر باز جست از تریک فروش — بخندید کان زو فرش آمد بگوش
هر افسون که زافسونگری بشنوی — نگر تا بافسون او نگروی
سکندر بیونان خبردار شد — که بر گنج زر ماریه مار شد
زنی کاروانست سامان شناس — نداند کسی گنج او را قیاس
ازان بیشتر گنج زر ساخته است — که قارون بخاک اندر انداخت است
سپاه آورد دشمنان را برنج — سپاهی نگردد مگر گرد گنج
بتدبیر آن شد که از جان پاک — بتدبیر دشمن برآرد هلاک

چو وقت آید این اگر داری برنج — بده تا خرم باز این کان گنج
ز دکان عطار چون باز گشت — بافسونگری کیمیاساز گشت
منم واصل کیمیا در نهفت — بجوهر شناسی کسی نیست جفت
درستی صدم داده باید نخست — که گردد هزار از من آن صد درست
گر آید ز من سکه کاری شگرف — نیارند بر من درین کار حرف
خلیفه چو اکسیر سازی شنید — بعشوه زری داد و زین خرید
چو ده دانه ماند از ان ریگ جای — دران سکه کاری بیفشرد پای
فرستاد در شهر بالا و پست — تبریک طلب کرد نامد بدست
اگل سرخ او را بدینار زرد — خریدند و بردند نزدیک مرد
بکوزه زر افشاند و آتش دمید — بجا ماند زردان ز زرگرها رسید
بگوشش خلیفه رسید این سخن — که نقد تو آمد ز کان کهن
بامید گنج آن جهان گوهری — کسی کرد با او نوازش گری
که این را انکار آوری بنگرای — که من حق آن با تو آرم بجای
دران آزمایش که چیست آمدی — بمیزان معنی درست آمدی
گریزان ره خانه را پی گرفت — شبی چند با عاقلان می گرفت
ستوران تازی غلامان کار — باندازه بخرید و بربست بار
براهی که دیده نشانش ندید — چنان شد که کس در جهانش ندید
حدیثی بتریک بیاد آمدش — جز آن هرچه بشنید یاد آمدش
تبریک چو مقلوب سازد و بیر — بیاموز کبریت مغنیش گیر
دران داوری هیچکس دم نزد — که در بازی کیمیا کم نزد
بشه باز گفتند کان ماده شیر — بصید افگنی گشت خواهد دلیر
ز پوشیده گنجی خبر داشت است — بران گنج گیتی برانباشت است
گرش سر نبرد سر تیغ شاه — جهان زود گیرد بگنج و سپاه
بآزار او شه شتابنده گشت — زگرمی چو خورشید تابنده گشت
جوانه آتش خشم شاهنشهی — بدستور دانا رسید آگهی

کمر بسته تست در ملک شام / بگوهر کنیزی بخدمت غلام
بسی گشت چون چاکران گردمن / بچندین هنر هست شاگرد من

نشش دل بدانش برافروختم / نهانی دو چیزے آموختم
که چندان بدست آرد از برگ و ساز / که گردد ز خلق جهان بی‌نیاز

بدو طالعی دیدم آراسته / خبر دادم از گنج و از خواسته
بهشیارے طالع کار سنج / بجز ماریکس نشد مار گنج

جز او هر که آن صنعت آرد بکار / جوی نارد از گنج او در شمار
کنون کان کفایت بدست آمدش / بجای بزرگان نشست آمدش

چو شه پوزش رای دستور یافت / دل خویش از داوری دور یافت
چو دستور کرد از دل شه زدود / سوی ماریکس فرستاد زود

بفرمود تا عذر شاه آورد / همان قاصدی سر براه آورد
زن گار روان چون شنید این سخن / گشاد از زر تازه گنج کهن

فرستاده را برآراست کار / فرستاد گنجے سوی شهریار
که چندین ترازوی گنجینه سنج / بیکجای چندان ندیدست گنج

چو بر گنج دادن دلش راه برد / هلاک از خود و کینه از شاه برد
درم دادن آتش کند سینه را / نشاند ز دل خشم دیرینه را

مغنی بیار آن نوای غریب / نوائی تر از نالهٔ عندلیب
نوائی که در وے روائی بود / نوائی نه کز بینوائے بود

قصهٔ ناتوان که بعد از درویشی توانگر گشت و عنایت سکندر در حق او

شنیده چنین شد در اقصای روم / که بی سیمی آمد ز بیگانه بوم
یکم مدتی شد چنان سیم سنج / که شد خواجهٔ کاروانهای گنج

کس آگه نه کان گنج دریا شکوه / ز دریا بره جمع شد یا ز کوه
یکی نامش از کان گنجی می‌گشاد / یکی تهمت رهزنی بی نهاد

سر انجامش آزاد نگذاشتند / بشاه جهان قصه برداشتند
که آمد تهی دستی از راه دور / نه در کیسه رونق نه در کاسه نور

بتاریخ یکساله یا بیش و کم / بدست آوریدست چندان درم
که گر شه شمارد بران صد دبیر / ز تفصیل آن عاجز آید ضمیر

یکی ناتوان مرد بی‌نوا / نه آبی دار او نه نانے درا
کنون لعل و گوهر فروشی کند / خردگی درین ره خموشی کند

نه پیشه نه بازارگانی نه زرع / چنین مال را چون بود اصل و فرع
صواب آنچنان شد که شاه جهان / ز احوال او باز جوید نشان

جهاندار فرمود کان نیک مرد / فرو شوید از دامن عیش گرد
بخلوت کند شاه را دستبوس / ز تشنیع بر نارد آواز گوش

درم وار قبل بفرمان شاه / بخدمت روان شد سوی بارگاه
درون رفت و بوسید شه را زمین / زمین بوس چون کرد خواند آفرین

چو شاه جوانش جوان دید بخت / جوان بخت را خواند نزدیک تخت
بسی نیک و بد کرد با مرد یاد / سخنها کز در گنج شاید گشاد

که مردی عزیزی و آزاد چهر / بفرخندگی با تو دیده سپهر
شنیدم که اینجا وطن ساختی / بیکروز زر روزے نپرداختی

کنون کت خنگاهت آنجا رسید / که نتواندش کاروانی کشید
نباید چنین گنج را دست رنج / دگر نے من اولی تر آیم به گنج

اگر راست گوئی که چونست حال / زمن ایمنی هم بسر هم بمال
دگر بر دروغ افگنی این اساس / سر و مال بستانم از ناسپاس

نپوشنده چون دیگر خشم شاه / بجز راستی نیست او را پناه
زمین بوسه شه تازه تر کرد باز / چنین گفت کای شاه عاجز نواز

ندیده جهان نفس بیداد تو / به نیکی شده در جهان یاد تو
رعیت ز داد تو چنان دلخوش‌اند / که گر جان خواهی به پیشت کشند

مرا مال و نعمت نه مین از تست / هم از داده تو هم از داد تست
اگر می پذیری زمن هرچه هست / بگو تا برافشانم از جمله دست

بکشتر غلامی وہم شاه را
زنم بوسه این خاک درگاه را

من اول که اینجا رسیدم فراز
تهیدست بودم ز ہر برگ و ساز

دران بیشه نیز م نوائی نبود
که در کار و گسیم وفائی نبود

ز ہر سو سراسیمه میتاختم
به بی برگی آن برگ میساختم

بسختی ہمین گشت بر ما سپهر
شد از مهر گردنده یکبار مهر

چو آمد گه زادن زن فراز
بکستکاره گرمش آمد نیاز

من و او زن در آنخانه تنها و بس
مرا گفت کای شوی فریاد رس

و گر نه چنان کو که رفتم ز دست
ستمگار شد باد کشتی شکست

ز سامان بسامان ہمه کو و شهر
دویدم مگر یابم از توشه بهر

رسیدم بویرانهٔ دور دست
در و درگهی باز مین گشته بست

سرای کہن یافتم سال خورد
ور دست ستمگی نیک مرد

سیه زنگی دیدم آتش پرست
سفالین سبوی پر از می بدست

چو زنگی مرا دید بر جست زود
بپیچید بر خود دیگر دار و دود

تو دزدی و من نیز دزد این رواست
بدزدی شدن بیسوی دزدان خطاست

زبان بر گشادم بآئین رنگ
دعا گفتم آوردم او را بچنگ

جوان مردی چون تو شیر افگنی
شنیدم بافسانه از ہر تنی

نگر گر ز تو کارم بجایت رسد
درین بینوائی نوائی رسد

وزان چرب شیرین لبی کرد تیز
که دشمن فریبست شیرین حریف

از و بستدم رود عاشق نواز
زبی سازیش پرده بستم بساز

در آوردم او را بآهنگ خروش
چو زنگی که آید ز گرمی بجوش

زدم زخمهٔ چند زنگی فریب
برون بردم از جان زنگی شکیب

که امشب درین کاخ ویرانه رنگ
بامید مالی گرفتم درنگ

یکی گنجدان یافتم از نهفت
که پیچ اژدهائیش بر سر نخفت

بود سالها من گزان کان گنج
خوریم ندانیم خود را برنج

ز گنجینهٔ آن ہمه سیم و زر
بهانا که مانده است گنجی دگر

چو شه گفت کاحوال خود بازگوی
بگویم که این آب چون شد بجوی

دلم را غم بینوائی شکست
گرفتم ره ناتوانی بدست

بشهری که داور بود پی فراخ
شود دل او بانوا خشک شاخ

زنی داشتم قانع روزگار
قضا را شد آن زن من باردار

زن پاکدامن تر از بوی مشک
شکیبنده با من بیکبار خشک

ز چیزی که دارد بخوردن بهیچ
نبودش بجز خون دل آنجا بهیچ

اگر شوی را بی بچنگ آوری
من مرده را باز رنگ آوری

چو من دیدم آن نازنین را چنان
برون رفتم از خانه زاری کنان

ندیدم دری کان در بسته بود
که سختی بمن سخت پیوسته بود

بسی گرد ویرانه کردم طواف
شتابنده چون دیو در ہر شگاف

در و آتشی روشن افروخته
بر و ہیمه خروار ہا سوخته

بآتش نهاده لویدی فراخ
نمکسوده فربه دو شاخ شاخ

بمن بانگ بر زد که ای دیوزاد
شب خون من چون تو آمد بیاد

من از ہول زنگی و تیمار خویش
فرو ماندم آشفته در کار خویش

که از بینوائی و بی مایگی
گرفتم درین سایه ہمسایگی

نخوانده بمهمان تو تاختم
سر خویش در پایت انداختم

چو زنگی زبان مرا چرب دید
دران چرب گفتار شیرین شنید

بگفتا خوری باده وانی سرود
بگفتم بلی پیشم آور درود

سر زخمه بر رود بگماشتم
سرودی فریبنده بر داشتم

گهی خورد ریحانی زان سفال
گهی کوفت پای بامید مال

حریفانه با من در آمد بکار
چو سرمست شد کرد با ز آشکار

اگر زنگی ہست ہمزاد من
که می خوردنش نیست بی یاد من

اگر ما که ہستیم چون اژدها
نه دل گردد از زخم ہر کس رہا

من اینجا نشستم چنین بیبها
دگر زنگی رفت جویان مال

تو امشب رسیدی بمهمان ما
ندانست حکم تو بر جان ما

بشر طبلکه چون آید آن رد نورد
که من در دل آندارم ای هوشمند
ترا نیز از قسمتی باید داد
زجا جستم و در خزیدم به گنج
نهادش ز گردن بسختی بزیر
نگه کرد همزاد او خفته بود
من از بیم لرزان رفتم زجای
یکی نیمه بربست و برزو بدوش
دگر نیمه را همچنان کرد خورد
از آن گنج پویان شدم چون عقاب
وز آن شوربا ساغری گرم و تب
چو در خانه رفتم بنیروی بخت
بزن دادم آن شوربا تا بخورد
گشاده گره رخت سربسته را
بگنجی چنان کان گوهر شدم
همه مال من زان شب آمد پدید
شه از وقت مولود فرزند او
شه آن نسخه با هم بدانسان که بود
بد و نیک او را نهانی بجوی
نظر کرد از هر یکی راز جست
چو نشته نامه حکم والیس خواند
که این طالع ما نو زاده است
بدر گشت فرخ ز آواز او
ز حیرت شه آمد چو دریا بجوش
مغنی بر آهنگ خود ساز گیر

گشند گوهر سرخ دینار زرد
که آن اژدها را رسانم گزند
دهم تا دلت گردد از گنج شاد
گهی خار در خاطرم گه ترنج
بر دگر دنی سخت چون تند شیر
همان کربا د که او گفته بود
دگر بار خود را اگر رفتم بجای
برون رفت و من مانده بی عقل و هوش
بآئین پیشینه بربست و برد
سوی پشته پامال کردم شتاب
ربودم سوی خانه گشتم خموش
نهادم ز دل بار و زیست رخت
پس از صبر کردن بسی شکر کرد
بمرهم رساندم دل خسته را
وز آن شب چو دریا تونگر شدم
که شب با گهر بد گهر با کلید
خبر جست و از حال پیوند او
بو الیس و انا فرستاد زود
چو یابی نهان آشکارا بگوی
شد احوال پوشیده بروی درست
در آن حکم نامه شگفتی بماند
که از نور دولت نوا داده ایست
تونگر ز فیروزی راز او
کرم کرد با مرد گوهر فروش
یکی پرده زآهنگ خود باز گیر

تو در گنج کاشانه پنهان شوی
هر آن گنج کارد به تنها بریم
من و زنگی اندر سخن گرم رای
در آمد سیه زنگیی چون زکال
از آن پیش کان پشته را باز کرد
بزد تیغ پولاد بر گردنش
چو زنگی سر یار خود را برید
پس از مدتی کان در آمد دراز
چو دیدم که هنجار او دور بود
به پشت اندر آوردم آن پشته را
چنان آمدم سوی ایوان خویش
بگوشم آمد آواز نوزاد من
ز فرزند فرخنده جستم خبر
چو دیدم یکی گنج کانی درو
بفرزند فرخ دلم شاد گشت
چنین بود گوینده را سرگذشت
شد آن گوهری مرد از جای خویش
که احوال این طالع از هر چه هست
چو آمد بو الیس فرمان شاه
نوشته فرستاد از انجا که بود
نمودار طالع چنین کرده بود
به بی برگی از مادر انداخته
همانا که چون زاده باشد بجای
پس آنگاه بسپاس نواختش
که ما را سراپرده تنگ نیست

بشکیبند و چون شخص پیچان شوی
بکنجی نشینیم و تنها خوریم
که ناگه بگوشم آمد آواز پای
به پشت اندر آورد یک پشته مال
یکی نیمه زان شوربا باز خورد
سپرش را بیفگند بر دامنش
تنش را از خنجر بهم بردرید
نگه کردم آنجا دگر بار باز
شب از جمله شبهای دیجور بود
چو زنگی دگر زنگی کشته را
که جز دولتم کس نیفتاد پیش
در آن شاد تر شد دل شاد من
پسر بوده باشد بسر تاج زر
ز یاقوت و زر هر چه دانی درو
که با گوهر و گنج همزاد گشت
سخن آمد اینجا ورق در نوشت
نمودار آن طالع آور به پیش
چنان کن که از اختر آری بدست
سوی اختر آن کرد نیکو نگاه
نه ز آنجا که از کس حکایت شنود
از آن نقشها کس پس پرده بود
چو زاده فلک برگ او ساخته
نهاده بود بر سر گنج پای
یکی از ندیمان خود ساختش
بجز بی فراخی در آهنگ نیست

بهر مدتی فیلسوفان روم
برآراستندی بفرهنگ رای
کسی را که حجت قوی‌تر شدی
ز هرکس که او حجتی بیش است
بهم جمع گشتند هفتاد تن
تغیری دهیمش بانکار خویش
ز دریای او آب ریزی کنند
چو هرمس سخن گفتن آغاز کرد
ندید آن سخن را در ایشان پسند
بیانی چنان روشن و دلپذیر
سوم بار از راه مشکل گشای
ز جنباندن بانگ چندان جرس
چو در پرده بشنفت کز راه بخردی
برایشان یکی بانگ زد کای بلا
چو در پرده رخنست کز یافتند
سکندر چو زین حال آگاه گشت
بپرسید از هرمس بدو گفت از
بخلوت چو بنشست با هرکسی
گردی که از حق گرفتند گوش
بیانی که باشد بحجت قوی
دری کان تاج تارک بود
مغنی سماعی برانگیز گرم
دهل زن چو زد در دهل داغ زخم
فرو ماند از داغ سینه ناامید
سکندر چو بنشست بر تخت دم

انکار کردن هفتاد حکیم بر قول هرمس و هلاک شدن ایشان از همت او

بحجت بران سروران سرفراشت
سخنهای او پرورش بیش داشت
به انکار او ساختند انجمن
به انکار تو ان سخن بر و پیش
بران گنجدان خاک بیزی کنند
در دانش ایزدی باز کرد
جز انکار کردن ببانگ بلند
که در دل نه در سنگ شد جایگیر
نمود آنچه باشد حقیقت نمای
سر در سماعش بجنباند کس
ستیزنده با حجت ایزدی
نجنبد کسی تا قیامت ز جای
ازین پرده شان بخت بر داشتند
چو انجم بر آن انجمن برگذشت
که همت در آسمان کرد باز
از آن داستان داستان زن بسی
بروند چون نافه کردند هوش
ز نافرخی باشد از نشنوی
زدن بر زمین نامبارک بود
سرودی برآورد آواز نرم

دران داوری هرمس تیز مغز
ز بس گفتن راز روحانیان
که هرچه او بگوید برو نگرویم
چنان عهد بستند با یکدگر
سخن گفتنش در نیارند گوش
بهر نکتهٔ حجتی باز بست
دگر باره گنجینهٔ نو گشاد
دگر ره ندید آن سخن را شکوه
سخنهای زیبنده و دل نواز
چو گوینده عاجز شد از گفت خویش
چو در کس ز جنبش نشانی نیافت
همان لحظه بر جای هفتاد مرد
سر افگنده چون آب در پای خویش
از آن بیشه سرو با موی مشک
سکندر بر او آفرین ساز گشت
که هرمس بطوفان هفتاد کس
ز پوشیدن درس آموزگار
هنر نیست روزی هنر یافتن
هنرمند را چون مدارا کنی
نگر گرم تر زین شود کار من

آغاز ساختن افلاطون ساز ارغنون به آزمایش ارسطو و اقبال کردن ارسطو با شاگردی افلاطون

زبانی چو آتش دماغی چو موم
همه فیلسوفان نده بر زده

فراهم شدندی ز هر مرز و بوم
سخنهای دل پرور و جان فزای
بحق گفتن اندیشه داشت نغز
بهر در شک بردند یونانیان
سخن گرچه زیبا بود نشنویم
که چون هرمس از کان برآرد گهر
بگیرند ز الزام گوینده هوش
که چون آب در دیدهٔ دل نشست
اساسی دگرگونه از نو نهاد
به انکار خود دیدشان همگروه
برایشان فرو خواند فصلی دراز
زبان گشت حیران و گو گشت گنگ
بجنبید و از رفیقان نیافت
ز جنبش فتادند و گشتند سرد
ز سردی فسردند بر جای خویش
یکی سرد تر ماند هفتاد خشک
در آنجا بدرگاه خود بازگشت
بموجی همین ماند هفتاد کس
کفن همین که پوشیدشان بیع زنگار
شقائق درون خون لاله علمن
هنرهای خویش آشکارا کنی
گر ریزد گشادی ز بازار من
هوای شب سرد را کرد گرم
بگفتن در آمد خروس سپید
بیایین که تخت او صف زده

بمقدار هر دانش هیئتی و کم
یکی از ریاضی برافراخت بال
تفاخر کنان هر یکی در سخن
که اهل خرد را منم چاره ساز
فلان علم خوب از من آید پدید
ز بحر دل شاه و تمکین او
ز هر دانشی آنچه اندوختند
شب و روز اندیشه چندان بخفت
کسی کو سماعی نه دلکش کند
چو صاحب صدجا که در خم گرفت
چو آن ناله را نسبت از رود یافت
چو بر چرم آهو براندود مشک
ز دود نغمه نالهای درست
چنان نسبت نالش آمد بدست
چنان کادمی نادر از آن نوا
چو زد نسبت ناله هر کسی
چنان ساخت هر نسبتی اختری
ز قانون این ناله خر کسی
مگر کارغنون ساز آورد رود
خطی چارسو گرد خود در کشید
دویدند هر یک با واز او
نه گرگ و جوان گرد به میش زور
چنان کاندر آن وز خروش آمدند
بگرد جهان این خبر گشت فاش
برانگیخت آوازی از خشک رود

همین رفت شان گفتگوی بهم
یکی هندسی را گشاد از خیال
بفرهنگ خود عالی هر تنی
ز علم دگر بخردان بی نیاز
فلان کس فلان نکته از من شنید
زبانها موافق به تحسین او
نخستین ورق زود در آموختند
برون ارغنون آورید از نهفت
صدای خم آواز او خوش کند
پی چرخ دنبال انجم گرفت
دران پرده رود کی رود یافت
نوایی تر آورد از رود خشک
باد تار نسبت فرو بست چست
که هر جا که ز هوش را پای بست
برقص و طرب چیره گشتی هوا
بدست آمدش راه دستان بسی
نیوشنده را در دل آورد جوش
ز هر علتی یافت عقل آگهی
دران خم بدین عذر گفت این سرود
نشست اندران خط نو آبر کشید
نهادند سر بر خط ساز او
نه شیر زیان داشت پروای گور
ازان بیهوشی باز هوش آمدند
که شد کان یاقوت یاقوت پاش
که از تری آرد ملک را فرود

یکی از طبیعی سخن ساز کرد
یکی سکه بر نقد فرهنگ زد
ارسطو بدل گرمی از پیش شاه
همان نقد حکمت بمن شد روا
دروغی نگویم درین داوری
فلاطون برآشفت ازان انجمن
برون رفت و از جهان بر کشید
بخم در شد از خلق پی کرده گم
مگر کارغنون ساز آواز رود
بر آهنگ آن ناله کانجا شنید
کدوی تهی را بوقت سرود
بسی رانگه بران سم پوست که خواست
بزیر و بم ناله رود خیز
همان نسبت آدمی باز دید
سباع و بهائم بر آن ساز خفت
ز موسیقی آورد سازی برون
بجایی رسید آن نوا کو نواخت
چو آواز آن ارغنون شد تمام
برون شد بصحرا و بنواختش
دد و دام را از بیابان و کوه
همه یکیک از هوش رفتند پاک
دگر نسبتی را که دانست باز
پراگنده گشتند بر کوه و دشت
فلاطون چنین پرده ساخت چست
چو بنواز آنرا از فرط هنر

یکی از الهی گره باز کرد
یکی لاف ناموس شیر نگر زد
برافزود بر هر یکی پایگاه
بحکمت منم بر همه پیشوا
بحجت زنم لاف نام آوری
که استادی او داشت در جمله فن
چو عنقا شد از بزم شه ناپدید
نشان جست آواز این هفت خم
دران خم بدین عذر گفت این سرود
نمو داری آورد انجا پدید
بخم در اندر آورد بر بست رود
یکی هیکل از ارغنون کرد راست
گهی نرم زد زخمه و گاه تیز
بر آن رودها شد یکا یک نزد
یکی گشته بیدار و دیگر بخفت
که آنرا نشد کس جز او رهنمون
کرد آنرا برو عیب و علت [illegible] نخست
شد آن عود پخته بهر عود خام
بهر نسبت اندازه ساختش
دوانید بر خود گروها گروه
فتادند چون مرده بر روی خاک
بر آورد نغمه بآن خفت ساز
که دار و بیاد این چنین سرگذشت
که جز دی کس آن پرده نشناخت چست
دوان زانوا ایشان کنند بی خبر

چو بر نسبتی دیگر آرد شتاب
بهوش آرد آن خفتگان را ز خواب

شد آوازه بر درگه شاه تیز
که هاروت را زهره شد هم ستیز

چو بر نسبتی راند انگشت زود
بخسپد بر آواز او دام و دد

ارسطو چو بشنید کان هوشمند
برانگیخت زینگونه کاری بلند

فرو ماند زان زیرکی تنگدل
چو خصمی که گردد ز خصمی خجل

باندیشه بنشست در کنج کاخ
دل تنگ را داد میدان فراخ

بتعلیم آن درس پنهان نویس
که نقشی عجب بود نقدی نفیس

در و تار علوی بسی رنج برد
بسی روز و شب را بفکرت سپرد

هم آخر پس از رنجهای دراز
سررشته آن گره کرد باز

برون آورید از نظرهای تیز
که چون باشد آن ناله رود خیز

چگونه رساند نوا سوی گوش
برد هوش و آرد دگر ره بهوش

بصحرا شد و پرده را ساز کرد
طلسمات بیهوشی آغاز کرد

همان نسبت آورد و اندیش بدست
که دانای پیشینه در پرده بست

چو از هوشمندان شد هوش را
دگرگونه زد رود خاموش را

دران نسبتش بخت یاری نداد
که بیهوش را آرد از هوش یاد

بکوشید تا در خروش آورد
نوائی که در خفته هوش آورد

ندانست چندانکه نسبت گرفت
دران کار سرگشته ماندی شگفت

چو عاجز شد از راه نایافتن
زره بر نشایست سر تافتن

شد از راه رغبت به تعلیم او
عنان داد یکسر به تسلیم او

بپرسید کان نسخ دلپسند
که هش رفتگان را کند هوشمند

ندانم که در پرده آواز او
چگونست چون آورم ساز او

فلاطون چو دانست کان سرفراز
بتعلیم او گشت صاحب نیاز

برون شد خطی گرد خود در کشید
نوا ساخت تا نسبت آرد پدید

همه وحشی صحرا ز گور و پلنگ
بدان خط کشیدند بر کار تنگ

به بیهوشی از نسبت اولش
نهادند سر بر خط مندلش

نوای دگر ساز زد آنخوش نوا
کز آواز آن شد ارسطو ز جای

نوای دگر تازه بر زد چو نوش
که ارسطوی دانا تهی شد ز هوش

دگر باره زو نسبت هوش بخش
که ارسطو ز جا جست همچون درخش

چو از هوش بنمود یک راه نغز
دد و دام را کرد بیدار مغز

فروماند سرگشته بر جای خود
که چون بیخبر بود زان دام و دد

ازان بیهشی چون بهوش آمدند
چه بود آن کزو در خروش آمدند

شد آگه که دانای دستان نواز
بدستان بدو داشت پوشیده راز

ثنا گفت و چندان ز و عذر خواست
کزان پرده کز برد گر راست

چو شد حرف آن نسبت او را درست
نشست آن او آن خود را درست

با قرار او مغز را تازه کرد
مدارای او بیش ز اندازه کرد

سکندر چو دانست کز هر علوم
فلاطون شد استاد دانش بروم

برافزود پایش دران سروری
نیز خودش داد بالاتری

مغنی بیا چنگ را ساز کن
بگفتن گلو را خوش آواز کن

حدیث انگشتری که چون نگینش پنهان شدی صاحبش نیز پنهان شدی و چون ظاهر گشتی خداوندش نیز ظاهر گشتی

مرا از نوازیدن چنگ خویش
نوازشگری کن باهنگ خویش

چو روز دگر صبح گیتی فروز
به پیروزی آورد شب ابروز

برآمد گل چشمه آفتاب
فرو برد مه سر چو ماهی بآب

برآورنگ زر شد شه تاجور
زده بر میان گوهر آگین کمر

نشسته همه زیرکان زیر تخت
فلاطون ببالا برافگند رخت

شه از نسبتی کو دران پرده ساخت
عجب مانده کان پرده را چون نواخت

بپرسید زو کای جهاندیده پیر
برآورد مکنون غیب از ضمیر

نمائید بر قفل دانش کلید
ز رای شما دانش آمد پدید

ز دانندگان خوانده هیچکس
که بودش فزون از شما دسترس

خیالی برانگیخت زین کارگاه — که رای شمار آبان نیست راه
ازان پیشتر ساخت افسونگری — که با بد دل بابدان همبری
یکی گویم از صد درین روزگار — نداند کسی راز آموزگار
اجازت رسید از شه راستان — که دانا فرو گوید آن داستان
ز ایام و از گردش روزگار — شنیدم ز استاد خود یادگار
برانداخت هامون کاخ از مغاک — طلسمی پدید آمد از زیر خاک
گشاده ز پهلوی اسپ بلند — یکی رخنه چون رخنهٔ آبگند
شبانی در ان ژرف وادی گذشت — مغاکی تهی دید در ساده دشت
ستوری مسین دیده در پیکرش — یکی رخنه با گنبد در خورش
درو خفته دید دیرینه سال — نگشته یکی موی ویش ز حال
بدو دست خود را سبکسار کرد — وز انگشتش انگشتری باز کرد
دگر نقد شاهانه آنجا نیافت — ستوران ها کرد و بیرون شتافت
چو از رایت سبز پیکر سپهر — برآورد منجوق تابنده مهر
بران تا نگین را نهد پیش او — بداند بهای کم و بیش او
بپرسید ازو حال پیش و بره — نیوشنده اوش جوابی سره
دگر ره بپیدار گشت از نهفت — گله صاحبش بر زد آواز و گفت
بگو تا چه افسون در آموختی — که بر خود چنین برقع بر دوختی
چنان بود کان مرد خاتم پرست — بخاتم همی کرد بازی بدست
نگین تا گرفتی ببالا قرار — شبان پیش بیننده بود آشکار
حجاب نگین را چنان بد حساب — که دارنده را داشتی در حجاب
چو آمد ببازیگری ساختن — چه گردون بانگشتری باختن
چو کردی به پیدا شدن رای خویش — نگین را زدی نقش بر جای خویش
یکی روز برخاست پنهان براز — نگین را بکف بر کشید از فراز
چو خالی شد از خاصگان انجمن — برو کرد پیدا تن خویشتن
بزنهار گفتش که کام تو چیست — فرستندهٔ تو برین جای کیست

فلاطون پس از آفرین تمام — چنین گفت کین چرخ فیروزه فام
کز آنها که پیشینگان ساختند — به نیرنگ و افسون برانداختند
اگر شاه فرمایدم زاند کی — بگویم نه از ده که از صد یکی
جهان دیده دانای روشن ضمیر — چنین گفت کای شاه فرخ سریر
شنیدم بخاری بگرمی شتافت — بجسن شگوفه زمین را شگافت
ز قلعی و مس قالبی ریخته — وزان صورت اسپی برانگیخته
چو خورشید زان رخنه بر تافتی — نظر نقش پوشیده دریافتی
شتابی در ان ژرف وادی سپید — طلسمی درفشنده در وی پدید
ازان رخنه نور تابنده حور — نگه کرد تا سر سرین ستور
بدستش در آورده انگشتری — نگینی فروزنده چون مشتری
چو انگشتری دید در مشت خویش — نهادش بزودی در انگشت خویش
گله پیش در کرد و میرفت شام — شکیبنده می بود تا بامداد
شبان رفت نزدیک صاحب گله — گله کرد بر کوه صحرا ایله
چو صاحب گله دید کامد شبان — گشاد از سر چرب گوئی زبان
شبان چون بهنگام گفت و شنید — زمان تا زمان گشت ازو ناپدید
که بهر و م چرا گردی از من نهان — دگر بار پیدا شوی ناگهان
شبان پس عجب ماند زان آوری — دران کار جست از خرد یاوری
نگین دان او را چه زد دو چه زیر — گهی کرد بالا گهی کرد زیر
چو سوی کف دست گردن شدی — شبان پیش بیننده پنهان شدی
شبان چون ازین بازی آگاه گشت — رخ از پیش او کرد بر کوه و دشت
کجا رای پنهان شدن داشتی — نگین را از کف درون نگذاشتی
به پیدا ر پنهان شدی گر شتهر — ز هر چه آرزو داشت برداشت بهر
برهنه یکی تیغ هندی بدست — سوی پادشه رفت و پنهان نشست
دل پادشه را ز خود بیم کرد — برو پادشه شغل تسلیم کرد
شبان گفت پیغمبرم ز آن دهاش — بمن بگرو از بخت خشنود باش

چو خواهم نه بینند مرا هیچکس ‌ ‌ برین بود ختم معجز هست و بس
پر و بادشه بگردید از هراس ‌ ‌ همان عز دم بینش از قیاس

انسان آنچنان گردن افراز گذشت ‌ ‌ که آن پادشاهی بدو باز گشت
نگین همین که از مهر انگشتری ‌ ‌ چگونه رساندش بر پیغمبری

حکیمان ناگه کان نگین ساختند ‌ ‌ بحکمت چگونه سپر داختند
چنان باید آمیخت نیرنگ ساز ‌ ‌ که ما در نیابیم زان پرده راز

بسی کردم اندیشه از هر فن ‌ ‌ نیاورد دم آن بستگی ابرون
ثنا گفت بر وی چو شه این شنید ‌ ‌ بران پیرکان نقش از و شد پدید

همان پاسداران این آستان ‌ ‌ گرفتند عبرت ازین داستان
مغنی بزن ساز نو همای سوز ‌ ‌ نشاط مرا یک زمان بر فروز

مگر زان نوای بریشم نواز ‌ ‌ بریشم کشم زدم را بر طراز

احوال سکندر با بقراط حکیم که فرزانه ترین حکیمان بود

چنین گفت آن کاروان فیلسوف ‌ ‌ که بر کار آفاق بودش وقوف
که یونان نشینان در آن روزگار ‌ ‌ شنونده بودند آموزگار

ز دنیا نخستند آسایشی ‌ ‌ نه بد شان ز شهوت خود آلایشی
بگردند الا ریاضت گری ‌ ‌ به بسیار دانی و اندک خوری

کسی کو نخود بر توان داشتی ‌ ‌ ز طبع آرزو ها نهان داشتی
نکردی تمتع نخوردی نبید ‌ ‌ گزین هر دو گرد خرد ناپدید

ز گرد آمدن سر در آید بگرد ‌ ‌ چو سر باید است کزو آفت مگرد
بدان جا رسیدند زان سم و رای ‌ ‌ که برخاست بنیاد شان زین سرای

ز خشکی بدریا کشیدند بار ‌ ‌ ز پیوند گشتند پرهیزگار
از آن راز مردان بپرداختند ‌ ‌ جداگانه شان گشتی ساختند

بمردانگی خون خود ریختند ‌ ‌ بمردند و باز از نیا میختند
بگیتی چنین بود بنیادشان ‌ ‌ که تخمه ز گیتی برافتادشان

یکی روز فرخنده چون صبحگاه ‌ ‌ ز فرزانگان بزمی آراست شاه
چنان داد فرمان بسالار بار ‌ ‌ که با ماند ارد کس امروز کار

فرستاد و برخواند بقراط را ‌ ‌ نگهدار ترکیب اخلاط را
فرستاد بقراط را بار جست ‌ ‌ ز شه یاد دادش که جویا نیست

زمانی بدرگاه خسرو خرام ‌ ‌ برآرای خانه برافروز جام
فریب ورا پیر دانا نخورد ‌ ‌ فریبندگی را اجابت نکرد

بدو گفت رو با سکندر بگوی ‌ ‌ که هرچه درین ره نیابی بجای
من اینجا نیم این سخن درخورست ‌ ‌ که اینجا خیالیست آن نیست

مرا گر بدست آرد ایزد پرست ‌ ‌ هم اینجا درآ گر درآییم بدست
جوابی که آن کان فرهنگ سفت ‌ ‌ فرستاده شد با فرستنده گفت

شهنشاه را گشت دشمن خو پر فروز ‌ ‌ که بقراط را همت خلعت فروز
نیاید بدیدار آن شمع راه ‌ ‌ جز آن کس که شبخیز باشد چو ماه

سکندر که دارنده تاج بود ‌ ‌ بدانش همه سال محتاج بود
زمانی نبودی که فرزانه ‌ ‌ ز دانش ندادی بپروانه

ز هر دانشی کان ز دانندگان ‌ ‌ رسانندی او را رسانندگان
سخنهای بقراط بیدار هوش ‌ ‌ پسند آمد آن مرزبان را بگوش

بدین شد دل و دانش اندیش او ‌ ‌ که آرند بقراط را پیش او
نمودند کان پیر خلوت پناه ‌ ‌ برآمد شد خلق بربست راه

مرا شغل دنیا چنان نا نشست ‌ ‌ که در گوره گوئی دریا نشست
ز خلوتنشینان و یاران جدائی گرفت ‌ ‌ بکنج خراب آشنائی گرفت

جهان گرچه کار تن بجان آورد ‌ ‌ نه ممکن که سر در جهان آورد
ز خون خوردن جانور خو برید ‌ ‌ پلاسی بپوشید و دیبا درید

کف نیست از آنجا که غایت بود ‌ ‌ شب و روز او را کفایت بود
جز اندیشه در سینه نقشش کا نیست ‌ ‌ بنزدیک او خلق را بار نیست

نظامی صفت با خرد خو گرفت ‌ ‌ نظامی مگر این صفت زو گرفت
بشرحی که دادند زان دین پناه ‌ ‌ گرانیده تر شد براو مهر شاه

چنین آمدست آدمی را نهاد که آرد فرامش کنان را بیاد
کسی کو ز مردم گریزنده تر بدو میل مردم ستیزنده تر

چو بقراط مهر خود از خلق شست همه خلق بقراط را بازجست
بسی خواند شاهش بر خویشتن نشد شاه انجم بر آن انجمن

چو اندازه شد خواهش شهریار دل کاروان در نیامد بکار
ز یار هنرمند بیگانه وش رمیده نشد دولت بارکش

شه از جمله استواران خویش یکی محرم خاص را خواند پیش
فرستاد نزدیک دانا براز بسی قصه ها گفت با وی براز

که نزدیک خود خواندمت بارها نهان داشتم با تو گفتارها
اجابت نکردن چه بود از قیاس توازنده را تا شدن حق شناس

بیا یا بگو حجت دلپذیر چرائی ز درگاه ما گوشه گیر
بمعذوری خویش حجت نمای دگر نیست حجت بحاجت بپای

فرستادهٔ پی مبارک ز راه به بقراط شد داد پیغام شاه
جهاندیده دانای حاضر جواب چنین داد پاسخ ز رای صواب

که گر شه مرا خواند نزدیک خود خرد چیزها داند از نیک و بد
نماید که رفتن بدو رای نیست که مهر ترا در دلش جای نیست

چو برنا شدن هست چندین دلیل ببازی نشد سوی کس جبرئیل
مرا رغبت آنگه پدید آمدی که پیغام شه با کلید آمدی

دلی را که بر دوستی رهبر است برون از زبان حجتی دیگر است
درونی که مهر آشکارا کند مدارا برون از مدارا کند

چو در نافه مشک آشنائی دهد بر و باد خوشبو گواهی دهد
کسانیکه نزدیک شه محرم اند بزم اندرون شاه را همدم اند

شنو ما نه بینند بر آب و رنگ ستور مرا یا ازین جاست لنگ
چنان می نماید که در بزمگاه بنیکی مرا یاد نیاورد شاه

ازان راز داران که خدمتگر اند بدل دوستی سوی من ننگرند
دل شاه را مردم حق شناس هم از مردم شاه گیرد قیاس

اگر خاصگان راز بان هست نرم بامید شه دل توان کرد گرم
اگر بزم ناید ز گوینده گفت درستی بود شاه را در نهفت

غنا ساز گنبد چو باشد درست صدای خوش آرد باواز چست
ز گنبد چو یک کن باشد خراب خوش آواز را ناخوش آید جواب

هر آن نیک و بد کاید اندر برون بدارای درگه بود رهنمون
تو خوانی مرا پرده داران از بسرهنگی از پرده دارند باز

نگر تا ز طوفان دریای آب درین کشمکش چون نمایم شتاب
مثال آنچنان شد که دریا ژرف نماید که مار است در هر شگرف

نهنگان دریا کشایند چنگ که جوید گهر در دهان نهنگ
چگونه شوم بر در نور پاش که باشد درین پرده دور باش

بر شاه گر صورتم بد کنند خلافی نه در من که در خود کنند
ز خلق جهان بندهٔ را چه باک که بندد کمر پیش یزدان پاک

درین بندگی خواجه باشم ترا گر آیم تو بنده باشم ترا
ببین ای سکندر بتقویم راست که این نکته را ارتفاع از کجاست

فرستادهٔ شهریار از برش بر شاه شد خوان در بر سرش
طبق پوش پر داشت از خوان در ز در دامن شاه را کرد پر

شه از گوهر افشان آن کان گنج ز گوهر در آمودن آمد برنج
پسند آمدش آن سخنهای چست بدعوی که در حجت آید درست

چو دانست کو هست خلوتگرای پیاده بخلوت گهش کرد رای
شه آن گنجها دید در گوشه که بی توشگی ساخته توشه

ز شغل جهان گشت مشغول خواب برآسوده در تابش آفتاب
تماشای او در دلش کار کرد بپاییش بجنباند بیدار کرد

بدو گفت برخیز و با من بساز که تا از جهانت کنم بی نیاز
نجنبید دانا کزین داوری به از چون منی را بدست آوری

کسی کو نهد دل بهشتی گیا
بران راه رو نیم جو بار نیست
دگر بار شه گفت کز مال و جاه
من از تو بهمت توانگر ترم
مرا این یکی زنده سال خورد
دگر بار پرسید از شهریار
برآشفت شه زان حدیث درشت
مرا بنده هست نامش هوا
شه از دای دانای باریک بین
زپاکان چو خاکی جدائی مکن
چو پاکی دیا پاکیزه رائی کنی
چو من خفته را تو بیدار مرد
برین خوان خرگوش خوی پلنگ
دل شه بدان استانهای گرم
شد آن تلخی از پیر پرهیزگار
گر چون آهن از دست پیرای تو
زدودن توان آهن تیره زنگ
سیه کن روان بد اندیش را
بسودای زنگی مشو همنمون
مگر آئینه زنگی از آهن ست
برون آی چون آب آلودگی
نهان خانهٔ صبحگاهی شود
چراغی زدود ریزه بر کرده گیر
توره پاک کن خاشاک و خار
چه دانی که آید مهمان فرد

انگور دیگر تو چون آسیا
که او رائی جو در انبار نیست
تمنا چه داری من اینک بخواه
اگر تو بیش خوردی من اندک خورم
اگر گشت از نیستی گرم سر
اگر تو گیتی من گیم در شمار
نهانی سخن کز او باز جست
دل من بر آن بنده فرمان روا
بخجالت سر افگنده شد بر زمین
بمس مرده زر در آزمائی مکن
چرا دعوی چارپائی کنی
نشایسته زنگیونه بیدار کرد
ز شیران بیدار بردار جنگ
چو موم از پذیرندگی گشت نرم
بشیرین زبانی در آمد بکار
پذیرای صورت شد از رای تو
که تا جای گیرد در و نقش و رنگ
بشو از سیاهی دل خویش را
مفرح نگر کار و از دل برون
که با این سیاهی بش و شن ست
ز نقره بیاموز پالودگی
حرم گاه سر الهی بود
قفای زباد سحر خورده گیر
طلبگار سلطان مشو زینهار
نیاخوانده مهمان برازما درود

چه قرص جوین هست جان پرورم
مرا کام از کاه بر سے ستوه
جوابش چنین داد دانای دور
تو با اینکه داری جهانی چنین
تو با این گرانی که در دوست
چنان داد پاسخ سخنگوی پیر
خردمند پاسخ چنین داد باز
توانی که آن بنده را بنده
بدو گفت چون نور سیماے من
اگر ره جوابش چون سیم داد
که هر چارپایی که آرد شتاب
تو از خواب ما را بر آشفته
تو شکاری طلب کافتد از تیر تو
بخواهش چنان خواست آن [illegible]
از ان پند کو سربلندی دهد
توانی که روشن کنی سینه را
دل پاک را نقش پردار کن
زیان ست هر کو سیه دل بود
سیاهی کنی سوخته شو چو بید
از انجا خبر داد کار آزمای
دماغی کز آلودگی گشت پاک
ز تو دور کردن ز روزن نقاب
عماری کش نو خورشید باش
چو سلطان شود سوی نخچیر گاه
گرائی برین درد دلیری مکن

غم گردهٔ گندمی کی خورم
چه باید گرانبار کردن چو کوه
که با چون منی بر میارای جور
ز سیر دل هم زخوان چنین
طلبگاری من کجا کار تست
اگر فرمان دهم من تو فرمان پذیر
که برشه کشاییم در بسته راز
پرستار ما را پرستنده
گواه است بر پاکی رای من
که سیماب در گوش نتوان نهاد
بیا اندر آرد کسی را ز خواب
کنی خفته بیدار و خود خفته
هزبری چو من نیست نخچیر تو
زبندش دهد حلقه گوش بند
بگفت انچه آن سودمندی دهد
درون اری آئین آئینه را
بدو راز روحانیان باز کن
نه هر زنگی ایخواجه مقبل بود
اگر دندان بد کرد زنگی سپید
کز نوش آب را در سیاهیست جای
بپرهیز درین گنبد دودناک
بروزن در افتادن از آفتاب
ز برگ عماری برامید باش
در بسته بنید فرو بسته راه
تمنای بالا وزیری مکن

بجان شو پذیرنده بزم خاص — که تن را نبینی در آن خلاص
چو همکاسه شاه خواهی نشست — نه بر پای ناخن فرو سوی دست
چو شحنه که بر تخت او بخته شد — هم از هیبت تخت او تخته شد
ببین تا ترا سر بدرگاه کیست — دل ترسناکت نظرگاه کیست
وگرنه تو خود شاهی و شهریار — ترا با سگ پاسبانان چه کار
دل تافته کو زمن تفته بود — بجا سوی آسمان رفته بود
چو گفت این سخنها پرورده پیر — سخن در دل شاه شد جایگیر
بفرمود تا مرد کاتب نشست — بآب زرین نکته‌ها را نبشت

بکفش گل آلوده بر تخت شاه — نشاید شدن نقش بفگن براه
اگر زهره گر خود بود تند شیر — که بر تخت سلطان خر آمد دلیر
کسی کو درآید بدرگاه تو — خوری سیلیی ار کم کند جاه تو
اگر این ورزی کمترین بنده باش — اگر این بپای آوری سر افگنده باش
تو گرمی مکن با من از خوی گرم — نگفتم ترا گفتنیهای نرم
کنون کامد از آسمان بر زمین — ره آورد نشنیدست از بر این
برافروخته روی چون آفتاب — سوی بزم خود کرد خسرو شتاب
مغنی فغان را در آور بجوش — که در باغ بلبل نباید خموش

مگر خاطرم را بخوش آوری — من گنگ را در خروش آوری
همان فیلسوف جهاندیده گفت — که چون دانش آمد ره شاه رفت

مناظره کردن حکیمان هند با سکندر را از هر علم و جواب باصواب شنیدن ازو

دهن مهر کرد از می خوشگوار — که بنیاد شادی بدید استوار
سکندر بآیین فرهنگ خویش — ملوکانه بر شد بر اورنگ خویش
نماید که در حضرت شهریار — پیام آوری بازخواهست بار
بفرمان شه سوی مغ تافتند — رهش بار دادند نواختند
چو تابنده خورشید را دید زود — بر سم مغانش پرستش نمود
سخن میشنید از هنروری پسند — ز خاک زمین تا بچرخ بلند
چو در هندو آمد نشاط سخن — گل تازه هست از درخت کهن
فلک را ز لب حلقه بر گوش کرد — جهان را ز در حلقه در گوش کرد
چو گشت از ثنا پیر پرداخته — نقاب از سخن شد برانداخته
مگر کان چراغ آشنائی دهد — شب تیره را روشنائی دهد
سخنهای سربسته دارم بسی — که بکشاید آن بسته را هر کسی
اگر چه خداوند تاجی و تخت — بر دانشت تیر دادست بخت
وگر نباید از شه جوابی بدست — دگر باره بر خر توان رخت بست
زمین پرستش بپاسخ آید ز تو — جواب سخن فرخ آید ز تو
جهان دیده هندو زمین بوسه داد — زبانی چو شمشیر هندی کشاد

یکی روز کز صبح زرین نقاب — بنظاره‌گان رخ نمود آفتاب
درآمد رقیبی که اینک ز راه — فرستاده هند آمد بشاه
بفرمود شه تا شتاب آورند — مغنی را سوی آفتاب آورند
درآمد مغی خدمت آموخته — مغانه چو آتش برافروخته
بفرمان شاهش رقیبان ز دست — نشاندند جایی که شاید نشست
باندازه هر کس هنر می‌نمود — بقدر از خود و قدر خود می‌فزود
بسی نکته‌های گره بسته گفت — که آن دُر ناسفته الماس سفت
ثنای جهاندار گیتی پناه — چنان گفت کافروخت آن بارگاه
که تاریک پروانه سوی باغ — روان شد بامید روشن چراغ
منم پیشوای همه هندوان — باندیشه پیر و بقوت جوان
شنیدم که زین ور آموزگار — سر آمد توئی بر همه روزگار
اگر گفته را از تو یابم جواب — پرستش بگردانم از آفتاب
ولیکن نخواهم که جز شهریار — رود در سخن هیچکس را شمار
جهان را ز گفته بهانه مجوی — سخن هرچه پوشیده داری بگوی
چو گرد آفرینی سزاوار شاه — بپرسیدش از کار گیتی پناه

که چون از جهان رخت بیرون برم
سوی آفریننده چون ره برم

نشانیش پدید است و ناپدید
در بسته را از که جویم کلید

در اندیشه یا در نظر چون کمیش
که چون بر شد آنجا کجا گوئیمش

جهان آرا پاسخ چنین داد باز
که هم گونه است این سخن هم دراز

طلب کردن جای او را نیست
که جان آفریننده را جائی نیست

هر اندیشه کان بود در ضمیر
خیالی بود آفرینش پذیر

بغفلت نشاید شد این راه را
که ابر از تو پنهان کند ماه را

بایزد شناسی همین شد قیاس
ازین نگذرد مرد ایزد شناس

چو هندو جواب سکندر شنید
بشب بازی دیگر آمد پدید

خبر ده که بیرون ازین بارگاه
بچیزی دگر هست یا نیست راه

جهاندار گفت از حساب کهن
بآزرم نو سکه زن بر سخن

فلک کو توزان هفت مندل کشید
که بیرون مندل نشاید دوید

حصاریست این بارگاه بلند
درون گشته اندیشه ها شهربند

بدین آستانه از ندر رهنمای
که نادیده را نیست اندیشه جای

بسا کس که من دیده انگاشتم
خیالش در اندیشه بنگاشتم

جهانی دگر هست پوشیده روی
بآنجا توان کردن این جست و جوی

جهانی بدین خوبی آراستن
چه باید جهان دگر خواستن

چو اینجا نشستنگه آمد درست
ازینجا گذشتن چه باید نخست

که ایزد دو گیتی بدان آفرید
که آنجا بود گنج و اینجا کلید

بدینجا کنی گشت کاری توئی
بآنجای برگشته را بد روی

پل ست این و بر پل بباید گذشت
بدریا بود سیل را باز گشت

دگر باره پرسید هندوی پیر
که جان چیست در پیکر دلپذیر

فرو مردن جان آتش بکیست
درین نیکر دگر کسی را شکیست

بدو گفت کاهرمنی شان نیست
اگر جان آتش بود زان نیست

چو ز آتش بود جنبش جان نخست
بد فرخ توان جای ادبار جست

یکی آفریننده دانم که هست
کجا جنبشی چون شوم ره پرست

وجودش که صاحب معانی شد است
زمینی ست یا آسمانی شد است

کجا جای دارد ز بالا و زیر
بحجت شود مرد پرسنده سیر

چو از خویشتن روی برتافتی
بایزد چنان دان که ره یافتی

نه کس را از او را تواند شمرد
نه اندیشه داند بدو راه برد

هر آنچه آن ندارد در اندیشه جای
سوی آفریننده شد رهنمای

نشان را توان برد بر کردگار
چو اینجا رسیدی هم اینجا بدار

نجوید دگر پردهٔ راز را
خبرهای انجام و آغاز را

که هر چه از زمین باشد و آسمان
نهایت گهی باشدش بیگمان

اگر هست جز او کس آگاه نیست
و گر نیست بر نیستی راه نیست

برون آسمان و زمین بر متاز
که بائی بسر رشتهٔ خویش باز

ازین مندل خون نشاید گذشت
که چرخ ایستادست با تیغ و طشت

چو اندیشه زین پرده در نگذرد
پس پردهٔ راز کی ره برد

گر اندیشی آن را که نادیدهٔ
چو نیکو ببینی خطا دیدهٔ

سرانجام چون دید پیش وقت کار
جز آن بود کز وی گرفتم شمار

دگر بار گفتش بمن گوی راست
که ملک جهان بر تو قسمت چراست

چو پیداست کاینجا توانیم زیست
بآنجا سفر کردن از بهر چیست

خردمند شه گفت کای ساده مرد
چنین وان ز دل فرو شوی گرد

درین گرد داز حال خود بهرچه هست
دران در بیک حال باید نشست

دو پرگار بر زد جهان آفرین
درین آفرینش دران آفرین

چو چشمه روان گرد دار کوهسار
بدریاش باید گرفتن قرار

نماید مرا کاتش تافته است
شراری از و کالبد یافته است

چو آتش بر و گرم دل گشت شاه
به تندی برو کرد لختی نگاه

نخواندی که چون جان سفرساز گشت
ازان کس که آمد بدو باز گشت

دگر آنکه گفتی بوقت فراغ
فرو مردن جان بود چون چراغ

غلط گفته جان علوی گرای
بگویند جان واد این هست زیق
دگرگونه هندو سخن کرد ساز
که منزل بمنزل دو دکوه و دشت
زبیدار بختی ستنه سرفراز
بپاسخ دگرباره شد شاه تیز
نماینده اندیشهٔ پاک تست
روان چون برهنه شود از خیال
همان بیند این مرد بیدار تن
که بر چشم بد شاهیی ده مرا
ازان کارگر بر جهان آزمای
جز اوراکه هر چه پسند آورد
همین یک گمان دارشد آنخست
ندانم که من چشم بد دیده ام
که هر هرچه گردد نظر پای گیر
برهنه چون درآرد بآن خرگاه
مزاج هوا گر بود زهرناک
ولیکن بتیز دیک من در نهفت
چو بیند عجب کاری در خیال
چو نقش حریفی شگفت آیدش
کسی کاگه چشمی رسد ناگهان
باین هر دو معنی شناسند و بس
فسونگر دگرگونه گفتست راز
دگرباره هندوی رومی پرست
ز نقش که آواز ناید برون

انیسر دو لیکن شود باز جای
زداده بود تا فرو برده فرق
به پرسیدن خویش آید نیاز
به بیند جهان از جهان سرگذشت
بدو گفته کای خفته دیر باز
که خواب از خیالی بود خانجبر
نموده تمنای ادراک تست
نو شد بر و صورت هیچ حال
که دیگر گسل از خواب و خواب از خورش
ز چشم بد آگاهیی ده مرا
ندیدست بیننده جانگزای
سر و گردنش زیر بند آورد
بر آماجگه تیر او شد درست
پسندیده یا ناپسندیده ام
گذر بر هوای کند ناگزیر
هوا نیز یابد بدان رخنه راه
ببیند از و آن چیز را در مغاک
جز این علتی هست کانکس نگفت
بتادیب زخمش دهد گوشمال
دغا باختن در گرفت آیدش
ازین روی افتد بغم بیگمان
که این چشم زد بود آنچشم رس
که چون با سپند آتش آید فراز
در آورد پولاد هندی بدست
به نیک و بد چون شود رهنمون

حکایت ز شخصی که او جان سپرد
ز جان در گذر کو فروغیست پاک
که بیننده خواب او در خیال
چو بیننده آنجاست این خفته کیست
اگر مرده گر زنده بینی بخواب
خیال همه خوابها خانگیست
گرت در دل آید که از نهفت
نه بینی کسی کو ریاضت گرست
دگرباره هندو در آمد بگفت
چه نیرست در جنبش چشم بد
همه چیز را کازمایش رسید
بهر حرفتی چونکه دیدیم ژرف
بگو تا چه نیروست نیروی او
جهاندار گفتش که طالع شناس
بران چیز کارد نظر تاختن
هوا گر هوای بود سودمند
هوای بدست آن که در چشم زد
نه چشم بدست آنچنان کارگر
تعجب روا نیست در راه او
گرفتاریان را دیدیم هیچ
رساننده چشم را جوش خون
سپند از پی آن شد افروخته
رسد بر فلک دود مشکین کمند
که از نیک و بد مرد اختر سگال
چنین گفتش ای سایهٔ ایزدی

چه گویند جان مرد یا جان سپرد
ز نور الهی نه از آب و خاک
چه نیرو برون آرد از بد وبال
اگر نقشبند آن شد این نقش چیست
ز شمع تو میخواه آن نور ناب
در آن آشنائی که بیگانگیست
چرا گشت بیدار آنکس که خفت
به بیداری این گنج ازهر است
گهر کرد با نوک الماس جفت
که نیکوی خود را کند چشم زد
چو دیده پسند و فزایش رسید
درستی ندیدیم در هیچ حرف
سپند از چه بر آفت از خوی او
چنین آرد اندر دی معنی قیاس
کند با هوا رای دم ساختن
در ارکان آن چیز ناید گزند
بدارد بهم راه چشم بد
که بر نقش او دست یابد نظر
نیاید جز او در نظرگاه او
بدان تا نگردد گرفتار هیچ
بخاری ز پیشانی آرد برون
که آفت با آتش بود سوخته
فلک خود زره باز دارد کمند
خبر چون دهد زند نقش خیال
که هر چیز نیکی رسد یا بدی

هر آئینه این نقش در گنبد است / اگر نیک نیکیست و گر بد بد است
سگالنده فال چون قرعه راند / ز طالع تواند همی نقش خواند

نمودار طالع نماید درست / ز تخمی که راند دران زرع رست
خدائی که هست آفرینش پناه / چه بیند نیازی دران عرصه گاه

باندازه آنکه باشد نیاز / نماید باو بود تنهاے راز
فرستد سروشی و با او کلید / کند راز سربسته بر ما پدید

ازان باد هندو چنان سست شد / که یکبار شمشیرش از دست شد
دگر بار پرسید کز چین و زنگ / ورق های صورت چرا شد دو رنگ

چو یکسان بود رنگ مادر بوید / چرا این سیه گشت و آن شد سپید
جهاندار گفت این گرانیده گوے / دو رنگست یکرنگی از وی مجوی

دو رویست خورشید آئینه وش / یکی روی در چین یکی در حبش
بروی کند روی ها را چو ماه / بردی دگر روی ها را سیاه

چو هندوے دانا بچندین سوال / زبون شد ز فرهنگ و آتش سگال
به تسلیم شد بوسه بر خاک زد / شد از خرمی سر بر افلاک زد

همه زیرکان بر چنان هوش و راے / دمیدند و خواندند نام خداے
مغنی بیاران ره باستان / مرا یاوری ده درین داستان

ز دستان گیتی مگر جان برم / بدین داستان ره بپایان برم
چنین آمد از فیلسوف این سخن / که چون شد شده تازه رسم کهن

سوال کردن سکندر با هفت حکیم و مقالات ایشان از آفرینش آسمان و زمین

بفیروزی بخت فرخنده فال / در آمد به بخشیدن ملک و مال
ز بس بخشش او دران مرز و بوم / برافتاد درویشی از اهل روم

نهادند سر خسروان بر درش / بفرمان او گشته فرمان برش
بفرخندگی شاه فیروز بخت / یکی روز بر شد به پیروزه تخت

سخن را ز انصاف و از دین و داد / گهی درج می بست و گه میگشاد
چو لختی سخن اندران درگه بود / بخلوتگه خویشتن رغبت نمود

ازین فیلسوفان گزین کرد هفت / که بر خاطر کس خطای نرفت
ارسطو که بد مملکت را وزیر / بلیناس برنا و سقراط پیر

فلاطون و والیس و فرفوریوس / که روح القدس کردشان دستبوس
همان هفتمین هرمس نیک راے / که بر هفتمین آسمان کرد جاے

چنین هفت پرکار بر گرد شاه / دران دائره شه شده نقطه گاه
طرازنده بزمی چو تابنده نور / هم از باد خالی هم از باده دور

دل شه دران مجلس تنگبار / بابرو فراخی در آمد بکار
بدانندگان راز بگشاد گفت / که تا کے بود راز ما در نهفت

بسی شب بمستی شد و بیخودی / اگر زاریم یک روز در بیخودی
یک امروز بینیم در ماه مهر / گشائیم سربسته های سپهر

ندانیم کین خرگه گاو پشت / چگونه در آید بخاک درشت
چنین بود نابود بالا و زیر / بدانسان که بد گفت باید دلیر

چنان واجب آمد برای درست / که ترکیب عالم نبود از نخست
چو افزایش و کاهش نو بنو / بنا بود بیشینه شد پیش رو

نخستین سبب را درین تار و پود / بجوئیم ز اجرام چرخ کبود
بدین زیرکی جمع آموزگار / نیاریم بهم بعد ازین روزگار

ندانیم گر ما درین راه و رنج / کرا پای خواهد فرو شد به گنج
بگوئیم هر یک بفرهنگ خویش / که این کار آغاز چون بود پیش

بتقدیر حکم جهان آفرین / نخست آسمان کرده شد یا زمین
بیا تا برون آوریم از نهفت / که اول بهار جهان چون شگفت

چگونه نهاد آتش این بنا / چه بانگ آمد از ساز اول غنا
چو شاه این سخن را سر آغاز کرد / چنان گنج سربسته را باز کرد

ز تاریخ این کارگاه کهن / فرو بسته بر فیلسوفان سخن
ولیکن نیوشنده را در جواب / سخن واجب آمد بفکر و صواب

چنان رفت رخصت بر آن داورست
ارسطوی روشن دل هوشمند
به نیروی داد آفرین شاورزی
نخستین یکی جنبشے بود فرد
جز اول که او جنبش فرد بود
چو گشت آن سه دور از مرکز بیان
دران جسم جنبنده نامد قرار
چو گردنده گشت آنکه بالا دوید
ز میلی که بر مرکز خویش دید
چو بر کار اول چنان بست بند
ز تیزی آتش هوائی گشاد
چکید از هوا تری در مغاک
چو هر چار جوهر بهم شد اے
وزان در ستینهای بردم خیت
چنان راند والیس و انا سخن
به تعلیم دانش تومند باد
چنین گشت بر زن بدانش درست
چو آتش برون رانداز برق ارنجار
چو بر گوهر خاص جاے گرفت
نیوشان گر این انجواهد شنید
بلیناس انا بزانو نشست
بلیناس را چون سخن شد بسر
ز دانش مباد اول شاه دور
نخستین طلسمی که بر ساختند
از و هر چه رخشنده و پاک بود

مقالات ارسطو حکیم

ثنا گفت بر تاجدار بلند
که دایم بدانش گراینده باش
ز بندی که نکشاید آزادزی
چو فرمان چنین آمد از شهریار
بجنبید چندانکه جنبش دو کرد
چو آن هر دو جنبش بیکجا فتاد
سه جنبش بیکجاے درخورد بود
سه خط زان سه جنبش پدیدار شد
تومند شد جوهری در میان
چو آن جوهر آمد برون از نورد
همی بود جنبان بسی روزگار
ازان جسم جنبان که تابنده بود
سکونت گرفت آنکه زیر آرمید
ازان جسم گردنده تابناک
سوی دائره میل خود بیش دید
ازان میل کاول گراینده بود
گزو ساز در شد سپهر بلند
ز گشت سپهر آتش آمد پدید
که مانند او گرم دارد نهاد
ز باد ے گراینده شد گوهرش
پدید آمد آبی چنین نغز و پاک
چو آسوده گشت آب در دی نشست
گرفتند بر مرکز خویش جاے
مزاج همه در هم آمیختند
ز هر گونه شد جانور ساخته
ز اندازهٔ عقل نسبت شناس

مقالات والیس حکیم

بدانش تر و هی برومند باد
چو نو بود سالاله گرد نکشان
که جز آب جوهر نبود از نخست
ز جنبش نمودن بجای رسید
هوای نفر و ماند زو آب دار
چو از تف گرفت آب آهستگی
جهان از طبیعت نوای گرفت
ز لطفے که سرجوش آن جمله بود
کز آبی چنین پیکر آمد پدید
نمود اد نطفه بر آستان

مقالات بلیناس حکیم

برین هفتمین اوج کردی گذر
که چندانکه هست آفرینش بجاے
که تا نور به دیده با دیده نور
چو بر سنگ جسم و جان یا زبست
زمین بود ترکیب از و ساختند
چو نیروی جنبش در کرد کار
سزادار اجرام افلاک بود
دگر بخششها کان بلندی نداشت

که ارسطو کند پیشوای نخست
در بستگی را کشاینده باش
کز آغاز هستی نماید شمار
ز هر جنبشے جنبش نو بزاد
سه دوری دران خط گرفتار شد
خرد نام آن جسم جنبنده کرد
ببالای مرکز شتابنده بود
روان شد سپهر در افشان پاک
همه سال جنبش نماینده بود
که آتش به نیروی گرمش دمید
که گردندگی دور بود از برش
ازان دو پدیدا شد این خاک پست
وز در ستینها بر انگیختند
ازان بیش نتوان نمودن قیاس
که تو بادشه در جهان کهن
که هر کس دو هر آنچه دارد نشان
کز و آتشے در تخلل دمید
زمین ساز در گشت ازان بستگی
گره بست گردون و جنبش نمود
دلیلیست قاطع برین داستان
زمین را اطلس ز زمین بوس بست
شها بر تو باد آفرین خداے
که پیدا کنم رازهای نخست
بافسردگی زود بر آمد بخار
به هر مرکزی پایه میگذاشت

یکی بخش ازو آتش روشن است
سوم بخش ازو آب را دق پذیر
چو سقراط را داد نوبت سخن
جهاندار را گفت پاینده باش
ز بیر سیدۂ شهریار جهان
نخستین ز برق کافرینش نبود
ز باران او گشت پیدا سپهر
ازان پیشتر رهنمون بی نبرد
پس آنگه که خاک زمین داد بوس
سر از دور تو بر متاباد دهر
گر ازان پیشتر کین جهان شد پدید
دو نیمه شد آن آب جوهر کشای
ز تری یکی نیمه جنبش پذیر
خرد تا بدینجاست کوشش نمای
چو قفل آزمائی بهرمس رسید
که بر هرچه شاید کشادن زبند
چو شه را چنین آمد دست اختیار
از آنگه که بر دم باندیشه راه
ببالای دودی چنین هولناک
ز هر رخنه کز دود ده یافت ست
ز خود آفرینش ندانم درست
فلاطون که بر جمله بود اوستاد
ز دولت بهر کار یاریش باد
ز حرف خطا چون نداریم ترس
گر از چیز چیز آفریدی خدای

که بالاترین طاق این گلشن است
که هستیش را دق گری تا گزیر
دگر بخشش ز باد جنبیده خوست
همان قسمت چارمین هست خاک

مقالات سقراط حکیم

بداد و بدانش گراینده باش
که داند که هست آن ترو هش جهان
جز ایزد خداوند بینش نبود
پدید آمد از برق او ماه و مهر
همه آرزو ها شکار تو باد
ولیکن باندازۂ رای خویش
ز هیبت بر انگیخت ابری بلند
ز ماهیتی کز بخار او فتاد

مقالات فرفوریوس حکیم

چنین پاسخ آورد فرفوریوس
که داد تو بیداد را کرد قهر
جهان آفرین جوهری آفرید
یکی زیر و دیگر زبر یافت جای
ز خشکی دگر نیمه آرام گیر
که تا دور باشد خراشش پذیر
ز هر دیدن شاه ایزد شناس
ز پرورد فیض پروردگار
بطبع آن دو نیمه چو کافور و مشک
شد آن آب جنبش پذیر آسمان

مقالات هرمس حکیم

بزنجیر خائی در آمد کلید
دل و رای شه باد فیروزمند
که نقل و هر شاخ هر میوه دار
درین طاق فیروزه کردم نگاه
فروزنده نوریست صافی و پاک
باندازه نوری برون تافت ست
ازان پیشتر کان گره باز کرد
فلک باد گردند بر کام تو
مر هم ز فرمان نشاید گذشت
بر آنم که این طاق دریا شکوه
نقابیست از دود و پیش نور
همان انجم از ماه تا آفتاب

مقالات افلاطون حکیم

که دریای دل گنج گوهر گشاد
اگر ز برره رستگاریش باد
گر از لوح نادیده خوانیم درس
ز ل تا ابد مایه بودی بجای
که روشن خرد بادشاه جهان
حدیثی که پر شد دل پاک او
در اندیشۂ من چنان شد درست
تو الد بود هرچه از یاد خاست

که تا او نجنبد ندانند کوست
ز هر کوکب گردش شده تابناک
رطب ریز شد خوشۂ نخل بن
نهفت جهان آشکار تو باد
کند هر کسی عرض کالای خویش
همه برق و باران او سودمند
زمین گشت بر جای خویش ایستاد
گزاف سخن بر نشاید شمرد
تو باشی جهان داور دور گیر
چنان در دل آمد مرا از قیاس
بآبی شد آن جوهری آبساز
یکی نیمه تر شد دگر نیمه خشک
شد این آرمیده زمین در زمان
برون زین خط اندیشه را نیست جای
سخن بر دعای شه آغاز کرد
که گردا داز ین خسروی نام تو
کنون سوی پرسش کنم بازگشت
معلق چو دود است بر اوج کوه
دریچه دریچه ز هم گشت دور
فروغیست کامد برون از نقاب
ندانم که چون آفرید از نخست
مباد از دلش هیچ راز نهان
نگوییم که ترسم ز ادراک او
که نا چیز بود آفرینش نخست
خدائی جدا کو خدای جداست

کسی را که خواند خرد کارساز — بچندین توانا نباشد نیاز
جداگانه هر گوهری را نگاشت — که در هیچ پیکر میانجی نداشت
چو گوهر بگوهر شد آراسته — خلاف از میان گشته برخاسته
ازان سرکشان مخالف گرای — بدین سرکشی کرد شخصی بپای
اگر گیری از پر موری قیاس — توان شد بدان غیرت ایزد شناس

مقالات سکندر علیه السلام

چو ختم سخن قرعه بر شاه زد — سخن سکه قدر بر ماه زد
سکندر که خورشید آفاق بود — بروشندلی در جهان طاق بود
ازان روشنی بود کان روشنان — برو انجمن ساختند انچنان
چو زیرک بود شاه آموزگار — همه زیرکان آور روزگار
چو شه گفت آن زیرکان گوش کرد — جداگانه هر جام را نوش کرد
بران فیلسوفان مشکل گشای — بسی آفرین یاد کرد از خدای
پس آنگاه گفت ای هنرپروران — بسی کردم اندیشه در اختران
بدانم که این صورت از خود نرست — نگارنده بودشان از نخست
نگارنده دانم که هست از درون — نگارید نقش را ندانم که چون
ز چون گرد او گر بدانستمی — همان کو کند من توانستمی
هر آن صورتی کاید اندر ضمیر — وزان گردنش در عمل ناگزیر
چو مار از خلقت ندانیم خواند — تجسس و چون توانیم راند
شما کاسمان را ورق خوانده اید — سخن بین که چون مختلف آمده اید
ازین بیش گفتن نباشد پسند — اگه نقش جهان نیست بی نقشبند
نظامی بدین در مجنبان کلید — که نقش ازل بسته را کس ندید

مقالات نظامی علیه الرحمة والغفران

بزرگ آفریننده هر چه هست — ز هر چه آفریدست بالا و پست
نخستین خرد را پدیدار کرد — ز نور خودش دیده بیدار کرد
هر آن نقش کز کلک قدرت نگاشت — ز چشم خرد هیچ پنهان نداشت
نگر نقش اول کز آغاز بست — گزان پرده چشم خرد باز بست
چو شد بسته نقش نخستین طراز — عصابه ز چشم خرد کرد باز
هر آن گنج پوشیده کامد پدید — بدست خرد باز دادش کلید
جز اول حسابی که بر بسته بود — در آنجا خرد چشم در بسته بود
دگرها که پنهان نبود از خرد — خرد را چو پرسی برو ره برو
وزان پرده کو بر خرد بست راه — حکایت مکن در حکایت مخواه
بآنجا تواند خرد راه برد — که فرسنگ و منزل تواند شمرد
ره غیب ازان دورتر شد بسی — که اندیشه آنجا رساند کسی
خردمندی آنراست کز هر چه هست — چو نادیدنی بود از دیده بست
چو صنعت بصانع تراره نمود — توانائی بدین پرده نتوان فزود
سخن بین که با مرکب نیم لنگ — اچگونه برون آمد از راه تنگ
همانا که آن هاتف خضر نام — که زخامه‌ام شکافست خضر اخرام
در و دم رساند و بعد از درود — بکاخ من آمد ز گنبد فرود
دماغ مرا از سخن کرد گرم — سخن گفت با من بآواز نرم
که چندین سخنهای خلوت سگال — حواله مکن بر زبانهای لال
تو منخاری این سر و بیخ و بن — بران فیلسوفان چه بندی سخن
چرا بسته باید سخنهای نغز — بر آن استخوانهای پوشیده مغز
بخوان کسان بر مخور نان خویش — تنگ مهنه بر سر خوان خویش
نبی مریم دور نامردمی — نه در انجمن فتنه بر انجم اند
به خاکی دلی چون زمین خاک دست — نه خاک زمین بلکه خاکی کلوست
مشعبد شد این خاک نیرنگ ساز — که هم مهره دزدست و هم مهره باز
کنند مهره را بکف در نهان — دگر باره آرد برون از دهان
فرو بردنش هست زنیخ زرد — بر آورد نقش سرخ با لاجورد
بوقت خزان میخورد عود خشک — بفصل چو مار آید از نافه مشک
تن آدمی را که خواهد فشرد — ندانم که چون باز خواهد سپرد

تن ما که در خاک تن آگندگیست ... نه در نیستی در پراگندگیست
پراگنده کو بود جاے گیر ... گر آید فراهم بود دلپذیر

که هر چه آن شود بر زمین ریخته ... دگر باره گردد بر انگیخته
ز ر سوده کو بود ریز ریز ... بسیماب جمع آمده خاک بیز

چو زر رو پراگنده را چاره ساز ... بسیماب دیگر ره آرد فراز
گر اجزای ما را اگر گرد نهان ... دگر بار جمع آوردی توان

مغنی سحرگاه بر بانگ رود ... بیاد آوران پهلوانی سرود
نشاط غنا در من آور پدید ... فراغت دهم زانچه نتوان شنید

نازل شدن وحی پیغمبری بر سکندر علیه السلام

جهان فیلسوف مقدس نهاد ... ز تاریخ روم این چنین کرد یاد

که آن پیشوای بلند اختران ... سکندر جهاندار صاحب قران
ز تعلیم دانش بجاے رسید ... که دادش خرد بر گشایش کلید

بسی رخنه را بستن آغاز کرد ... بسی بسته ها را گره باز کرد
بدانستن علمهای نهان ... جز او را تمامی نبود از جهان

چو بر زد همه علمها از قوم ... چه از اهل یونان چه از اهل روم
گذشت از رصد بندی اختران ... بدید آنچه مقصود بود دانش و دان

سریرش که تاج از تباهی رهاند ... عمامه بتاج الهی رساند
نزد دیگر از آفرینش نفس ... جهان آفرین را طلب کرد و بس

در آن کشف کوشید کز روی راز ... برانداز داز صفت تجلی طراز
چنان بیند آن بیدنی را که هست ... بدست آرد آنرا که ناید بدست

درین عهده میکرد شبها بروز ... شبی طالعش گشت گیتی فروز
سروش آمد از حضرت ایزدی ... خبر دادش از خود و زان بیخودی

نهفته بر آن گوهر تابناک ... رسانید وحی از خداوند پاک
چنین گفت کافزون تر از کوه و رود ... جهان آفرینت رساند درود

برون زانکه داد داد جهانداریست ... به پیغمبری داشت ارزانیست
بفرمانبری چون تو ای شهریار ... چنین ست فرمان پروردگار

که بر داری آرام ز آرام گاه ... درین داوری سر نپیچی ز راه
برآئی بگرد جهان چون سپهر ... در آری سر خفتیان را بمهر

کنی خلق را دعوت از راه بد ... بدارنده دولت دین خود
بنا نو کنی این کهن طاق را ... ز غفلت فرو شوئی آفاق را

رهانی جهان را ز بیداد دیو ... گرایش نمائی بکیهان خدیو
سر خفتگان را برآری ز خواب ... ز روی خرد بر گشائی نقاب

توئی گنج رحمت ز یزدان پاک ... فرستاده بر بی نصیبان خاک
تکاپوی کن گر دبیر کار دهر ... که تا خاکیان از تو یابند بهر

چو بر ملک این عالمت دست هست ... به از ملک آن عالم آری بدست
درین داوری کاوری راه پیش ... رضای خدا بین نه آزرم خویش

ببخشایش جانور کن بسیچ ... بنا جانور بر مبخشای هیچ
گر از جانور نیز یابی گزند ... امانش بده با بکشش مایه بند

سکندر بر آن راز بسته سروش ... چنین گفت کای هاتف تیز هوش
چو فرمان چنین آمد از کردگار ... که بیرون زنم نوبتی زین حصار

ز مشرق بمغرب شبیخون کنم ... خمار از سر خلق بیرون کنم
بهر مرز گر خود شوم مرزبان ... چه گویم چو کس را ندانم زبان

چه دانم که ایشان چگویند نیز ... وزین هم تو هست بسیار چیز
یکی آنکه در لشکرم وقت پاس ... ز دژخیم ترسم که آید هراس

دگر آنکه بر قصد چندین گروه ... سپه چون کشم در بیابان و کوه
گروهی فراوان تر از خاک و آب ... چگونه کنم هر یکی را عذاب

گر آن کور چشمان بمن نگروند ... ز گبری سخنهای من نشنوند
در آن جا بیگانه بر خشک و تر ... چو درمان کنم خاصه یا کور کر

اگر دعوی آرم به پیغمبری ... چه حجت کنم خلق را رهبری
چه معجز بود در سخن یاورم ... که دانند بینندگان باورم

ورا آموزه اول بن رسم وراه
چگونه توان داد پاسخ نشان
که حکم تو بر چار حد جهان
بمشرق گروهی فرشته سرشت
گروهی شمالیست اقلیم شان
زناسک بمنسک در آری سپاه
ندارد کس از سرکشان پای تو
که هر جا که تابی بر اوج بلند
بهر جا که مرکب در آری براه
دگر زین که در رهگذرهای تو
بود نور تا نیمش و ظلمت ز پس
کسی کارد با تو در سر خمار
دگر چون عنان سوی راه آوری
بالهام یاری وه رهنمون
تو نیز آنچه گوئی برومی زبان
چو شه دید کان گفت پیغاره نیست
از آن لیک و نز غافل نبود از بسیچ
برون زانکه پیغام فرخ سرشت
سگالشگری های خاطر پسند
سه فرسنگ نامه ز فرخ سریر
فلاطون دگر نامه را نقش بست
چو گشت این سه فهرست پرداخته
چو هنگام حاجت سپیدی فراز
چو عاجز شدی رایش از داوری
چنان خواند فرمان بفرخ وزیر

پس آنکه زمین راه رفتن بخواه
که آن کبر گم گرد دار مغز شان
رونده است بر آشکار نهان
اگر جز مسیکش نام توانی نبشت
اگر که تاویل خوانی ز تعظیم شان
ز هاویل یابی به تاویل راه
نگیرد کسی در جهان جای تو
گشائی تو از گنجها قفل بند
کنی داوری داوران را پناه
کسی بایدت پیشرو پیشرو
تو بینی نه بیند ترا هیچ کس
بر و ظلمت خویش را ابر گمار
به کشور گشادن سپاه آوری
لغتهای هر قوم آری برون
بداند نیوشنده بی ترجمان
ز فرمانبری بنده را چاره نیست
بجز آن شغل در دل نیاورد هیچ
خبرهای منصرف ساختش بگوش
که از رهروان بازداد و گزند
بجشنگ سیه نقش زد بر حریر
ز هر دانشی کامد اورا بدست
سخنهای باکید گر ساخته
بآن درجها دست کردی فراز
ز فیض خدا خواستی یاوری
که پیش آور و کلک فرمان پذیر

بر آموده کانی چو دریا بدر
تروش سرآیندهٔ کارساز
بمغرب گروهیست صحرا خرام
گروهی چو دریا جنوبی گرامی
چو تو بارگی سوی راه آوری
همه پیش حکمت مسخر شوند
تو آن شب چراغی و نیک اختری
چنان کن که چون سر براه آوری
نیارد جهان آفتی بر سرت
بهر جا که رامش کند رامی تو
کسی گو نباشد ز عهد تو دور
بدان تا چو سایه در آن تیرگی
بهر طائفه کآوری روی خویش
زباران شنوی در همه کشوری
ببرهان این معجزه ایزدی
پذیرفت زاندازهٔ این پیام
ز شغل دگر دست کوتاه کرد
ز هر دانشی چاره جست باز
بجز رای اعظم که در بخردی
ارسطو نخستین ورق در نوشت
سوم درج را کرد سقراط بند
نشه آن نامه ها را همه مهر کرد
از گنجینهٔ هر ورق پاره
نشست اولین بر تخت عاج
نویسد یکی نامهٔ سودمند

سر و مغز از خویشتن کرد پر
جواب سکندر چنین داد باز
مناسک ها کرده ناسک بنام
اگر خوانند هاویل شان همای
اگر ذریر سپید و سیه آوری
و گر سر کشند از تو در سر شوند
شب افروز چون ماه یا چون مشتری
بدارندهٔ خود پناه آوری
گزندی نه بر تو نه بر لشکرت
بود نور ظلمت پذیرای تو
از آن روشنائی بدو بخش نور
فرو میرد از خواری و خیرگی
لغتهای بیگانت آرند پیش
نیوشد سخن بر تو از هر دری
تو نیکی بیابی مخالف بدی
که هست او خداوند دانندهٔ نام
بعزم شدن توشه راه کرد
که فرخ بود مردم چاره ساز
نشانی بداو نامه ایزدی
خبر دادش از گوهر خوب و زشت
ز هر جوهری کان بود دلپسند
بپیچید و بنهاد در یک لوده
طلب کردی آن شغل را چاره
تبارک برآرد فیروزه تاج
بتائید فرهنگ و رای بلند

سلسل باند از های بزرگ
گرو سارگاری کند پیش و گرگ

بودن شد وزیر از بر شهریار
تنا گفت نغمه را نپذیرفت کار

خرد را بتدبیر شد رهنمون
بران تازه گان گوهر آرد برون

سر کلک را چون زبان تیز کرد
بکاغذ براز نیشکر ریز کرد

خسرونامهٔ ارسطاطالیس حکیم

چنین بود در نامهٔ رهنمای
ازان پس که بود آفرین خدای

که شاها بدانش دل آباد باش
ز بیداد شاهان ورشو شاد باش

دری را که بندش بود ناپدید
ز دانا توان باز جستن کلید

همان دولتی کاوری در شمار
سجودش مکن بیش پروردگار

بفروزی خود قوی دل مباش
ز ترس خدا هیچ غافل مباش

خداترس را کارسازست بخت
بود ناخداترس را کار سخت

بهر جا که باشی تنومند باد
سپیدی بر آتش فگن بامداد

مباش ایمن از دیدن چشم بد
نه از چشم بد بلکه از چشم خود

چنین زد مثل مرد گوهرشناس
که گر خوبی از خویش شود در هراس

ز بادآن درختی نباید گزند
که از خاک سر بر نیارد بلند

دو شاخه کشایان نخچیرگاه
بفحلان نخچیر پاینده را

ستور خرد را انگ آهسته دار
حسد را نجو دراه بربسته دار

حسد مرد را دل بدرد آورد
میان دو آزاده گرد آورد

نگینه مبر هیچکس راز جای
چو از جای بردی درازش ز پای

گرت با کسی هست کین کهن
بریده مکن یکسر از بیخ و بن

برو در بجرم برادر مگیر
که بس فرق باشد ز خون تا بشیر

مخواه از کسی کین آبای او
نظر بیش کن در محابای او

ز خورشید تا سایه موئی بود
که آن روشن این تیره روی بود

ز خرما بدستی بود تا بخار
که آن گلشکر باشد این ناگوار

صدف گرچه همسایه شد با نهنگ
شدان زیور تاج واین نوع جنگ

مزن ورکس از بحر آن بیش را
بپای خود آویز هر بیش زا

جوامرزش ایزدی بایدت
ببایدکه رسم بدی نایدت

بدان را بدآید ز چرخ کبود
به نیکان همه نیکی آید فرود

مکن جز به نیکی گرآیندگی
که در نیکنا نیست پایندگی

مکن کار بدگوهر آنرا بلند
که پروردن گرگ آرد گزند

میامیز در هیچ بدگوهری
مده کیمیا را بخاکستری

چو بدگوهری سر برآرد ز مرد
کند گوهر سرخ را روی زرد

منه بر دل نیکنامان غبار
که بدنامی آرد سرانجام کار

زدن با خداوند فرهنگ ورای
بفرهنگ باشد ترا رهنمای

چو سود درم بیش خواهی مکم
مزن ره که یا مردم بیدرم

هنر جستن از مردم سست کیش
جواهر خری ناید از جو فروش

همه جنس از گوره گاو پلنگ
بجنبیت آرند شادی بجنگ

چو در پرده بی جنس باشد جمال
ز تهمت بسی نقش بندد خیال

دو آئینه را چون بهم بر نهی
شود هر دو از غارتی ها تهی

مشو بازبون افگنان گاه و دل
که مانی باندوه چون خر بگل

جوانمردی شیر با آدمی
ز نامردمی شد نه از مردمی

هرانکس که با سخت رائی بود
درشتی به از نرم خوئی بود

زنی بوسه بر چوز نیش آردت
سرش بشکنی مغز پیش آردت

ستیزنده را چون بود سخت کار
ز نرمی طلب کن پی سخن بداو

سر چشم چون گرد داز فتنه پر
بجز بی بیار دنیرے سپر

چو افتی میان دو بدخواه خام
پراگنده شان کن تو از یکدگر

درافگن بهم گرگ را با پلنگ
تو خود را رهان زمیان دو سنگ

کسی را که باشد ز دهقان و شاه
به اندازهٔ پایه نه پای گاه

رسول توانا توانا فرست
بدانا هم از جنس دانا فرست

فرستاده را چون بود چاره ساز
باندازه گردن نباشد نیاز

بجای که آهن در آید بزنگ
بزر داون آهن آور ز سنگ

خزینه ز بهر زر افگندن است
ز رانه بهر دشمن پراگندن است

بجز بی توان پای روباه بست
بحلوا دهد طفل خاتم ز دست

چو مطرب بسوز کسان شاد باش
ز بند خود از مرد آزاد باش

جهان را چو طفل سحر ساخته
بیارای تا گردی آراسته

بیارای خود را چو ریحان بباغ
بدست کسان خوشتر شبچراغ

خزینه که با تست بر تست بار
چو دادی بدادن شوی رستگار

ز دران آکشتی نیست کاگند نیست
ثمر از بیست کز خود برافگنده نیست

مگو کز زر و صاحب زر که به
گره بد تر از بند و بند از گره

چنین گفت با تش آتش پرست
که از ما که بهتر بجای نشست

بگفت آتش از خواهی آموختن
هر آنکشته باید ترا سوختن

فراخ آستین شو که زین سبز شاخ
فتد میوه در آستین فراخ

ز سیری مباش آنچنان شاد کام
که از هیضه زهری براند بکام

به گنجینه مفلسی راه برو
بیفتاد و از شادمانی بمرد

همان تشنه گرم را آب سرد
بیابی نشاید بیکبار خورد

بهر منزل کاوری یافتن
نشاید در خواب گه ساختن

مخور آب تا آزموده نخست
بدیگر دهانی کن آن باز جست

ز آن میوه کو غریب آیدت
گر از ناتوانی نصیب آیدت

بوقت خورش هر که باشد طبیب
بپرهیز دار از خوردهای غریب

بدان ره که تا رفته باشد کسی
هم ار گرچه همراه داری بسی

رهی کو بود دور ز اندیشه پاک
به از راه نزدیک اندیشه ناک

گرانباری مال چندان مجوی
که افتد بلشکر از آن گفتگوی

ز هر غارتی مال کاری بدست
بد رویش ده ده یکی هر چه هست

نهانی بخواهندگان چیز ده
که خوشنودی ایزد از چیز به

دهش کز نظر ها نهانی بود
حصاری بر آسمانی بود

سپه را باندازه پایگاه
مده بیشتر مال از خرج راه

شکم بنده را چون شکم گشت سیر
کند بزدلی گرچه باشد دلیر

نه سیری چنان ده که گردند مست
نه بگذارشان از خورش تنگ دست

چنان رو که هنگام سختی و ناز
بود لشکر از چو توی بی نیاز

بروزی دو نوبت بیارای خوان
سران سپه را یکایک بجان

مخور باده در هیچ بیگانه بوم
تن آسان مشو تا نیائی بروم

بروشن ترین کس ولایت سپار
که آب روشن نیاید غبار

چو روشن تر است آفتاب از گروه
امانت بدو داد دریا و کوه

اگر مقبلی مقبلان را شناس
که اقبال را داروی اقبال پاس

مده مدبران را سوی خویش راه
که انگور ز انگور گردد تباه

وفا خصلت مادر آور دست
مگردان سرشتی که بودت نخست

چو مردارم را اگر داند آئین و حال
بگردد بر و سکهٔ ملک و مال

ز خوی قدیمی نشاید گذشت
که نتوان بخوی دگر باز گشت

مده خوی اصلی خود را نگان
مشو پیر خوی بیگانگان

پیاده که او راست آئین شود
نگونسار گردد چو فرزین شود

پیاده ندیدی که فرزین شود
همه کج رو زانکه خود بین شود

اگر صاحب اقبال بینی کسی
نباید که او را نگوشی بسی

بهر گردشی با سپهر بلند
ستیزه مبر تا نیابی گزند

منه دل بهر چه آورد روزگار
مگردان سر از پند آموزگار

اگر نازمی از دولت آید پدید
سر از ناز و دولت نباید کشید

بنازی که دولت نماید رنج
که در ناز و دولت بود کان گنج

چو هنگام ناز تو آید فراز
کند دولت آن روز نیز از تو ناز

صدف جمله تن زان شد استخوان
که مغزی چو در آرد اندر میان

از آن سخت شد کان گوهر ز سنگ
که ناید گهر جز به سختی بچنگ

بسختی ده اختر مشو بدگمان
که فرخ تر آید زبان تازیان

تفیروزه گون گنبد اندوه مدار / که فیروز باشی سرانجام کار
مشو ناامید از تو کار سخت / دل خود قوی کن به نیروی بخت

مینداز سنگی ببالا دلیر / دگرگون شود کار کاید بزیر
رها کن ستم را بیکبارگی / که کم عمری آرد ستمگارگی

شه از داد خود گر پشیمان شود / ولایت ز بیداد ویران شود
ترا ایزد از بهر عدل آفرید / ستم ناید از شاه عادل پدید

نکوکار چون رای بد بد کند / چنان دان که در حق خود میکند
چو گردد جهان کارگاه از نورد / بگرمای گرم و بسرمای سرد

ددان گرم و سرد سلامت بجوی / که گرداند از عادت خویش روی
چنان ز که هر فصلی از فصل سال / بخاصیت خود نماید خصال

ربیع از ربیع نماید سرشت / تموز از تموز آورد سرنبشت
که هر چه او بگردد ز ترتیب کار / بگردد بر او گردش روزگار

بجای تو گر بد کند ناکسی / تو نیز ار کنی نیکی با کسی
هم آنرا هم این را فراموش کن / زبان از بد و نیک خاموش کن

بنفش فره همچو الماس دار / به بیداری آفاق را پاس دار
چنین زد مثل کاروان بزرگ / که پاس شبان هست پابند گرگ

چو یابی توانائی اندر شست / مزن خنده کانجا بود خنده زشت
دگر ناتوانی در آید بکار / مکن عاجزی بر کسی آشکار

لب از خندهٔ خرمی در مبند / غمین باش پنهان و پیدا مخند
بهر جا که حربی فراز آیدت / بحرب آزمایان نیاز آیدت

هزیمت پذیرنده از حربگاه / نباید که یابد در آن حرب راه
اگر زنده جون که بدست آورد / بکوشندگان در شکست آورد

چو خواهی که باشد ظفر یار تو / ظفر دیده باید سپهدار تو
بفرخ رکابان فیروزمند / عنایت عزیمت بر آور بلند

دو شاخه کشایان نخجیرگاه / به نخلان نخجیر پابند راه
بهر چه آری از نیک و بد بجای / بد از خویشتن بین و نیک از خدای

چو این نامهٔ نامور شد تمام / بشد او دو شه گفت از آن شاد کام

خسرونامهٔ افلاطون حکیم

اگر روز کز علسهٔ آفتاب / دو میدند کافور بر مشک ناب
فرستاده شه تا بروشن ضمیر / فلاطون نهد خامه را بر حریر

نگارد یکی نامهٔ دلنواز / گر خوانندگان را بود برگ و ساز
بفرمان شه پیر دریا شکوه / جواهر فرو ریخت از کان کوه

ز گوهر فشان کلک فیما نبرش / نبشته چنین بود در دفترش
که باد افزون آسمان و زمین / زنا آفریننده را آفرین

پس آفرین کردن کردگار / بساط سخن کرد گوهر نگار
که شاه جهان از جهان برترست / جهان کان گوهر شد او گوهرست

چو گوهر نزاد است و گوهر نهاد / خطرناکی گوهر آرد به یاد
نمودار کز نیک و گر بد کند / باندازهٔ گوهر خود کند

کمینگاه وزدان شدان حله / نشاید در و رخت کردن یله
درین پاسگه هر که بیدار نیست / جهان بانی او را سزاوار نیست

جهانگیر چون بر آرد تیغ / بتدبیر گیرد جهان یا به تیغ
همان تیغ مردان که خونریز شد / بتدبیر فرزانگان تیز شد

بروز و شب بزم شاهنشهی / روا نا بناید که باشد تهی
شد آن به که بر دانش آرد شتاب / نباید که بفریبدش خورد و خواب

وه آفت بود شاه را همنفس / که در ویش آنیست این است و بس
یک آفت ز طباخه حرب و بست / که شه را کند چرب و شیرین پرست

دگر آفت از جفت زیبا بود / گر از آرزو ناشکیبا بود
ازین هر دو شه را نباشد تهی / که آن بر کند طبع را وین تهی

نه بسیار گوشه و ز بسیار خوار / گزین مستی آید و زین ناگوار
جهان را که بینی چنین سرخ و زرد / بساطی فریبنده شد در نورد

جهان اژدهائیست معشوق نام
نه باشیم زینگونه دنیاپرست
ازین چار ترکیب آراسته
اگر آب در خاک عنبر شود
جهان خار در مشت ما خار نیست
یکی گفت کز زشتی روی تو
چه خسپیم چندین بر آستان
ز خفتن چو مردن بود در هراس
چه بود گر زین خواب برگ فریب
ازین بیهده داوری ساختن
شتاب آوریدن بد و یاوه دشت
گذارند گیتی همه زیر پای
سلامت در اقلیم آسوده گیست
سرانجام هر بار کوشیدنی
بدریا هر آنکس که جان میکند
هوس بین که چندین هزار آهنین
جهان آنکسی است کو در جهان
پیک جو که چرنده شد سنگ خام
نباید غنودن چنان بیخبر
کجا عزم راه آورد داه جوی
شب و روز بیدار باشد بکار
چو شکر گشتی باشد ره شناس
بموکب خرامد چو باران برف
وزیشان نهانی کند باز جست
چو آید ز یک سر سلامت پدید

اگر زد کام نی جان بر آید ز کام
گر آریم جائی بخوبی بدست
ز هر گوهری عاریت خواسته
سرانجام گوهر بگوهر شود
بهم لائق است این و هست اندرست
اگر مرد کسی در جهان شوی تو
که با مرگ شد خواب همداستان
که ماند بهم خواب و مرگ از قیاس
شکیبا شدی دیدهٔ ناشکیب
زمانی بر آسودی از تاختن
چرا چون نباتی بود بازگشت
هم آخر بآتش آرند جای
گزین بگذری جمله بیهوده گیست
بجز خوردنی نیست و پوشیدنی
همانکس که در کوه کان میکند
نهند از دل و جان سر در زمین
خورد توشهٔ راه با همرهان
بدان خشتکیش چرب کردند نام
که ناگاه سیلی در آید بسر
ندانند چو آشفتگان بوی بوی
که بر خفتگان ره زند روزگار
ز دشواری ره زند روزگار
بهیبت نشینند چو دریای ژرف
که بی آب تخم از زمین بر نرست
سرِ هیچکس را نباید برید

نگوئیم که دنیا نه از بهر ماست
نهادی که برداشت از خون کند
عنان به که پیچیم ازان بیشتر
نخری آنکش بود جنگش درید
دو بیوه بهم گفتگو ساختند
دگر گفت نیکو سخن راندهٔ
کسی کو نداند که در وقت خواب
درین ره بجز خواب خرگوش نیست
نگو دیدی احوال نادیده را
چرا زین یک شکم دارنان
شتابندگانی که صاحب دل اند
همه رهروان پیش بینندگان
چه باشد درین آتشین هفت جوش
چو پوشیدنی باشد و خوردنی
کس از رزی خویش درنگذرد
زر آگین کر او خاک بر زر کند
ز کیسه بجز بی برد بند را
ره دور و برگی دران راه نی
نباید چنین تیز بیخواب خورد
نگهبان برانگیز و آن یاور را
پس و پیش بیند بفرسنگ دو تیغ
گذر گر بهامون کند در بکوه
زمین خیز آن بوم را یک دو مرد
بآسانی از کار گردد تمام
دران ره که دستی قوی تر بود

که هم شهری ما و هم شهر ماست
فرو دا شکستی بیجگر چون کند
گر ایشان زما باز پیچند سر
گر آینده می برد خر مید وید
سخن را بطعنه در انداختند
تو در خانه از نیکوی ماندهٔ
دگر ره به بیداری آر و شتاب
که خسپیدهٔ مرگ را هوش نیست
پسندیدهٔ و ناپسندیده را
گر آینده تا بد بهر سو عیان
طلبگار آسایش منزل اند
کنند آفرین بر نشینندگان
بصید کبابی شدان سخت کوش
حساب دگر هست ناکردنی
باندازهٔ خویش روزی خورد
خورد خاک و هم خاک بر سر کند
دهد فربهی لاغری چند را
ز پایان منزل کس آگاه نی
که تن ناتوان گردد و روی زرد
کند بر خود ایمن گذرگاه را
ندارد بگفتار بیگانه گوش
پراگندگی نا ورد در گروه
بدست آورد سر دارد بخورد
بسختی کشیدن نباید بکام
زدن پای پیش آفت سر بود

نشاید دران داوری پی فشرد
اگر دعوی نشاید در و پیش برد

چو بر رشتهٔ کار افتد گره
شکیبائی از جهد بیهوده به

همه کارها از فرو بستگی
گشاید ولیکن به آهستگی

فرو بستن کار در ره بود
گشایش دران نیز ناگه بود

سخن گرچه شد گفته بر جای خویش
سخندانی شاه ازین هست بیش

بهر جا که راند به نیک اختری
خرد خود کند شاه را رهبری

کسی کو به یزدان بود کارساز
بود ز آدم و آدمی بی نیاز

دلی را که آرد فرشته درود
باندیشهٔ کس نیاید فرود

اگر من بفرمان شاه جهان
مثالی نبشتم چو کار آگهان

نیاورد دم الا پرستش بجای
که اقبال شد شاه را رهنمای

نشد خاطر شاه محتاج کس
خدا او خرد یاور شاه بس

خرد باد در نیک و بد یار او
خدایا دسازندهٔ کار او

خردمند چون نامه را کرد ساز
بشاه جهان داد و بردش نماز

دل شاه از بند آزاد گشت
ازان نامهٔ نامور شاد گشت

سوم روز کین طاق نارنج رنگ
برآورد بازیچهٔ روم و زنگ

خسرو نامهٔ سقراط حکیم

بسقراط فرمود آری ارد م
که مهری ز خاتم برآرد بموم

نویسید خرد نامهٔ ارجمند
بهر نوع دوری ز هر گونه پند

خردمند روانه پذیرش نتافت
بغواصی در بدر یا شتافت

چنین راند بر کاغذ سیم سای
سواد سخن را بفرهنگ رای

که فهرست هر نقش را نقشبند
بنام خدا سر برآرد بلند

چنان آفرین ایزد کارساز
که دارد بدو آفرینش نیاز

پس از نام یزدان گیتی پناه
طراز سخن بست بر نام شاه

که شاها برین چاه خاشاک پوش
مشو جز بفرمان فرهنگ و هوش

ترا گر نسبی گوهر آمیختند
نه از بهر بازی برانگیختند

پلنگست در ره نهان گفتمت
دلیری مکن هان و هان گفتمت

بهر جا که باشی به پیکار و شور
مباش از رفیق هنر دار دور

چو در بزم شادی نشست آوری
به ار یار خندان بدست آوری

مکن در رخ هیچ غمگین نگاه
که تا بر تو شادی نگردد تباه

چو روز سیاست دهی بار عام
میفگن نظر بر حریفان خام

مبادا کزان لهو گستاخ فن
مرو با تو گستاخی در سخن

چو دریا مکن خوی تنها خوری
که تلخست هر چه آن چو دریا خوری

بهر کس مده بهره چون آب جوی
که تا بیش سلت شود چون سبوی

طعامی که در خانه داری بلند
بهنقاد خانش رسد بوی گند

چو از خانه بیرون فرستی بکوی
در و درگهت را کند مشکبوی

بنفشه چو در گل بود ناشگفت
عفونت بود بودی او در نهفت

سر زلف را چون برآرد بگوش
کند خاک را باد عنبر فروش

حریفی مکن کان سزای تو نیست
درو جز یکی نان برای تو نیست

نباتی که دندان غمیر است تیز
چو ابر آبرو بزرگان مریز

بیک قرص قانع شو از خاک و آب
نئی بهتر آخر تو از آفتاب

خدائیست وانه خورش تافتن
که درگاه خر شاید این یافتن

کسی کو شکم بنده شد چون ستور
ستوری برون آید از ناف گور

چو آید قیامت ترازو بدست
ز گاوی بجز بایدش بر نشست

ز کم خواری کم شود رنج مرد
ز بسیار ماند آنکه بسیار خورد

همیشه لب مرد بسیار خوار
ندارد غم بد باشد از ناگوار

چو شیران باندک خوری خوی گیر
که بد دل شود گاو بسیار سیر

خر کاهل ازانکه دم میکشد
ازانست کابی بخم میکشد

بقطره ستان آب یا چو میغ
بهنگام دادن بدو بید ریغ

همان مشک سقه که پر میشود
از افشاندن آبش بدر میشود

چنان خور تر و خشک زین خوانگاه
که اندازهٔ طبع داری نگاه

بجنبش بخور با زمان اندکی
ز هر طعمه خوشگوارش ببین
مده تن بآسانی و لهو و ناز
ببست کسان کان گوهر مکن
پرستندگان گرچه داری هزار
چو آئین پرستست نماند بجای
بگفتار خوش مهر باید نمود
سخن تا توانی بآزرم گوی
سخن را که گوینده بدگو بود
ز شغلی که زو شرمساری رسد
امید خورش خوشترست از خورش
چو زهره باب دهن می شکیب
ستمکارگان را مکن یاوری
چو خواری چندین سر انداختن
بترسی که شمشیر گردن زنت
ببین تا چه خون در جهان ریختی
بدان لب است ناید کزین سبز باغ
دلی دارد از مهربانی تهی
تو شاهی چو شاهین مشو تیز پر
بکاری که غم را دهد بستگی
بجز خون دور آلوده دست
چو شه با رعیت بداور شود
گلیم کسان را مبر سر بزیر
زیر دستگان را ز پوشیده دار
سخن زین نمط گرچه دارم بسی

که بر جا خویش ست این هر یکی
حلاوت مبین ساز نگارش ببین
سفر بین و اسباب رفتن بساز
اگر زنده دست و پائی بزن
پرستشگران را میفکن ز کار
نه آنگه بجانی تو بیدست و پای
زبان ناخوش و مهربانی چه سود
که تا مستمع گردد آزرم جوی
نه نیکو بود گرچه نیکو بود
بصاحب عمل رنج و خواری رسد
بوعده بود ریزه را پرورش
با آب دهن ریزه را می فریب
که پرسند روزی تا زین داوری
بدین گوی تا کی گرو یافتن
نگیرد بخون کسی دامنت
چه سرها بگردن در آویختی
گلی چند را سر در آری بداغ
چه دل گر تپیدن نیست نیز آگهی
باهستگی کوش چون شیر نر
شتابندگی کن نه آهستگی
ببخشای بر هر گناهی که هست
از رعیت بشه بر دلاور شود
گلیم خود از پشم خود کن چو شیر
و ز ایشان سخن را نپوشیده دار
بگویم که بد زین نگوید کسی

چو وای خوردی بماندی بجای
چو با مهر که سازی مشو شیر خوار
بکار اندر این چه پژمردگیست
ز ا دست و پا آن پرستشگرند
چو تو خدمت پای و نیروی دست
چو یابی پرستنده نغز گوی
پرستار پر مهر و شیرین زبان
سخن گفتن نرم فرزانگیست
ز گفتار بد به شود فرشتی
ز هر چه آن نیابی شکیبنده باش
نه بینی که در گرمی آفتاب
گلی کز نم آب خواهش برد
بخون ریختن کمتر آور بسیج
بسا آب دیده که در میغ نست
کجا ده چنان ای کز در گید و بیل
بسا مملکت کاکه کردی خراب
منه دل بر این سبز چنگ شموس
چو خاک از سکونت کمر بسته باش
بنا کس مدان است اندیشه را
چو آری بکس راهی جنگ آوری
ز دونان نگهدار پرخاش را
بشو نرم گفتار با زیر دست
کفن حله شد گرم دامه را
میاور بافسوس عمری بسر
ترا کایت آسمانی بود

جهان را توئی بهترین کدخدای
که با تشنه سیر کی بود ناگوار
که پایان بیکاری افسردگیست
که تا نگذری با نه تو رنند
حوالت کنی سوی آئین پرست
از و بیش از ان مهربانی مجوی
به از بدخوئی کو بود مهربان
درستی نمودن نه دیوانگیست
پشیمان نگردد کس از خامشی
بامید خود را فریبنده باش
حرامست بر تیره خز زهر آب
چو باران بسیل آید آتش برد
در اندیشه زین کنده با کس تو هیچ
بسا خون که در گردن تیغ بست
بمیدان ناقه در پای پیل
چو پرسند چون نا فخواهی جواب
که هست از دهانی برنج چو غروس
شتاب از فلک شد تو آهسته باش
که در ره خسکهاست این بشنیه را
به از در میانه درنگ آوری
دلیری بره بر خود واد باش را
که الماس نر زیر پا بشکنست
که ابریشم از جان تنند جامه را
که افسوس باشد بافسوس گر
ازین بیش گفتن زیانی بود

گرمم تیز شد تیغ برمن مگیر / زتیزی بود تیغ را ناگزیر
بر تیغ چنین تیز بازوی شاه / قوی باد هر جا که راند سپاه

قسم آخر از شرفنامه سکندر وسفر آکردن او بدعوے پیغام برے

چو پرداخت این درج در خامه را / پذیرفت شه این خردنامه را
سحرگه که سر برگرفتم زخواب / برافروختم چهره چون آفتاب

سر سخن برکشیدم بلند / براگندم از دل بر آتش سپند
به پیرایش نامهٔ خسروی / کهن سور را باز دادم نوی

ز گنج سخن بهره برداشتم / در و دُر ناسفته نگذاشتم
سر کلکم از گوهر انداختن / فلک را شکم خواست پرداختن

در آمد خرامان سخن سینهٔ / بمن داد تیغی و آئینهٔ
که آشفته گر خویش چندین مباش / ببین چون بهشتن را وخودبین مباش

نظر چون بر آئینه انداختم / در و صورت خویش بشناختم
دگرگونه دیدم دران سبز باغ / که چون پرنیان بود هر بیز راغ

زنرگس تهی یافتم تاب را / ندیدم چو آن سرو سیراب را
سمن بر بنفشه کمین کرده بود / گل سرخ را زردی آورده بود

ازان سکه زنتر رفتم زجاے / فرو ماندم اندر سخن سست پاے
نه پای که خود را اسپکرو کنم / نه دستی که نقش کهن نو کنم

خجل گشتم از روی رنگ خویش / نوائی گرفتم بر آهنگ خویش
هراسیدم از دولت تیزگام / که نگذارد این نقش را ناتمام

ازان پیش کاید شبیخون خواب / به بنیاد این خانه کردم شتاب
مگر خوابگاهی بدست آورم / که جاوید در وی نشست آورم

پژوهندهٔ دور گردنده حال / چنین گوید از گردش ماه و سال
که چون نامهٔ حکم اسکندری / مسجل شد از وحی پیغمبری

ز دیوان فرو شست عنوان گنج / که نامش بر آمد بدیوان رنج
بفرمود تا عبرهٔ روم و روس / نبشتند بر نام اسکندروس

ازان پیش گر تخت خود رخت برد / بدو داد آور بمادر سپرد
باندازه بگشاد مهر از زبان / چنین گفت با مادر مهربان

که من رفتم اینک تو داد و دین / جهان کن که گویند یا آفرین
بید روا باد بندگان خدای / چو مادر شدی مهر مادر نمای

بپروردن و داد و دین زینهار / نگهدار فرمان پروردگار
بفرمان بری کوش کار دهے / که فرمان بری به ز فرماندهے

ضروری مرا رفتنی شد براه / سپردم بتو شغل و بیم و گاه
گرفتم ره دور فرسنگ پیش / ندانم که آیم بر اورنگ خویش

گرامی چنان کن که از چشم بد / نه تو خیره باشی نه من چشم زد
دگر آمدن حال بیرون شود / بهش باش تا عاقبت چون شود

چنان کن که فرداوران داورے / نگیرد زبانت بعذر آورے
سخن چون بسر برد بردوخت رخت / رها کرد بر مادران تاج و تخت

بفرمود تا لشکر روم شام / بر عرضه کردند خود را تمام
ز لشکر هر انچه اختیار آمدش / پسندیده ترصد هزار آمدش

گزین کرد هر مردی از کشورے / بمردانگی هریکے لشکرے
چهارش هزار استر بهر بار / پس و پیش لشکر کشیده قطار

هزار نخستین از دو سپراک / بگیتی کشے کوه را گرد خاک
هزارش دگر بختے بارکش / همه بار کرده خورشہا خوش

هزار سوم ناقهٔ ره نورد / بزیب و زر و زیور سرخ و زرد
هزار چهارم حماران تیز / چو آهو که تاختن گرم خیز

ز هر پیشه کامد جهان را بکار / گزین کرد و صد صد همه پیشه‌کار
بهر پیشه کامد جهانگیر شاه / برافراخت رایت فے ماهی بماه

ز نقد و شبه وی دراه کرد / باسکندریه گذرگاه کرد
سریر جهانداری انجا نهاد / بره روزکی چند بنشست شاد

بآیین کیخسرو و تخت گیر
که بردار از جهان تخت خود بر سریر

بفرمود میلی برافراختن
برو روشن آئینه ساختن

که از روی دریا بیک ماه راه
نشان باز داد از سپید و سیاه

نشاند و نهاد اندران تاج و تخت
بر دیده بانان بیدار بخت

چو زآئینه بینند پوشیده راز
بدارنده تخت گویند باز

اگر دشمنی ترکتازی کند
رقیب حرم چاره سازی کند

چو فارغ شد از تختگاهی جهان
روان شد بختلی سپه در میان

نخستین قدم سوی مغرب نهاد
بمصر آمد آنجا دو روز ایستاد

دز انجا برون شد بعزم درست
بفرمان ایزد میان بست چست

چو لختی زمین زان طرف در نوشت
ز پهلوی وادی در آمد بدشت

ز مصرش تنی چند غم یافته
ز بیداد داور ستم یافته

تظلم کنان سوی راه آمدند
عنان گیر انصاف شاه آمدند

که چون از تو پاکی پذیرفت خاک
بکن خانه پاک را نیز پاک

بمصرش کسان آیت خویش را
بر افگن ز گیتی بداندیش را

در انجای پاکان یک اهرمنست
که با دوستان خدا دشمنست

مطیعان آن خانهٔ ارجمند
نه بینند ز و جز گذار و گزند

طریق پرستش رها میکند
پرستندگان را جفا میکند

بخون ریختن سر برافراخته است
بسی را بناحق سر انداخته است

همه در هراسیم زین دیوزاد
تو ای دیوبند از تو خواهیم داد

سکندر چو دید آنچنان ارئی
وز ایشان بر ایشان ستمکارهٔ

ستمدیده را گشت فریادرس
چو فریاد آمد که فریادرس

چو از قدسیان این حکایت شنید
عنان سوی بیت المقدس کشید

حصار جهان را که در باز کرد
ز بیت المقدس سر آغاز کرد

سکندر بقدس آمد از شهر روم
بدان تا برو فتنه زان مرز بوم

چو بیدادگر دشمن آگاه گشت
که آواز داد آمد از کوه و دشت

کمر بست و آمد به پیکار او
نبود آگه از بخت بیدار او

باول شبیخون که آورد شاد
بآن راه زد دیو بربست راه

چو بیدادگر بود خون ریختنش
بدروازهٔ مقدس آویختش

منادی برانگیخت تا در زمان
ز بیداد او بر گشاید زبان

که هر کو بدین خانه بیداد کرد
بدین گونه بخت بدش یاد کرد

چو زر دبستد آن خانهٔ پاک را
بعنبر برآمیخت آن خاک را

بر آسود از آن جان آسودگان
فرو شست از گرد آلودگان

جفای ستمگاره زو باز داشت
بطاعتگران جای طاعت گذاشت

از آن کار مقدس چو باساز گشت
سوی ملک مغرب عنان تاز گشت

بافرنجه آورد ز انجا سپاه
در افرنجه راندش بسی کرد راه

چو آمد که دعوی داوری
بدانش نمائی و دین پروری

کس از دانش و دین او سر نتافت
رهی دید روشن بدان ره شتافت

چو آموخت در هر کسی دین و داد
بهر بقعه طاعتگهی نو نهاد

برفتن دگر باره لشکر کشید
بعالم گشائی علم بر کشید

به تعجیل میراند بر کوه و رود
کجا سبزهٔ دید آمد فرود

چو درماندگی گشت برداخته
دگر باره شد عزم را ساخته

نمود از بیابان بدریا شتاب
برافگند کشتی بدریای آب

همه بر سر آب دریا نشست
بیاورد صیدی ز دریا بدست

از آن سو که خورشید میشد نهان
تکاپوی میکرد با همرهان

جزیره بسی دید بی آدمی
برون رفت میشد زمی تا زمی

پس و پیش باز آمدش جانور
هم از آدمی هم ز جنس دگر

درو هیچ زانیشان نیامیختند
در و کوه بر کوه بگریختند

سرانجام چون رفت راهی دراز
نشیب زمین گاه گاه آمد فراز

بیابانی از ریگ رخشنده زرد
که خورشید احمر برانگیخت گرد

بدان ریگ و بوم از کسی تاختی
زمین بر زبرش آتش برانداختی

همانا که بر جای ترکیب خاک
ز ترکیب گوگرد بود آن مغاک

چو پایان آن دارسی آمد پدید
سکندر بدریای اعظم رسید

محیط جهان موج هیبت نمود
ازان بیشتر جای رفتن نبود

حجاب معلق بدان آب را
بپوشید از بدها تاب را

همادر فرو رفتن آفتاب
اشارت بچشم ست دریای آب

چو آبی بیک جا مهیا شود
شود سیل و آنگه بدریا شود

دران بحر کورا محیط ست نام
معلق بود آب دریا مدام

بوقت رحیل آفتاب بلند
ز بیرکار آن بحر پوشد پرند

چو لختی بود سر بر آرد حجاب
که آید نورو زمین در حساب

چو آن چشمهٔ گرم را دید شاه
نشد چشمهٔ او گرم در خوابگاه

چنین گفت دانا که آن آب گرم
بسا دیدها کز بر آب شهر

من این قصه پرسیدم از چندیم
جوابی نداده کسی دلپذیر

که دانند بیرون ازین جلوه گاه
کجا میکند جلوه خورشید و ماه

چو سیماب دید آب دریا سطبر
گره بسته هر قطره در وی چو ابر

شه از ره شناسان بپرسید راز
بسنجیدن کار و ترتیب ساز

ندیدند کار آزمایان صواب
که شاه افگند کشتی آنجا بر آب

وگر کاندرین آب سیماب فام
نهنگ اژدهایست قصدانه نام

سیاست چنان دارد آن جانور
که بینند چون بیندش یک نظر

به پیراهن آب زین خانه دور
یکی قرصه بینی چو تابنده نور

فروزنده چون مرقشیشای زر
منی بود و من کمتر و بیشتر

ازان خرمی جان هر دو زمان
همان دیدن و دادن جان همان

ز هنجار جان بردنش رهنمای
همین خوانده اش لعبهٔ جانگزای

چنان بود کان پیر گوینده گفت
نبی چند ازان حال بر سنگ خفت

همه دیدها باز بندند چیست
کنند آنکه آن سنگ را باز جست

همه زیر کرباسها کرده بند
نهافته بر و باز پیچیده چند

چو یک سو دران بادیه تاختند
ازان نیز هم رخت برداختند

بدان ژرف دریا شگفتی بماند
که یونانی اوراقیابوس خواند

فرو رفتن آفتاب از جهان
دران ژرف دریا نبودی نهان

فلک هر شبانروزی از اوج دور
بدریا در افگندی از چشمه نور

همان چشمهٔ گرم گورست جای
بدریا حواله کند رهنمای

مقید بود تا بود در مغاک
معلق شود چون شود گرد خاک

چو خورشید پوشد جمال از جهان
پس عطف آن آب گرد جهان

علم چون بر آرد از اوج او
توان دیدنش در پس موج او

بدانش چنین مینماید قیاس
اگر رهبری نیست پرده شناس

ز دانا بپرسیدگان چشمه چیست
رسیدن نگهبان آن چشمه کیست

ازین پرده بسیار جستند راز
نماند بکس هیچ سر رشته باز

ده هر کسی شرح آن نور پاک
یکی کرد مرکز یکی کرد خاک

سکندر بران ساحل آرام جست
سوی آب دریا شد اندام شست

در آب ار چنان کشتی آسان برفت
و گر رفت بی ره شناسان برفت

که کشتی درین آب چون افگنم
چگونه بنه زو برون افگنم

نمودند شه را که صد رهنمون
ازین آب کشتی نیارد برون

سیاه و ستمگاره و سهمناک
چو دودی که آید برون از مغاک

ده جان و دیگر بجنبد ز جای
که باشند برای چنین رهنمای

بسی سنگ رنگین دران موجگاه
همه ازرق و زرد و سرخ و سیاه

چو بیند در و دیدهٔ آدمی
بخندد ز بس شادی و خرمی

ولی هر چه باشد ز مثقال کم
ز خاصیت افتد گر صد بهم

چو شد گفته این داستان شهریار
فرستاد و گرد آزمایش بکار

بفرمود شه تا هیونان سخت
بران سنگ تنگی رسانند رخت

ازان سنگ چندانکه آید بدست
بیارند اینجا هیونان مست

کنند آن هیونان ازان سنگ باز
نمایند خود را دران سنگسار

بفرمان پذیری قیبان راه
بفرمود شه تا ازان خاک زرد
بفرمود او سنگها ریختند
بترکیب آن سنگها بند بند
گلی کرد گیرنده زان زر و خاک
شنیده چنان شد ز آموزگار
برون بنا مانده بر جای خویش
هر آن ابر و اکامد آنجا قرار
چو بر باره شد سنگ را دید زود
شنیدم ز شاهان یک آزاد مرد
چو شاه این بنا کرد از ره شتافت
ازان ره که دریای نیل آمدش
شب و روز هر طرف آن ره و بار
بسی کوه و دشت از جهان در نوشت
کمر در کمر کوه از خاره سنگ
کشیده عمودی شتابنده زود
کسی کو بر آن پشته گاو بست
بد و گر یکی رفتی و گر هزار
که هر کس که بر کوه بران پشته رخت
سکندر جهاندیدگان را بخواند
که نتوان بر این کوه تنها شدن
چو بر پشته رفتن گرفتن قرار
چو کردند از ینان و سود نداشت
نویسنده باشد جهاندیده مرد
چو سیل آورد سوی آن پشتگاه

بجا آورید ند فرمان شاه
شتربان صد اشتر گران بار گرد
وزان سنگ بنیاد انگیختند
بر آورد وی پی در حصار بلند
برون بنا ابر اندوه پاک
که چون مدتی شد بر آن روزگار
درونش گراز هر خراشت بیش
بدیدار آن حسنش آمد نیاز
چو آهن بازو ز جان بود
شنید این سخن را او باور نکرد
ز دریا بسوی بیابان شتافت
گذر گه سوی رود نیل آمدش
دو اسپه همی راند کوه و غار
بپایان رسید آخر آن کوه و دشت
بر آورده چون سبزه مینا رنگ
ازان کوه مینا تن آمد فرود
بر انداختی جان بچنگال مست
چو مرغان پریده وران مرغزار
تو گفتی مگر یافتی تاج و تخت
دو چاره جوی بدین قصه اند
دو همراه باید بیکجا شدن
بر انداختن انچه ناید بکار
دگر باره دانا نظر بر گماشت
همان جامه کاغذش در نور د
بود پور رهبر بیست باد و براه

شه و لشکر از بیم چندان هلاک
چو آمد بجائی که بود آب گیر
همه همچنان کرده کریاس هیچ
گلی پر دریده چو باد ام مغز
درون راندند و خالی گذاشت
فرو ریخت کرباس از زانوی سنگ
درون ماندگان خرقه انداختند
طلب گرد بر باره چون ره ندید
ز سنگی که در یک عنش خون بود
فرستاد و این قصه را باز جست
چو پشتش را دیگر بپیمود راه
بسر چشمهٔ نیل رغبت نمود
بر آن پشتگان دور ابو میل
پدید آمد از دامن یک خشک
بد و راه بر بسته پوشیده راه
یکی پشته بر راه آن زود تند
زدی قهقهه چون بر و تاختی
فرستاد بر پشته شد چند کس
چنان چشم زین خیل بر تافتی
چنان را دیدند فرزانگان
سکونت نمودن در آن تاختن
بتدریج دیدن دران سو کوه
چنین شد ورین داور رهنمای
بود خوب فرزند آن مرد را
ببالا شود مرد و فرزند زیر

گذشتند چون باد ازان ره خاک
بر و بوم آنجا عمارت پذیر
کز ایشان یکی باز نگشاد هیچ
همه یکدگر را بر آورد نغز
گر آید دران پرده پوشیده داشت
پدید آمد آنکو هر هفت رنگ
بدان خرقه بسیار جان باختند
کمندی بر انداخت بالا و دید
چو کوهی بهم بر زنی چون بود
برو قصه شد را ز نمایش درست
ستوه آمد از رنج رفتن سپاه
گر آن راه را دیده نادیده بود
همیشه چو آید شور و در سیل
بلندی گهی سبز با بوی مشک
گذر گم شده راه جوینده را
گر از رفتنش پا پیا بود کند
وزان سو خود در انداختی
کز ایشان نیاید یکی باز پس
که چشم از خیالش اثر یافتی
دران دلکشت آباد بیگانگان
بهر ده قدم منزلی ساختن
بیک ره رسیدن که آرد شکوه
که مردی هنرمند پاکیزه رای
گران دور داره دغم و در درا
بود بچهٔ شیر زنجیر شیر

اگر باز پس ناید از اصل دین　　بفرزند خود باز گوید سخن
فرو افگند سوی فرزند خویش　　نبرد دل از مهر فرزند خویش
بدست آورید تحفهٔ شگرف　　که مجموعه بود این جمله حرف
پس از نیم روز آن جوان دلیر　　ز بالای آن پشته آمد بزیر
بشه داد کاغذ فرو خواند شاه　　نبشته چنین بود کز رنج شاه
رهی گفتی از سوی باریک سست　　بدو هر که آمد ز خود دست شست
چو بر پشتهٔ خار سنگ آمدم　　ز بس تنگی ماه تنگ آمدم
درین سوره بسته بیداغ بود　　ز لطف بلطف باغ در باغ بود
هوای تر و تازه آراسته　　خیابان کار روش خدا خواسته
ازین سو همه نیست و زندگی　　وزان سو همه آرد افگندگی
بهشت این و آن دوزخ تنگ و زشت　　بدوزخ نیاید کسی از بهشت
من اینک شدم شاه بدرود باد　　شما شاد باشید و ما نیز شاد
نگفت آنچه بر خواند با هیچکس　　که تا هر دلی نارد آنجا هوس
دران راه رفتن نیاسود هیچ　　نمیکرد جز راه رفتن بسیچ
ز رهش ریگ اندوهش از ریگ بیش　　تف آهش از ریگ تفسیده بیش
ولیکن چو گردید آهنگ شاه　　ز ظلمت شدی ره بر ایشان سیاه
کسی کو کشیدی سر از رای او　　شدی جای افگنده پای او
سخن بر آهنگ او ساز داد　　جوابی سزاوار شان باز داد
ز اندوه فارغ دران گشت بود　　شب و روز شیرین دران دشت داد
دل آشنا را بر افروخته　　به بیگانگان دین در آموخته
بیابانی از آتشین جوش او　　زبانی سخن گفته در گوش او
جهانجوی چون کان زر یافته　　بخندید چو طفل زر یافته
پدید آمد آن باغ زرین درخت　　که شد دادار زو یافته تاج و تخت
بکابین درختانش از میوه بار　　همه بار یاقوت یاقوت بار
ز بارش جواهر زمین کیمیا　　ز بیجاده گل وز زمرد گیا

وگر زینکه وار و زبان بستگی　　نویسد مثالی به آهستگی
پدر وار خاطر بسر جویدش　　ز فردوس و دنیا سخن گویدش
سوی کوه شد پیر با آن جوان　　چو بچه که با شیر باشد دوان
ز کاغذ گرفته نوردی بچنگ　　بر شاه شد رفته از روی رنگ
که جان آدم آنچنان کز هراس　　بدوزخ ره خویش کردم قیاس
درین رنج که جز مشکل موئی نداشت　　فرو آمدن هیچ روئی نداشت
ازان سو که دیدم دلم پاره شد　　خرد زان خطرناکی آواره شد
پر از میوه و سبزه و آب و گل　　بر آورد آواز مرغان دهل
هوا از لطافت در و مشک بیز　　زمین از طراوت در و چشمه خیز
اگر این بیابان که ما آمدیم　　ببین از کجا تا کجا آمدیم
اگر از دل هرگز چنین جای نغز　　نهد پای خود او دران پای نغز
شه از راز پنهان چو آگاه گشت　　سپه راند زان کوه پایه گذشت
چو دانست کانجا نشستن خطاست　　گذرگه طلب کرد بر دست راست
ز راه بیابان برون شد برنج　　چو ریگ بیابان روان کرد گنج
همه راه دشمن ز دام و دده　　بهر گوشه لشکر کشیده صف زده
کس از تیرگی ره نبردی برون　　مگر رخصت شه شدی رهنمون
برون از میانجی و از ترجمه　　بدانست یکیک زبان همه
برینگونه میکرد ره را نورد　　زمان و زمین را زبر زیر کرد
دران ره نبودش دگر هیچ کار　　که چون باد بر زد ز دلها غبار
چو زان دشت بگذشت چون باد او　　قدم در دگر دیولاخی نهاد
جز آن زر که باشد خدا آفرید　　کس از رستنیها گیاهی ندید
چو بختی دران دشت پیمود راه　　بباغ ارم یافت آرامگاه
درو رفت سالار گیتی نورد　　زمین از درختان زر دید زرد
ز تاریخ زرین وز زرین ترنج　　قریب آمده با نظرها بغنج
بساطی کشیده دران صحن باغ　　ز گوهر بر افروخته چون چراغ

زره برزده آن زر انگیخته ز هر قالبی صورتی ریخته
ز بلور یک حوضه ساخته چو یخ پاره سیم بگداخته
دو خشتی برآورد قصر عظیم یکی خشت از زر دگر خشت سیم
چو بسیار گردید پیرامنش دریده شد از گنج زر دامنش
درو گنبدی روشن از زرناب درخشنده چون گنبد آفتاب
درو رفت سالار فرهنگ هوش چو در گنبد آسمانها سروش
نهاده بر فرش مینا سرشت یکی لوح یاقوت از زر نبشت
درین دخمه خفته ست شداد عاد کز و رنگ و رونق گرفت این سواد
بکن سبز پوشی که پوشیده ایم برسوائی کس نکوشیده ایم
اگر خفته‌ای را درین خوابگاه برارند گنبد ز سنگ سیاه
تنش را نگه سود موران کند سرش خاک سم ستوران کند
ولیکن چو بینی سرانجام کار بر و باد شان از هر سو چون غبار
نجاری آگنده را در مغاک رها کن که هم خاک جای خاک
تو نیز ای گشایندهٔ قفل راز بترس از چنین روزها بیسار
همه گنج این گنجدان آن تست سر و تاج ما هم بفرمان تست
ازان خط که چون قطره آب اند بسا قطره آب از دیده راند
سکندر بر آن لوح باریخته چو لوحی شد از شاخ آویخته
برون رفت زان گنجدان نخست بآن گنج و گوهر نیالوده دست
چو دانست کان فرش زر ساخته بعمری دراز ست پرداخته
همه راه او خود پر از گنج بود زرده‌هی سیم و دیبج بود
چو یک نیمه روز آن بیابان برید گروهی دو ده آدمی سار دید
بپرسید شان کاندرین سایه دشت چه دارید افسانهای گذشت
چنین باز دادند شه را جواب که دوریست زین بادیه ابر و آب
درین دشت نخچیر بانی کنیم بر سیم دوان زندگانی کنیم
ز آتش بکار آید اینجا نه آب بود آب زابر آتش از آفتاب

چو در چشم پیکر شناس آمدی اگر زر نبودی هراس آمدی
در و ماهیان کرده از چرخ تاب نماینده‌تر زانکه ماهی در آب
چو شه شد دران قصر زرینه خشت گمان برد کامد بقصر بهشت
رواقی جداگانه دید از عقیق ز بنیاد تا سر بگوهر غریق
نیفتاده گردی بران از سرشک بجز سوسن و عنبر و گرد مشک
ستورانی از چرخ تابنده دید اگر ز دبوی کافور بری دوید
نبشته بر دکای خداوند زور که رانی سوی این ستوران ستور
بآزرم کن سوی او تاختن مکن قصد برقع برانداختن
نگهدار ناموس مادر نهفت که خواهی تو نیز اندرین جای خفت
سرانجامش این گنبد تیز گشت ز دیوار گنبد در آرد بدشت
یکی هر کسی را ز بهر ایوان خویش ستونی کند از ستوران خویش
که داند که شداد را یاد دست بمغل ستوران که خواهد شکست
ازان تن که با تیغ آگنده کرد نشانی نه بینی جز این خاکی زرد
مباش ایمن از مرگ کازاده مرد که آخر نیز آدمی زاده
گشاده دست پیش تو درهای گنج سیاه تراپس چنین پای رنج
ببر گنج کان بر تو باری مباد ترا باد و بابات کاری مباد
چو از چشم گریندهٔ آشکار بر آن خوابگه کرد لختی نثار
زباغی که در منع تیغ آمدش یکی میوه چیدن دریغ آمدش
ازان گنجدان کان همه گنج داشت نه خود برگرفت و نه کس را گذاشت
دگر باره سر در بیابان نهاد بر و بوم خود راهی کرد یاد
بیابانیانی سیه‌تر ز قیر به پیغولهٔ غارهای گیر
گذشت از شما کیست آن دام و دد که دارد درین دشت ماوای خود
درین ژرف صحرا که ماوای ماست خورشهای ما صید صحرا بهاست
خوریم انچه زان صید یابیم نرم کنیم آگه و جامه از سوی چرم
بروز سپید آفتاب بلند بود آتش باد زین شهر بند

ز شبنم چو گرد هوا تیزتر — دم ما کند زان نسیم آب خور
همان نیز پرسیده دیگر گروه — که دارنده ما و درین دشت و کوه
بیابان نیایند و حتی بسی — که هرگز نگیرند خو با کسی
از ایشان ها گر یک آید بدست — بپرسیم زو چون شود پای بست
نماینده گلاب نه زهر هاست — ز تری هوا نیست گوهر هاست
دگر نیز پرسیم شان در نهفت — چه هنگام خورد و چه هنگام خفت
بیابان درین پایه کس ندید — همان هیکلی دیگر از خلق دید
دویدیم چو آهوان سال و ماه — بپایان وادی نبردیم راه
بیابانیانی دگر دیده ایم — وز ایشان خبر نیز پرسیده ایم
نشان داده اند از بر خویش دور — بدانجا که خورشید را نیست نور
نکو روی و خوش خلق زیبا خصال — ز پانصد یکی را فزون بست سال
برون از وطن گاه آن دلکشان — بها کس ندادست دیگر نشان
درونیست دیده و انه آب خورد — که گرماش گرم است و سرماش سرد
همین است ازی که ما جسته ایم — ز دیگر حکایت ورق شسته ایم
در آموخت شان رسم و آئین خویش — برافروخت شان دانش و دین خویش
چو گشتند آزادان اسیران او — بشفقت نوازش پذیران او
ازان خاک چو شان باد سموم — نمودند راهش بآباد بوم
سرانجام کان ره بپایان رسید — دگر بار شد عطف دریا پدید
فگندند ماهی بران چشمه رخت — برآسوده گشتند ازان رنج سخت
چو دریا بدیدند یک ماه بیش — بخشکی رساندند بنگاه خویش
ز بادی جنوبی برآمد نسیم — دل رهروان رست زاندوه و بیم
بهم هم رسیدند ازان خستگی — ز تن رنج شان شد بآهستگی

درین گنج ما را اجز این رسا نیست — وزین برتر انجام و آغاز نیست
درین آتشین دشت بن ناپدید — که پرنده در وی نیارد پرید
ببرزه چندان بیک وزه راه — که آن بر نخیزد ز ما در دو ماه
که بی آب چون زندگانی کنید — بما بر چرا سرفشانی کنید
ز شغل شما چون نیابیم سود — شما را پرستش چه باید نمود
که چندانکه رفتند بالا و پست — درین بادیه آب ناید بدست
بپاسخ چنین گفت پس آن گروه — که بسیار گشتیم در دشت و کوه
نسازیم چون مار با هیچکس — خورشهای ما سوسمار است و بس
که بیرون ازین پیکر قیرگون — نشانی دگر میدهد رهنمون
که شهریست چون بیشهٔ مشک بید — درو آدمی پیکرانی سپید
اگر نیز پانصد برآید دگر — نه بینی کسی را ز پیری اثر
دگر نیز بیرون ازانجاک پست — بسی کوه صحرای نادیده هست
چو زو رستنی برنیاید ز خاک — درو جانور چون نگردد هلاک
سکندر بآن خلق صاحب نیاز — ببخشود بخشید شان برگ و ساز
وز ایشان بهنجارهای درست — سوی ربع مسکون نشان باز جست
چو ره کار خود ساز دریافتند — بره بردنش زود بشتافتند
سکندر روان دست بیگاه گاه — دو اسپه همی رفت بیراه و راه
هم از آب دریا بدریا کنار — بلادش گهی بیه چون چشمه سار
دگر بار کشتی بسی ساختند — ز ساحل بدریا در انداختند
چو از تاب انجم شبی تب زده — بپیچید چون مار عقرب زده
گرفتند یک هفته آنجا قرار — که هم سایه خوش بود و هم چشمه سار
مغنی دلم دور گشت از شکیب — سماعی ده امشب مرا دل فریب
سماعی که چون دل بگوشش آورد — ز بیهوشیم باز هوشش آورد

سیاحت کردن سکندر از حد مغرب بحد جنوب و دریافتن الماس

سخن سنج این درج گوهرنگار — ز درج این چنین کرد گوهر نثار
که شه چون ز مغرب بنادن برد رخت — بعرض جنوبی برافروخت تخت
هوائی جهاندیده سازنده تر — زبانه زمین را نوازنده تر

چو قاروره صبح نارنج بوی ترنجی شد از آب این سبز جوی
نمودند منزل شناسان راه که شه چون کند کوچ ازین جایگاه
درو مردمانی همه بت پرست رها کرده فرمان یزدان ز دست
چو شب خون خورشید در جام کرد دران منزل آن شب شه آرام کرد
جهان جوی بر بارگی بست رخت ز فتراک او سر بر آورد بخت
پدید آمد آن سبزه و جوی و باغ جهان شد جهان روشنی چون چراغ
چو شه در ده بت پرستان رسید زهی دیده ده مهتر آمد پدید
خمے هر کس از گل بر انگیخته ز گنبد ورود در غنچے ریخته
پس از سی چهل فرسنگ پیشتر بکندندی از مرده سرگشته سر
نهادند آن کله خشک پیش در باز جستندی احوال خویش
که امشب چه نیک و چه بد آید پدید هم اندر جز فردا چه خواهد رسید
که فردا چنین باشد از گرم و سرد چنین نقش دارد جهان نورد
چو دانست فرمانده چاره ساز که تعلیم دیو است زانگونه راز
بسی حجت انگیخت ای دوست که تا دوستان گردد آن رای پست
بران قوم صاحب بدی بر گماشت گداند ولی چند را پاس داشت
بفرخ رکابی و خرم دمے برون اند از آن شاه یک منزلے
رهی پیچ بر پیچ تاریک و تنگ همه او پر خاره و خاره سنگ
پس و پیش آن کوه را دید شاه ضرورت بدو کرد بایست راه
ز تیری و سختی که آن سنگ بود سم چارپایان بران لنگ بود
بفرمود تا از تن گاو و گور بچرم اندر آرند سم ستور
همان رهگذرها برو بند پاک ز سنگی که پوینده زد شد هلاک
ازان نان که بودند فراش راه تنی چند رفتند نزدیک شاه
بنعل ستورانش دریافتم بسختیش از نعل تر تافتم
بآن سنگ تو دشاه شمشیر تیز نبرد شمشیر شد ریز ریز
چو شه دید کان سنگ را آس کرد ز برندگی نامش الماس کرد

ازان کوچگه رخت پرداختند سوی کوچگاه دگر تاختند
دهی بند آراسته چون بهشت سوادش پر از سبزه و آب کشت
اگر شاه شان در پناه آورد ازان گمرهی باز راه آورد
چو طاوس خورشید بگشاد بال ز راندود شد لاجوردی مثال
خرامنده میرفت بر پشت بور بگور افگنی همچو بهرام گور
دهی چون بهشتے بر افروخته بهشتی صفت حله بر دوخته
خدائی نه وه خدائی بسے نه در کشت رانی نه در دکسے
جداگانه در روغنی هر خمے فگنده ز نامردمی مردمے
سری بود از مغز و از پی تهے فرو مانده در خون همه فربهے
قصیبے بر زندی بران استخوان شدندی بر آن کله فریاد خوان
خدا کبرون مدعی آن نهفت خدای کرمانند باشند بگفت
گرفتندی آن نقش را در خیال چنین بود شان کم ز شب ماه و سال
بفرمود تا کله ها بشکنند خم روغن از خانها بر کنند
در آموخت شان رسم دین پروری حساب خدائی و پیغمبرے
چو شد کار آن کشور آراسته روا رو شد از راه برخاسته
ره انجام را از برزین رام کرد چو انجم دران ره کم آرام کرد
پدیدار شد تیغ کوهی بلند که ابر شدن بود جان را گزند
برون برد لشکر بآن تیغ کوه ز تیغ آمده تیغ داران ستوه
چو شه دید کز سنگ پولاد سای خراشیده میشد سم چارپاے
نمدهای دیگر پا سمهای سطبر به بندند بر پای پویان هژبر
بفرمان شه راه میرفتند اگر بوده به پولاد میکوفتند
یکی هشت سنگ آمد پدید پیش که سم ستوران ازان گشت ریش
بسی کوفتیمش به پولاد سخت نشد پاره فولاد شد لخت لخت
بهر جوهری ساختندی خراش بارزیز برخاست از وی تراش
همی گفت با هر کس از هر دری که هست این گرانمایه تر جوهرے

بدان تا بژوهش سگالی کند
چو افتاد در لشکر این گفتگوی
کمر بر کمر گرد بر گرد کوه
چو در گه گوهر در آرد بغار
گمنزان شد آن که ز ماران گنج
چو شه دید کان کان الماس خیز
نظر کرد هر سو چو نظاره
چو ز انسان عقابان پرنده دید
گلو باز برند یکپاره شان
بفرمانبری زانکه فرمان نگوست
چو الماس چسپیده شد در کباب
چو برده شد خوردند بالای کوه
شه الماس کان را بهم گرد کرد
از انجا سوی دشت آورد میل
ستوران نعل آتش انگیختند
با آخر زنیروی بخت بلند
دران ترنج گر گشت زای شگرف
ز تاراج آن سبزه‌ئی کرده گم
فرزنده بیلش چو زین کلید
جهاندار خواندش با رزم گفت
بکاری تو شد بیل بر داشتن
بیا تا تر اباد شاهی دهم
چنین گفت کای نفس روزگار
بجز دانه کاری مرا کار نیست
تنم در درشتی گرفتست چرم

ره خویش از الماس خالی کنند
میان بست هر کس باین جستجوی
یکی وادئی بود دریا شکوه
نه دریای ماهی که دریای مار
که بی مار نتوان شدن سوی گنج
گذرگاه دارد چو الماس تیز
بدان تا بدست آورد چاره
عقابین اندیشه در ره کشید
کنند آنکه از یکدگر پاره شان
ازان گوسپندان کشیدند پوست
بجنبش در آمد ز هر سو عقاب
پس هر عقابی دوانده گروه
یکی آب گون دیگر رنگ زرد
فرود آمد از کوه چون سیل سیل
بجای خوی از سینه خون ریختند
سپه از گله رست شاه از گزند
نوازش گرفته ز باران و برف
ز رنج ستوران بیگانه سم
نشان بردمندی ز دو پیچ دید
که خوی تو با خاک چون گشت جفت
بورانه ده دانه کاشتن
ز بیگار خاکت رهائی دهم
همه بوستان از تو آموزگار
بمن بادشاهی سزاوار نیست
بلاک دستان بو جای رزم

نمودش هر کس بیک جو سپید
بسی باز جستند بالا و پست
فراوان دران وادی الماس بود
ز ماران در و صد هزاران بجوش
همان راه گنجینه دشوار بود
هم از ترس ماران هم از ترس راه
عقاب آشیانه بر کمرهای سنگ
بفرمود کاندیشی هزار
که جا کان الماس بینند زیر
بجا کان الماس بشناختند
کباب نمک هر دو بر دوختند
هر الماس کز گوشت افتاده بود
جز او کان الماس را کس ندید
دران بویه تعجیل بسیار ساختند
چو رفتند ازان راه کیا پیش
برون بر دو شه رخت ازان سنگلاخ
ز سبزی تری و تابندگی
ز خوبی و چالاکی آن پیکرش
گهی بیل بر داشت گه می‌نهاد
جوانی و خوبی و بیدار مغز
بدین فرخ گوهر تابناک
بیار سخ کشاد ز ره آهسته راه
چنان ده بهر پیشه در پیشه
کشاورز را آنچه باشد درست
تن سخت گونا زمینی کند

که تا را داند با آن سنگ برد
گرانمایه جوهر کم آمد بدست
که روشنتر از آفتاب در الماس بود
که دیدست ماران جوهر فروش
طریق شدن ناپدیدار بود
کسی سوی او آز رفت از بناه
بسی هر یک شکاری بچنگ
به بینند کان فربه است این هزار
بران کان فشانند یک یک دلیر
ازان گوشت لختی بینداختند
دران غار جز مار نگذاشتند
بر شاه بردند آنکه آزاده بود
که او بود بر قفل کانها کلید
رهی بی قلاور همی تاختند
سم باد پایان شد از کوه پشب
عمارت گهی دید جای فراخ
بر و جان و دل را شتابندگی
سزاوار تاج کیانی سرش
گهی بند می بست و گه می‌گشاد
ز نغزان نیاید مگر کار نغز
نفرخ بود هم ترازوی خاک
چو آورد بر شه طاخدمت بجای
که در خلقتش ناپدید اندیشه
چو ز می نشیند شود گوهریست
چو صنعی بود کاب یکیتی کند

تظلم کرده بر زیر شمشاد و سرو
نشاط گل افکند بر طرف جوی
چو خوشتر بدین فصل آواز رود
بسی ساز با بر کشیم از ساز او
از و بوسه و ز تو غزلهای تر
دلم باز طوطی نهاد آمده است
گیا خواره را گل بگردن گذشت
بعنبر خوری نرگس خواب ناک
دگر بار بر مرز هندوستان
ازان راه چون دو رخی تافته
بهاری در و دید چون نوبهار
درانجانه از زر بتی ساخته
ز گوهر بچشم اندرون دوخته
بفرمود شه تا بر آزند گرد
سخن گوی یک لعبت از کنج کاخ
که شاه جهان داور و دادگر
دگر کین بت از گفتهٔ راستان
جهاندار فرمود کان دلنواز
دعا کرد و گفت این فروزنده کاخ
دو مرغ آمدند از بیابان نخست
همه شهر مانده از ایشان شگفت
بزرگان که این مملکت داشتند
طمع بر دلی هر کسی کرد راه
بر آن رفت میثاق آن انجمن
دری کان دو مرغ هوا آورد هست

خروس صراحی خون تذرو
برامشگری بلبل نغز گوی
وزان آب گل کشت گل آید فرود
دریده برابریشم آواز او
یکی چون طبرزد یکی چون شکر
که هندوستان شد پدید آمده است
نفیر گوزن آمد از کوه و دشت
چو کافور تر بر دمیدن ز خاک
گذر کرد چون باد بر بوستان
گرو بستهای تمثیل بافته
پرستش گهی نام او تندهار
برو خانهٔ گنج بر داخته
چو روشن دو شمعی برافروخته
ز تمثال آن پیکر سال خورد
شهنشاه شد کرد ابرو فراخ
که از خاور او راست تا باختر
فریبنده دارد یکی استان
گشاید در درج یاقوت باز
که زرین در خلعت فیروزه شاخ
گرفته دو گوهر بمنقار چیست
که چون شاید این مرغکان را گرفت
بر آن گوهر اندیشه بگماشتند
که هر گوهر او را بود دستگار
که از بهر بتخانهٔ خویشتن
گرش آسمان بر نگیرد رواست

برقص آمده آهوان یکسره
نسیم گل و نالهٔ فاخته
سرائیدن ترک با چشم تنگ
سخنهای هر سخته با بانگ ساز
ببوسه غزلهای تر میدهی
چو گور از ریاحین کفل کرد گرد
گل تر برون آمد از خار خشک

بفصلی چنین شاه ایران و روم

از انجا بمشرق علم بر فراخت
در آمد بآن شهر مینو سرشت
عروسان بتها دو در روی یکی
سر و تاج آن پیکر دلربای
فروزندهٔ صحن آن تازه باغ
زر و گوهرش بر گشاینده زود
بگیرد غبار از ره شاه رفت
بزر و بگوهر ندارد نیاز
اگر شاه فرمان دهد در سخن
دگر ره پری پیکری مشک خال
ازان پیش کاین بتخانه داشت
نشستند بر گنبد این سرای
بدین چون در آمد زمانی دراز
ندیدند همتای او در جهان
پدید آمد اندر میان داوری
بتی ساختند از همه زر و در
ز خورشید گیرد همه دیده نور

ز درخشت آوا و از آهو بره
چو یاران محرم بهم ساخته
فرو هشته گیسو بگیسوی چنگ
تو گوئی وا او گوید از چنگ باز
طبرزد و ستانی شکر میدهی
برآمیخت شنگرف با لاجورد
بنفشه برآمیخت عنبر بمشک
ز ویرانه آمد با باد بوم
یکی ماه بر کوه و بر دشت تاخت
که ترکانش خوانند کنگر بهشت
پرستندهٔ بت شده هر کسی
بر آورد با طاق گنبد سرای
ز بس شب چراغیست چون چراغ
که با بت بیابان بود با خلق شود
بسی آفرین کرد با شاه گفت
که گیتی فروز است گردن فراز
فرو گویم این استان کهن
گشاد از لب چشمه آب زلال
یکی گنبد نیز ویرانه داشت
ز فیروزی و فرخی چون همای
فگندند گوهر پریدند باز
فرو میچکید آب شان از دهان
خبر کرد شان عاقبت یاوری
بجای دو چشم آن دو گوهر درو
زمانی کند دیده خورشید دور

بران قرضه گنجینه زدر دور
پراگنده گیسو براندام خویش
چو آن لحن شیرین بگوش آمدش
شگفته بود لحن آن زیر و بم
چو دیبا چنین بر فلک وطراز
درین آب شوریده خواهم نشست
اگر بربسی از عقل آموزگار
نگهبان کشتی که بوده سکندرت
نمودش که تا نایم اندر فراز
گراهیم تراخود شوهم حق گذار
در افگند کشتی بدریای چین
ز چندان حکیمان عیسی نفس
جهان در جهان اندر آب شور
که سوی محیط آب جنبش نمود
زره نامه چون باز جستند راز
اگر خفتند لختی در آنجا قرار
گر این مرحله منزلی مشکلست
اگر منزلی رخت زانسو بریم
طلسمی بفرمود بیرداختن
چو زینسان طلسمی متین ریختند
گزین جا در نگذرد راه کس
چو خسرو طلسمی از انگونه ساخت
بدان تا طلسمی مهیا کنند
ز دریا چو ده روز بگذاشتند
در آن بند اگر کشتی تاختی

اگر گوهر ز دریا بر آورده نور
زده مشک بر نقره خام خویش
جگر گرم شد خون بجوش آمدش
که هم خنده و گریه آرد بهم
شد از صوت شعمی جهان بی نیاز
اگر از خدائی درین پرده هست
بکاری دوانده ار روزگار
در آورد کشتی بدریا ز دست
نباید که گردی تو زین جا باز
و گرنه تو دانی و ترتیب کار
که دیدست دریا کشتی نشین
بلیناس فرزانه با بر دو جنس
نهان دیده دانش بهر دست دور
نیاز آمدن باز گشتن نبود
سو باز بس گشتن آید نیاز
ز سیلی محیطی همه ترسکار
بره تا نهادر بسین منزلست
ازین سو بمنزل اگر بگذریم
اشارت کنان دستش از فراختن
ز رکن جزیره بر انگیختند
ره آدمی تا بانجاست بس
درین تعبیه ایزدان شناخت
مرا بین که چون خضر دریا کنند
غلط بود منزل خبر داشتند
در و سالها دائره ساختی

گروهان لعبتان بد کز موج آب
سرآینده بر یک گروه سرود
بر آن چوب و از نخچه گریست
ملک را چو شد حال ایشان درست
باستاد کشتی چنان گفت شاه
خطرناکی کاروان نسته ام
نگهبان کشتی نپذیرد گذشت
شه کاروان گشت کشتی گرای
ندانم درین راه کم بود گی
چو گفت این سخن دیده چون کرد
از آن همرهان بکار آمده
بسو ژرف اندر دریا کنار
چو یک چند کشتی روان شد بر آب
نواحی شناسان آب آمدند
جزیره یکی گشت پیدا ز دور
ز پیران کشتی یکی کاروان
دلیری که بکار آید رخت جای
سکندر چو زین حال آگاه گشت
کزین بیشتر خلق را راه نیست
بر آن کشتی کار دانا شتاب
بتعلیم او کاردانان راز
بفرزانه گفت این همه رنج برد
بفرمان کشتی کش چاره ساز
پدید آید از دور کوهی بلند
برون نا مدت تا کشتی خراب

علم بر کشیدند چون آفتاب
بهر روی تو آمین تر از صد دود
دگر باز خندید کین گریه چیست
دگر بار شد باز جائی نخست
که کشتی در افگن در آن موج گاه
شنیدن دو روز کم توانسته ام
در آورد کشتی بدریا ز دشت
بهر دو ماند خاقان چین بجای
که کم دوانند ز آنسو درگی
کسی را که بکند شست بدرود کرده
بهر دو آنچه بود اختیار آمده
بدریای مطلق در افگند یار
پدید آمد آن سیل دریا شتاب
رسیده گشتند از آن ژرف جای
درفشنده مانند یکپاره نور
چنین گفت باشاه بسیار دان
بسوی محیطست جنبش گرای
کزین سیل کیهش نتوان گذشت
از آن سو دریا کس آگاه نیست
طلسمش نماید اشارت بآب
دگر باره ز آن راه گشتند باز
طفیل چنین شغل باید شمرد
جهان جوی زان سیل گر گشت باز
گرداب در کنج آن کوه بند
ز کشتی کسی زنده ز آن بند آب

چو استاد کشتی بآن خط رسید
ببالای آن بند کوه ایستاد
خبر داد شه را شناسای کار
خردمند خواننده و راکام شیر
به بیچارگی اندر آمد پدید
کنون در خطرهای جان آمدیم
بتقصیر میکرد و این راه باز
مثل زد سکندر بران کوهسار
گر آن رای فیروزه یاری دهد
اگر سازد اینجا شهنشه درنگ
کسی کو در آن گنبد آرد قرار
شگفت آمد این شعبده شاه را
ز رازستنیهای او هرچه خواست
یکی گنبد افراخت از خاره سنگ
بشه گفت چون گنبد افراختم
شه آن کاروان را که کشتی رباید
نشد آمد شو گنبد سنگ بست
برون جست کشتی ز گرداب تنگ
ز شادی بفرزانه چاره سنج
که آن کام شیر از چه بابل بست
ز دروا تا بسر رسید این ره اندرا
که چون کشتی افتد در آن کنج کوه
بدان تا چو کشتی بدر روز هم
هراسان شود ز آن آواز تیز
بدین فن هر کشتی از تنگنای

ابر کار کشتی خط اندر کشید
به پیوند فرزند میکرد یاد
از آن ژرف دریای ناسازگار
که چون کام شیر است بر خون دلیر
رخ ریش را آبله بر دمید
ز یاران سوی ناوردان آمدیم
ازینجا بچین سست راهی دراز
که دیری درست آمد اندوه دام
ز کشتی رهی رستگاری رهد
طلسمی برون آرم اندر رو سنگ
بران طبل زخمی زند استوار
که فرزانه چون ساخت آن کار را
همه آلت کار او کرد راست
پذیرای آواز افسون و رنگ
طلسمی و طبلی چنین ساختم
بفرمود تا کشتی آنجا رساند
به طبل آزمائی و وائی بدست
در انجای گردش نماندش درنگ
بسی تحفها داد جز مال و گنج
سخن چون دو قولی بود مشکل است
از آن طبل پیدا کن آواز را
یکی ماهی آید سطبر و شکوه
بلا دیدگان را کند در شکم
شود ژرف دریا نماید گریز
نداند دگر راه را جز خدای

فرو برد لشکر بپائین کوه
جهاندار گفتش چه دریافتی
که هر کشتیی کو بدینجا رسید
ز بس موج دمار خطرهای آب
اگر راه پیشین خطرناک بود
همان چاره باشد کزین تیغ کوه
ز دو یاره هست این دو در دست
ز فرزانه کاروان بازجست
پذیرفت فرزانه کاقبال شاه
کنم گنبدی بر دبر انگیزمش
برانی رسد کشتی از بندگاه
بفرزانه فرمود تا آنچه گفت
باوستادکاری خداوند هوش
طلسمی مسی در وی انگیخته
در انداز کشتی بآن بند آب
چو کشتی در آن بندگاه افتاد
بزد طبل و بانگی ز طبل رحیل
شه از مهر آن کار سر دوخته
دگرگونه در دفتر آرد دبیر
زیک بحر چون هست بیرون دو در
خبر داد دانای هیئت شناس
زند دائره گرد کشتی در آب
چو آن طبل و آئین گر کینه چرم
روان گرد آب از بر و بال او
شه از بازی آن طلسم شگرف

ابر وخت با او برون شد گروه
که روا ز جهان پاک بر تافتی
از این بندگه رستگاری ندید
قضای دگر کرد بر ما شتاب
که از رفتن آینده را باک بود
بخشکی برون جان برد این گروه
که دوری وی ریش را چاره هست
که رائی در اندیشه داری درست
کند رهنمونی مرا سوی راه
یکی طبل در گردن آویزمش
بآئین پیشین در افتد براه
بجا آورد آشکار از نهفت
در آن بازی سخت شد سخت کوش
بگردون درش طبل آویخته
بزن طبل تا چون نماید شتاب
ز دیوانگی گشت چون دیوباد
برآمد چو بانگ پر جبرئیل
چو مهر بهاری شد افروخته
ز ره نامه ره شناسان پیر
همانا که مشکل نباشد سرود
باندازه آنکه بودش قیاس
بسرا و گند نیز کشتی شتاب
بماهی رساند یک آوازه گرم
افکند میل کشتی بدنبال او
گرانیده شد سوی دریا ژرف

بران کوه دیگر نبودش درنگ / سوی فرضه گه گشت بالای سنگ
بدان فرضه بی آنکه اندیشه کرد / رسن بازی هندوان پیشه کرد
چنان کرد لطف خدا یاوری / که حاجت نبودش بآن داوری
بسی تب زده قرص کافور خورد / نخورده شد آن تب چو کافور سرد
نشاننده ملاح گستاخ چنگ / بکشتی درآمد چو جوشان نهنگ
برافروخت اوراز کشتی لبساز / بآن ره که بود آمده گشت باز
خلایق ز کشتی برون آمدند / بشادی چگویم که چون آمدند
چو آسوده بر خاک آن دشت پاک / غم و ترس برداز دل سهمناک
چو خاقان ازین حالت آگاه شد / خرامان و خندان سوی شاه شد
شد از دلنوازیش در بر گرفت / سخنهای پیشینه از سر گرفت
وزان راه الم کردن آن گروه / گرفتار کردن بآن بند کوه
چو این قصه بشنید خاقان چین / بر اقبال شه تازه کرد آفرین
جهان را درین آسمان راز بود / که شاه جهان چاره پرداز بود
خیالی که در پرده شد روی پوش / نه بیند درو جز خداوند هوش
جهان از تو دارد کشایندگی / ترا در جهان باد پایندگی
جهان تاختن باز یاد آمدش / خطرناکی رفته یاد آمدش
قلاوز بر داشت آهنگ خویش / شد از پای محمل کشان راه در پیش
ز تیغ و سپرهای آراسته / گل و سوسن از دشت برخاسته
بسوی بیابان برآورد رخش / سپه را ز مال خود تن ادبخش
چو ده روز خسرو بیابان نوشت / عمارت پدید آمد از آب و کشت
ز خاقان بپرسید کین شهر کیست / بره نامه نام این شهر چیست
بجز سیم و زر کان بود خانه خیز / دگر چیز را نیست بازار تیز
غریبان گریزند زین جایگاه / که وحشت کند وز ایشان پناه
چو خورشید سر بر زند زین رواق / برآید ز دریا طراقا طراق
نه بیر زمین خیمه دارانه بیست / که طفلان در آن خیمه و خیمه بست

برانست

چو هندوی شب از رواق کبود / رسن بست بر فرضه هفت رود
درین غم که بر طبل کشتی گرای / که زخمی ز بد گو نماند بجای
بسی گو کند دارو چشم ساز / بداروی چشمش نیاید نیاز
دوا کردن از بهر درد کسان / بسا زنده باشد سلامت رسان
شکنجه گشا دار ره بادبان / ستون بر اقوی کرد اندر جهان
روان کرد کشتی بآب سیاه / بکم مدت آمد سوی فرضه گاه
چو اسکندر آمد ز دریا بدست / گذشته بسر بر بسی سرگذشت
بسی بنده و بندی آزاد کرد / ز یزدان بسی نیکویی یاد کرد
ز شکر و ز شکرانه باقی نماند / بسی گنج در پای خسرو فشاند
ازان مهلکه دان خطر ساختن / طلسمی بدان گونه پرداختن
وزان بر سر کوه بگریختن / رهاننده طلبی برانگیختن
که پادشاه شاهان فلک داد کرد / دل اهل جهان خاقان بدو شاد کرد
ز هر نیک هر چه که آید بدست / مرادی که در دور پوشیده هست
گر اینجا نپرد اختر شهریار / ز دست که برخاستی این شمار
چو اسکندر آسوده شد هفته / نیاورد یاد از جهان رفته
دگر ره سفر خواست از کوچگاه / سر آهنگ لشکر درآمد براه
ز رنگین علمهای گوهر نگار / همه روی صحرا شده نوبهار
درآمد برین شاه گیتی نورد / ز گیتی بگردون برآورد گرد
بیابان چو شسته بگرفت پیش / که جوشنده پیدا ز تفش مغز خویش
یکی شهر کافور گون رخ نمود / که گفتی نه از گل ز کافور بود
نشان داد داننده از کار شهر / که شهریست این از جهان نیک بهر
کسی را بود پادشاهی درو / که بیند فرا لبی ورد
نگیرند آتش بجوید قرار / ز هر سو که باشد بدریا کنار
چنان کز جنان نعره هولناک / بود بیم کاندر دل آید هلاک
بزرگان را خیال آرند گوش / دگر نی نه دل پای دارد نه گوش

دل شاه شوریده شد زین شمار
ز فرزانه درخواست تدبیر کار

چنان داد فرزانه پاسخ بشاه
که فرمان بده بامدادان پگاه

ازان پیش کز افغان آن گروه
برآید ز لشکر که آواز گوش

تبیره زنان طبل بازی کنند
بآهنگ دهل نغمه سازی کنند

بدانگونه تا زور گردد بلند
ز طبل و دهل بر نیاره نه بند

بدان تا ز دریا که آید خروش
نیوشنده را مغز آید بجوش

چو بانگ است کافغان بیداد را
سبب چیست آن بانگ و فریاد را

بشه گفت فرزانه کز اوستاد
چنین یاد دارم که هر بامداد

چو هر روز کاب افتد آفتاب
ز گرمی مطبق شود موج آب

پس آوازها خیزد از موج بر
اگر افتند چون کوه بر یکدگر

ز تندی چو تندر شود آن زمان
که تندی همانست تندر همان

دگرگونه دانا بر انداخت رای
که سیماب لرزد دران آبجای

چو خورشید جوشان کند آب را
ز خود بر کشد جوش سیماب را

دگر بار چون زان افق بگذرد
ببینداز آنرا که بالا برد

چو سیماب در پستی افتد رواج
برآید چنان بانگهای ز موج

جهان مرزبان کار فرمای شهر
در آورد لشکر بنزدیک شهر

فرود آمد آسایش آغاز کرد
دران مرحله برگ ره ساز کرد

مقیمان بقعه چو آگه شدند
بکالا خریدن بسو شه شدند

متاعی که در خورد آن شهر بود
خریدند گر نوش و گر زهر بود

ز هر نقد کان بود پیرایه شان
یکی بست میکرد سرمایه شان

شه از خامه خویشتن بی بها
بهر مشتری کرد چیزی رها

جداگانه از بهر سالارشان
بسی نقد بنهاد در بارشان

چو دانست سالار آن انجمن
ره و رسم آن شاه لشکرشکن

فرستاد نزلی بترتیب خویش
خورشها دران نزل اندازه بیش

هم از جنس ماهی هم از گوسپند
دگر خوردنیها جز آن نیز چند

خود آمد بخدمت بسی عذر خواست
که نامد ز ما نزل راه تو راست

بیابانیان را ازینها شد نوا
بخر گرمی کان بود در هوا

بر او کرد شه عرض آیین خویش
خبر دادش از دانش و دین خویش

ز شه دین پذیرفت کردش سپاس
که زان گمرهی گشت یزدان شناس

ز درگاه خود شاه نیک اخترش
روان کرد با خلعتی در خورش

چو سیفور شب قرمزی در نوشت
در افتاد ناگه ازین بام طشت

فرو خفت شه با رفیقان راه
ز رنج ره آسود تا صبحگاه

چو ریحان صبح از جهان بر دمید
سر آهنگ فریاد دریا رسید

مگر طشت دوشنبه کافتاده
بوقت سحر که صلا داده بود

شه از هول آن بانگ زهره شگاف
بغرید چون کوس خود در مصاف

بفرمود تا لشکر آشوفتند
بیکبار نوبت فرو کوفتند

خروشیدن طبل و فریاد کوس
جرس بانگ زد از گلوی خروس

بآواز طبلی که بر داشتند
دگر بانگ را باد انگاشتند

بدانگونه تا سر برآورد چاشت
تبیره جهان ابر آشوب داشت

همه شهریان گرد آن طبل تیز
دل آشفته گشتند چون رستخیز

ودیدند بر طبل گاه نفسیر
چو بر طبل دجال بر نادبیر

شگفت آمد آواز ازان سازشان
که می بود غالب بر آوازشان

چو نیمی شد از روز گیتی فروز
روان گشت ازانجا شه نیمروز

همه مرد و زن در زمین بوس شاه
بحاجت نمودن گرفتند راه

گزین طبلها شجاعت نمای
چه باشد که طبلی دو مانی بجای

مگر چون خروشان شود ساز او
شود بانگ دریا بآواز او

دران شهر زان زر و سیم او فتاد
که در جنبش آید دهل بامداد

شه آن رسم را نیز بر جای داشت
که هر صبحدم با دهل راه داشت

بماهی کم و بیشتر زان زمین
در آمد بآبادی ملک چین

به لشکرگه خویش ره باز یافت
فلک را دگر بار دمساز یافت

برآسود یکماه زان خستگی — بپسیجیده ره با همستگی
مغنی دل تنگ را چاره هست — بجز سازگان هیچ بیچاره نیست
دماغ مرا کز غم آمد بجوش — ابا بریشمی تار کن حله پوش

رسیدن سکندر از حد مغرب بحد شمال و بستن سد یاجوج و ماجوج

چو در خانهٔ خویش رفت آفتاب — ز گرمی شد اندام شیران کباب
تبشهای تموزی از دست برد — ز روی هوا چرک مرغی سترد
گیا دانه بگشاد بگسست برگ — بلالستان اندر افتاد مرگ
بجوشید در کوه و صحرا بخار — شکر خنده شد میوه بر میوه دار
ز هامون سوی کوه شد عندلیب — بگریه همی گفت چیزی غریب
بکوشش جهان از هوای نمود — نوای چکاوک نیامد هنوز
درفشنده خورشید گردون نورد — ز باد خزان نیش عقرب نخورد
شب و روز میرفت در چین تنگ — بشمشیر افکنی تیغ غازی بجنگ
چو شیران دریدند از سر دست و دور — گهی ساق گاو و گهی سیم گور
در ایام ماه خور گرمای گرم — کز ان تاب خورشید شد سنگ نرم
سکندر زر چین را جیز کرد — بر خواب را تنگ و دلگیر کرد
رها کرد خاقان چین را بجای — دگر بار سوی سفر کرد رای
بسی گنج در پیش خاقان کشید — در آنجا سپه در بیابان کشید
فرو کوفت بر کوس دولت دوال — ز مشرق در آمد بحد شمال
بیابان ریگ روان دید و بس — نه پرنده در وی نه جنبنده کس
بسے رفت کس در بیابان ندید — همان راه را نیز پایان ندید
زمین دید رخشان و از رخنه دور — در و ریگ رخشنده مانند نور
بنه گفت هر کاین ره تنگ پاک — همه نقره شد نقره تابناک
بانداز بردار ازین راه گنج — بچیند آنکه محمل کش آید بنج
بلشکر نگر ورنه از خشق سیم — گران بار کردند و پایند بیم
همه بار شه بود از زر ناب — بدان نقره مانند شن آفتاب
ولیک آز زود روش کار کرد — ز دو اشتری چند را بار کرد
در ان راه میرفت چون باد تیز — هوا را ندید از زمین گرد خیز
یکی هفته بنشست بر جامه گرد — که از نقره بود آن زمین را نورد
تو گفتی که شد آب خاکش دو نیم — یکی نیمه سیماب و یکنیمه سیم
نه از سیمش آرام شایسته کرد — نه سیماب را نیز بایست خورد
نه سود آره کاب او درد بود — نه سود آن سیم در خورد بود
کجا چشمه بود مانند نوش — در ان آب سیماب را بود جوش
نه سوزش نبودی در آب زلال — ز سیماب کس را نبودی ملال
بخوردند آن آبها را دلیر — که آب از زبر بود سیماب زیر
چو سوزش در آب اندر پیش و پس — نخوردندی آن آب را هیچکس
بخوردی از راه غفلت کسی — نماندی در و زندگانی بسے
بفرمود شه تا چرای آورند — در ان آب آتش بجای آورند
چنان بر شدند آبها زآبگیر — که ساکن بود آب جنبش پذیر
بدینگونه یک ماه رفتند راه — بسی مرد هم از تشنگی شد تباه
رسیدند از ان مغز تش سیم سود — بجای که آنرا نشان داده بود
نهادند بر خاک رخساره پاک — که خاکی نیاساید الا بخاک
پدیدار آرامگاهی ز دور — چنان کز شب تیره تابنده نور
بر افراخته طاقی از گنج کوه — که از دیدنش در دل آمد شکوه
ببالای آن طاق فیروزه رنگ — کشیده کمر کوهی از خاره سنگ
گروهی بران کوه دین پروران — مسلمان فارغ ز پیغمبران
بالهام یزدان ز روی قیاس — بر احوال خود گشته ایزد شناس
چو دیدند سیمای اسکندرے — پذیرا شدندش به پیغمبری
ز تعلیم او دانش آراستند — در و دانش و داد و دین خواستند
سکندر در دانش از بر گشاد — بر ایشان در دین و دانش گشاد

چو دیدند شاهی چنان چاره ساز
بس این یکی بود درین سنگلاخ
ز شمشیر و آهن ال الماس تیز
برستی بیار رعیانی بخورد
بگیرند هنگام تنگ یاد را
از هر طعمه کان بود جستنی
گیاهیست آنجا زمین خیز شان
جز آن گرد هی شان بخرمن گیاه
خورند آنچه یابند بی ترس و بیم
فتد سال تا سال ابر سیاه
ز سرمستی خوردن اشعها
چو آوازه تندر بگوش آورند
چو ناگه بمیرد یکی زان گروه
جز این یک هنر نیست کان آنجا ک
زناگو سپیدان بغارت برند
چو دریا گسستن ستیز آورند
ندارند پائی چنان آن گروه
چو بشنید شه ظلم یاجوج را
چو طالع نمود آن بلند اختری
دگربار در کار عالم روی
پذیره آمد آراسته منزلی
دگر گوز دید آن زمین را درست
ز لشکر یکی دست بر زد فراخ
سواری دگر گوسپندی گرفت
بفرمود تا هر که بود از سپاه

بیچاره گری برگشادند راز
یکی دشت بینی چو دریا فراخ
چو گرگان بد گوهر آشفته رنگ
کسی را از اندیشه گرم و سرد
بناخن خراشند پولاد را
طعامی ندارند جز رستنی
چو بلبل و هر دانه تیز شان
چو آتش بسیری بیایند راه
بدینگونه تا ماه گردد دو نیم
ستمکار ماری در آنجایگاه
کنند آب و دانه یکی مهره را
زمین را چو دوزخ بجوش آورند
خورند نعش هم ایشان در آن دشت و کوه
ز مردار و درست و نورده پاک
خورشهای ما هر چه باشد خورند
بکوشند و در ما گریز آورند
که ما را در آرند زان تیغ کوه
که پیل افگند هر یکی عوج را
که شد ساخته سد اسکندری
روان شد سراپرده خسروی
کز آن دید نقش تازه شد هر دمی
هم آب و دانی بد و هم کار کشت
کز آن میوه تر گشاید ز شاخ
خشش کرد زنان نگارند گرفت
ز باغ کسانی ست دار و نگاه

اگر شفقت کنی ای داور دستگیر
گروهی ازان دست یاجوج نام
رسیده ز سر تا قدم موی شان
بچنگال و دندان همه چون دد
همه ور حرام و خورش ناسپاس
ندارند جز خواب و خور هیچ کار
ازان هر شبانروز هشتی خورند
چو بر آفتاب افگنند ماه جرم
چو گیرد یکی ماه ناکاسته
ماندازه که آنکه در دشت و کوه
بامید آن کوه دریا ستیز
دگر خوردشان نیست جز بیخ و برگ
نه مردار ماند در آن خاک شور
به هر مدت آرند ما را شتاب
از گرگان چنان غم گریزند گله
گریزیم از ایشان برین کوه سخت
بدفع چنان سخت بیتاره
بدانگونه سدی ز پولاد بست
ازان مرحله سوی شهری شتافت
بدانکار چون مدتی در گذشت
جهاندار بازه بسیچان خویش
همه راه بر باغ و دیوار نی
بخیده یکی میوه تر هنوز
سکندر چو زین عبرت آگاه گشت
چو تختی گزاینده شد در کتاب

برین بر روستان فرمان پذیر
چو با آدمی زاده و دیو قام
نه بینی نشانی بجز روی شان
بخون ریختن چیست دندان دو
نه بینی در ایشان کس ایزد شناس
نمیرد یکی تا نزاید هزار
همانجا بخسپند و نگذرند
نخوشند بر خود بکرداد کرم
شتر گردد از جمله برخاسته
از دسیر گردند چندین گروه
کرانداز و آن ابر سیلاب ریز
نباشند بیمار جز روز مرگ
نه کس مرده را نیز نقشید بگور
کنند آشنا نهای ما را خراب
کزان گرگساران یکی مشغله
بکردار بد گرگان بد سرشت
نوابت بود گر کنی چاره
که تا رستخیز آن نشاید شکست
که بسیار کس هست نه انیامت
بتابید خورشید بر کوه و دشت
ره آورد چشم از ره و در خوش
گله بر گله کس نگهدار نی
ز خشکی تنش چون کمان گشته گو
زخشک و ترش دست کوتاه گشت
گذر کرد زان سبزه و جوی آب

پدیدار شد شهری آراسته   چو فردوسی از نعمت خواسته
در آن شهر شد با تنی چند پیر   همه غایت اندیشی عبرت پذیر
مقیمان آن شهر مردم نواز   به پیشش آمدندش بعجز و نیاز
بسی خوان نعمت برآراستند   نهادند و خود پیش برخاستند
چو رفت شه منزل ایشان بمهر   بآن خوب چهران برافروخت چهر
بدین ایمنی چون رهید از گزند   که بر هیچ دارو کس از قفل بند
شبانی نه صد هزاران گله   همه گرد و بر گرد صحرا یله
بزرگان آن شهر پروردگار   دعا تازه کردند بر شهریار
خدا باد در کارها یاورت   هنر سکهٔ نام نام آورت
چنان دان حقیقت که با این گروه   که هستیم ساکن درین دشت کوه
نداریم در پرده کژی بسیچ   بکژ راست بازی نداریم هیچ
دروغی نگوییم در هیچ باب   شب بازگونه نبینیم خواب
پذیریم از هر چه آن خدائی بود   خصومت خدا آزمائی بود
چو عاجز بود یار یاری کنیم   چو سختی رسد بردباری کنیم
برآریمش از کیسهٔ خویش کام   بسر یاد با خود کنیمش تمام
شماریم خود را همه همسران   بخندیم بر گریهٔ دیگران
ز دیگر کسان ماندزدیم چیز   ز ما دیگران هم ندزدند نیز
نگیریم کالای کس را بزور   نگیرد ز ما نیز کس پای مور
اگر گرگ بر میش ما دم زند   هلاکش و ران حال بر هم زند
بکاریم دانه گه کشت کار   بسپاریم کشته به پروردگار
بمانا نچه برجای خود میرسد   یکی دانه را هفتصد میرسد
نگهدار ما هست یزدان و بس   ز یزدان پناهیم دیگر نه کس
گر از ما کسی را رسد داوری   کنیمش بر او مصلحت یاوری
بغمخواری یکدگر غم خوریم   بشادی همه یار یکدیگریم
نداریم خورد خود از یک دریغ   نداریم جز سنگی او سنگ تیغ

چو آمد بدروازه شهر تنگ   بدیدش دری آهنین چون سنگ
دکانها بسی یافت آراسته   در و قفل از آنجمله برخاسته
فرود آوریدندش اندر و کاخ   بکاخی چو مینوی مینا فراخ
پرستش نمودند با صد نیاز   زهی میزبانان مهمان نواز
بپرسیدشان کاینچنین بی هراس   چرائید خود را ندارید پاس
همان باغبان نیست بر باغ کس   ز رمه نیز چوپان ندارند بس
چنین است آئین تان حافظ چیست   حفاظ شما را تولا بکیست
گر آنکس که بر فرقت افسر نهاد   بقای تو بر قدر افسر دهاد
چو پرسید از حال نیک و بد   بگوییم شه را همه حال خود
اگر دهی ضعیفان دین پروریم   سر موی از راستی نگذریم
در کجروی بر جهان بسته ایم   ز دنیا بدین راستی رسته ایم
نپرسیم چیزی کز و سود نیست   که یزدان بدان کار خوشنود نیست
نکوشیم با کردهٔ کردگار   پرستیده را با خصومت چه کار
گر از ما کسی را زیانی رسد   در آن رخنه ما را نشانی رسد
ندارد ز ما کس ز کس مال بیش   همه راست قلبیم در مال خویش
ز دزدان نداریم هرگز هراس   نه در شهر شحنه نه در کوی پاس
نداریم در خانه ها قفل و بند   نگهبان نه با گاو و نه گوسفند
خدا کرد دد دان ما را بزرگ   ستوران ما فارغ از شیر و گرگ
اگر از کشت ما کس برد خوشه   رسد بر ویش تیری از گوشه
نگردیم بر گرد کار درس و جو   نگر بعد کشتن که باشد درو
چنین گر بیکی کار و کوشش کنیم   توکل بایزد نه بر خود کنیم
سخن چینی از کس نیاموختیم   ز عیب کسان دیده بر دوختیم
نباشیم کس را بد همعنان   نه جوئیم فتنه نه ریزیم خون
فریبنده و سیم ما در شمار   نیاریم و ناید کسی را بکار
ز دد و دام نیست ما را گریز   نه ما را بر آزاد ایشان ستیز

بوقت نیاز آهو و چرم گور … زره ها در آیند بهیبت و زور
از انجمله چون در شکار آوریم … بمقدار حاجت بکار آوریم
دگرها که باشیم زان بی‌نیاز … نداریم شان از در و دشت باز
نه بسیار خواریم چون گاو و خر … نه لب بسته داریم از خشک و تر
خوریم آنقدر با یاد گرم و سرد … که چندان دیگر توانیم خورد
ز ما در جوانی نمیرد کسی … اگر پیر گو عمر دارد بسی
چو میرد کسی دل نداریم تنگ … که درمان آن دم نیاید بچنگ
پس کس نگوئیم چیزی نهفت … که در پیش و پس نیاریم گفت
تجسس نداریم کین کس چه کرد … فغان بر نداریم کین را که خورد
بهر سان که ما را رسد خوب و زشت … بهر خود نتابیم از آن سرنوشت
بهرچه آفریننده کرد دست راست … نگوئیم کین چون و آن از کجاست
کسی گیرد از خلق با ما قرار … که باشند چو ما پاک و پرهیزگار
جو از سیرت ما دگرگون شود … ز پرگار ما زود بیرون شود
سکندر چو دید آنچنان رسم و راه … فرو ماند سرگشته بر جایگاه
گزان خوبتر قصه نشنیده بود … نه در نامه خسروان دیده بود
بدل گفت ازین بابها شد شگفت … اگر زیرکی پند باید گرفت
نخواهیم دیگر جهان تاختن … بهر صیدگه دامی انداختن
مرا بس شد از هرچه اندوختیم … حسابی که زین مردم آموختیم
همانا که بس شد جهان آزمای … جهانانست ازین نیکمردان بجای
بدینسان گرفتست عالم شکوه … که او تا دو عالم شد این گروه
اگر سیرت اینست ما هرچه ایم … دگر هردم اینست تا خود که ایم
فرستادن ما بدریا و دشت … ازان بود تا ما بدینجا گذشت
اگر سیر کردم ز خوی ددان … در آموزم آئین این بخردان
گر این قوم را پیش ازین دیدمی … بگرد جهان برنگردیدمی
بکنجی ور از کوه بنشستمی … بایزد پرستی میان بستمی
ازین رسم نگذشتی آئین من … جز این دین نبودی دگر دین من
چو دید آنچنان دین و دین پروری … نکرده شه از یاد پیغمبری
چو در حق خود دید شان حق شناس … درود و درم داد شان بیقیاس
ازان مملکت شاد دل باز گشت … روان کرد لشکر چو دریا بدشت
ز رنگین علمهای دیبای روم … وشی بیش گشته هر مرز و بوم
بهر کوه و بیشه بهر شاخ و بیخ … پراگنده لشکر چو مور و ملخ
بهر جا که او تاختی بارگی … رهاندی بسی را ز بیچارگی
مغنی بیاران دم جانفزای … کلیدی که شد گنج گوهر کشای
درین مدتگر چون کلید آوری … ازو گنج گوهر پدید آوری

بازگشتن سکندر از حد شمال بطرف وطن خود و بیمار شدن در راه

چو میوه رسیده بود شاخ را … کدیور فرامش کند کاخ را
ز بس میوه که باغ آراسته … زمین محتشم گرد از خواسته
ز شادی لب پسته خندان شده … رطب بر لبش تیز دندان شود
شود چهره نار افروخته … چو تا می بود و لعلها و خسته
رخ سیب از نار آرد بفنج … بگردون کشی سر برآرد ترنج
عروسان نورز رازنی کرده دست … همه سیب نارنج بینی بدست
پر انار بستان خنده کوی کاخ … ز بس بار کاو بستان بشاخ
برودی بهر شاخ انجیر دار … در آویخته مرغ انجیر خوار
زبیر و غنی خاک بادام دوست … ز هم کنده بادام مغز پوست
لب لعل عناب شکر شکن … زده بوسه بر فندق بی دهن
نهتان مگر شو میساختند … که عناب فندق بر اندوختند
ز سرمستی انگور مشکین کلاه … بر انگشت پیچیده زلف سیاه
کدو برکشیده طرب را عمود را … گلوگیر گشته بدامرود را
سیه‌های انگور بر بارها … ز روی سپید کس بر آورد نوح

شد رز خوشه بالوده سر تا قدم
بچرخشت سبزه شده همچو خم
لب خم بر آورد جوش و نفیر
هم از بوی خمیره هم از بوی شیر

درین فصل کافاق پر شور بود
سکندر ز سوز جهان دور بود
بیابان و وادی و دریا و کوه
شب و روز میگشت با آن گروه

بسی خلق را از سر صلح و جنگ
برون آورید از گذرهای تنگ
چو پیمانهٔ عمرش آمد بسر
برو نیز خیمه تنگ شد رهگذر

جهان را به آمد شدن هر که هست
دو بختی وری بر او بختی شکست
ازین سرو شش پهلوی هفت شاخ
که بالاش تنگست و پهلو فراخ

چنان آمد آواز هاتف بگوش
کزین بیشتر سوی گشتن مکوش
رساندی زمین را بآخر نورد
سوی منزل اولین باز گرد

سکندر چو بر خط نگارود پیر
بود پنج حرف این سخن یادگیر
پس آنگه که بر کوه و دریا ژرف
زدی پنج نوبت بدین پنج حرف

ز کار جهان پنجه کوتاه کن
سوی خانهٔ خویشتن راه کن
اگر چه جهان بود یونان ازین دیار
نیوشنده مست شد هوشیار

بترسید و گوشی برآورد راست
از ان خوش کلاه عنان باز داشت
بشایسته آن راز معلوم کرد
وز انجا گرایش سوی روم کرد

ز خشکی تری و دریا و دشت
بسی راه ویرانه را در نوشت
نگهبان رسید از کنار جهان
بکرمان در آمد چو کرمانیان

وز انجا ببابل بر دن برد راه
ز بابل سوی روم زد بارگاه
چو آمد ز بابل سوی شهر دور
سلامت شد از پیکر شاه دور

بسستی در آمد تک بارگی
ز طاقت فرو ماند یکبارگی
بپوشید کار و سوی روم رای
فرو بسته شد نبض را دست و پای

گمان برد کابی گرانیده خورد
صد از هر چه انداز کار کرد
نهیب تو هم تن شد آگند هست
نگشته کار کز هر غلامی که خاست

دو اسبه فرستاد قاصد ز پیش
بیونان فرستد که دستور خویش
که بشتاب تعجیل کن سوی من
اگر باز بینی بود روی من

همان تیرگان را که کارآگهند
بیاورد اگر صد و گر پنجه اند
چو قاصد بدستور دانا رسید
در بسته را جست با خود کلید

ندید انچه ز نور رستگاری بود
در و نقش امیدواری بود
همه تیرگان را ز یونان و روم
طلب کرد و آمد بآن مرز و بوم

هم از راه و آمد بر شهریار
برو دوگان آن دو بود اختیار
تن شاه را بر زمین دید پست
برنجی که نتوان از ان رنج رست

پس آنگاه زو بوسه بر دست شاه
بمالید شه انگشت در نبض گاه
چو اندازهٔ نبض بیدار جست
نشانهای دلیلی دگر باز جست

بفرمود زانجا که در خورد بود
دوائی که در خورد آن درد بود
دوا اگر بود جمله آب حیات
وفائی نکند چون در آید ممات

جهان جوی را کار از ان در گذشت
که بخشش براحت کند بازگشت
از ان بار کز خانهٔ اصل بود
ودیعت بخواهندگان قدیم سپرد

جهان چند رش داد و در یک خلاص
خلاصی نه کز خاک یابد خلاص
وجودش چو ساکن شد از تافتن
در آمد به برگ عدم ساختن

شکر خنده شمعی که جان میفروخت
چو شمع و شکر آب و آتش گداخت
بر آمد یکی باد زد بر چراغ
فرو ریخت برگ از درختان باغ

ز سبزه رها کرد بر شاخ سرو
نهد غالیه بر تو بهاری تذرو
فروزنده گلهای با بوی مشک
فرو پژمرید بر خاک خشک

سکندر که بر رخش شد زین نهاد
زنالیدگی سر ببالین نهاد
سخنی توئی مرغ ساعت شناس
بگو تا ز شب چند رفتست پاس

وصیت کردن سکندر با رفیقان خود و یاد کردن از احوال ماضی و سرپیچ خوردن ایشان برو

چو در آمد آواز مرغان بگوش
ازان مرغ بیجان بر آورد خروش

چو باد خزانی بر آمد ز دشت
دگرگونه شد باغ را سر گذشت

ازان باد سرد شد درخت باغ | فرو مرد بر دست گلها چراغ
درختان شاخ آتش افروختند | ورقهای رنگین بر و سوختند
فسرده شد آن آبهای روان | که زنجی شود بر که خسروان
بجای می و ساقی و نوش ناز | دد و دام کرده بر و ترک و تاز
تماشاگران باغ نگذاشتند | مغان از چمن رخت برداشتند
تهی ماند باغ از رخ دلکشان | نه از بلبل آواز نه از گل نشان
بهنگام این برگ ریزان سخت | فرزمربان کیانی درخت
دم سرد شه با دم سرد بود | جهانگیر را با جهان گرد بود
شکسته شد آن مرغ را پر و بال | که جولان دی با هوا ماه و سال
طبیبان لشکر بزرگان شهر | نشستند برگرد سالار دهر
ز قاروره و نبض جستند راز | نیامد بکف عمر گم گشته باز
پژوهش کنان چاره جستند باز | نشیننده را رفتن آمد فراز
چو وقت رحیل آمد از رنج و درد | بهانه در آورد با نه بهرد
سگالش بسی شد در آن رنج و تاب | بیفتاد زان جامه ای صوب آب
بر آن میوه کو بود دردناک | هم از جنبش خود در افتد بخاک
شناسنده حرف بر تخت بند | حساب فلک راند بر تخت چند
ندید از مداوای هیچ اختری | در آرزم ملاح یاری گری
چو اسکندر آئینه در پیش داشت | نظر بر تنومندی خویش داشت
ز نور طبع نیرو در تن توان | خمیده شد از باد سرد جوان
طلب کرد یاران همساز را | بعجز انهاد از دل این راز را
خبر دشن رحیل آمد از کوچ گاه | به نخچیر خواهد شدن مهد شاه
بکینه کند در من اکنون نگاه | همان مهربانی شد از مهر و ماه
چه تدبیر سازم که چرخ بلند | کلاه مرا در سر آرد کمند
کجا لشکرم تا بشمشیر تیز | رهانند ازین حبس از جانم گریز
کمر بسته او تیغ بر داشته | یکی گوش ناسفته بر داشته

ز راندود شد سبزه جویبار | ریاحین فرو ریخت از برگ بار
بنا زار دهقان در آمد شکست | نگهبان گلبن در باغ بست
نه خرم بود باغ بی برگ آب | در افکنده دیوار گشته خراب
گرفته زبان مرغ گوینده را | خشک برگذرگاه دلپوینده را
بسوهان زده سبلت آفتاب | چو سوهان بر از چین شید روی آب
زده خار هر سر گلی داغها | نوای و برگی نه در باغها
سکندر سهی سرو سایه نشی | شد از رنج بردی سلامت تهی
چو بنیاد دولت بپستی رسید | توانا بنا شد ز سستی رسید
چو بز مرده لاله بیفتاد سرد | بچنگال شاهین تبه شد تذرو
مداوای بیماری انگیختند | ز هر گونه شربت برآمیختند
طبیب ار چه ماند مداوا نمود | چو مدت نماند مداوا چه سود
بچاره گری ماند آن در بچنگ | گریزنده نامد زمانی درنگ
چنان افتد در وزگارش گلو | که هر مرگ خویش آیدش ازرد
چراغی که مرگش کند دردمند | هم از روغن خویش باید گزند
بخشکی گر او چاره جان کند | چو درمان نبیند چه درمان کند
ز رنج طالع اصل بی نور یافت | نظرهای سعد از برش در نیافت
چو دید اختران را دل اندر هراس | هراسنده شد مرد اختر شناس
تنی دید چون موی بگداخته | گریزنده جانی بلب تاخته
چو شمع از جدا گشتن جان و تن | بصد دیده بگریست بر خویشتن
که کشتی در آمد بگرداب تنگ | دهن باز کرد این دمنده نهنگ
فلک بیش ازین بر من آسوده گشت | بآسایشم داشت در کوه و دشت
چنان بر من آشفته شد روزگار | کره ناورم سوی سامان کار
کجا آمد از آن گوهر و گنج من | بر شوت مگر کم کند رنج من
سکندر منم خسرو دیو بند | خداوند شمشیر و بخت بلند
بطوفان شمشیر زهر آب خورد | ز دریای قلزم بر آورد گرد

بسی خرده را کرده ام خود بزرگ ... بسی گوسپندان رهانده ز گرگ
ستم را بشفقت بدل کرده ایم ... بسا مشکلاتی که حل کرده ایم
چو مرگ آمد آن تیغ زنجیر شد ... ز زنجیره ام گلو گیر شد
بدارای دولت سرافراختم ... ز دارا بدولت سرانداختم
ز قادیل و بادیل کین خواستم ... ز ناسک بمنسک ره آراستم
شدم مهر بر تخت جمشید وار ... ز گنج فریدون گشادم حصار
سراندیب را کار برهم زدم ... قدم بر قدمگاه آدم زدم
ز مشرق بمغرب رساندم کمند ... جهان سد یاجوج کردم بلند
بظلمات مشعل برافروختم ... ز ظلم جهان چشم بردوختم
بهرجا که رفتن بسیچیده ام ... سر از داد و دانش نپیچیده ام
کنون در شبستان خرد بر پرند ... چو نیرو نمانده شدم دردمند
سیه سا سیه دیدم این کارزار ... زرنگ سیه تا بآب سیاه
بدان طفل یکروزه مانم که مرد ... ندیده جهانرا همی جان سپرد
درین بیست و شش سال کم بیش من ... بسی غیرت آمد فرا پیش من
گشادم در رازهای سپهر ... همه راه دارم نشان هم ز مهر
نبردم بسر عمر در غافلی ... مگر در هنرمندی و عاقلی
گشادم در از هر ستمگاره ... ندانم در مرگ را چاره
کجا رفته اند آن حکیمان پاک ... که زر می فشاندم بر ایشان چو خاک
ارسطو کجا تا ازین تنگنای ... برونم جهاند بفرهنگ رای
کجا شد فلاطون پرهیزگار ... مگر نکته با من آرد بکار
بخوانید سقراط فرزانه را ... گشاید مگر قفل این خانه را
بیاید حکایت بفرفوریوس ... مگر داستانم ازین فسوس
ز رنجم در آسایش آرد دگر ... بدین چاره بخشایش آرد دگر
چو گشت آسمانم بدین گونه هیچ ... نباید برآوردن آواز هیچ
ز خاکی که سر بر بگردم نخست ... همان خاک بایدم باز جست

شکسته بسی را بهم بسته ایم ... بسی بسته را نیز بشکسته ایم
ز قنوج تا قلزم قیروان ... چو میغ روان بود تیغم روان
نوشتم بسی کوه و دریا و دشت ... اگر انسان کسی کو بداند نوشت
زدم گردن توز و قنطال را ... گرفتم بچین جای جیپال را
فرو بستم از ملک رسم مجوس ... برآوردم آتش ز دریای روس
برانداختم دخمه ساد و را ... گشادم در قصر شداد را
خبر دادم از رستم و تخت او ... همم از جام کیخسرو تخت او
بقدس آوریدم چو داود دست ... زدم نیز در حلقه کعبه دست
ببازی نماندختم هیچ نام ... بغفلت نینداختم هیچ گام
هوائی که در سنگ خارا گداخت ... چو نیروی تن بود با تاب ساخت
سر آمد ببالین چون گشت مست ... نباشد ببالین سر تندرست
اگر هم بازپرسی که چون بوده ام ... نمایم که یکدم نیاسوده ام
جهان جمله دیدم زبالا و زیر ... هنوزم نشد دیده از دیده سیر
گزین سی و شش بود گر سی هزار ... همین نکته گویم سرانجام کار
جهان دیدگانرا شدم حق شناس ... جهان آفرین را نمودم سپاس
ز هر دانش دفتری خوانده ایم ... چو مرگ آمد اینجا فرو مانده ایم
بجز مرگ هر مشکلاتی که هست ... بچاره گری چاره آید بدست
بیارید کو خاک را زر کنند ... مداوای جان سکندر کنند
بلیناس کو تا بافسونگری ... کند چاره جان اسکندری
نمودار والیش دانا کجاست ... بداند مگر زین گزند از چه خاست
دو اسپه بهر سو فرستند کس ... مگر شاه را دل دهد یک نفس
دگر بار گفت این سخن هست باد ... چنین دردمندان توان برگشاد
بسی کرده ام کار ناکردنی ... روانی چنین باشد آزردنی
نگیرد کسم دست و نارد بیاد ... بدین بیکسی در جهان کس مباد
از ان پیشتر کافتم درین آبکند ... سبو بر سر آب خواهم فکند

زما در برسینه رسیدم فراز / برهنه بجا کم سپارند باز
سبکبار دارم گران چون شوم / چنان کآمدم به که بیرون شوم
یکی مرغ بر کوه بنشست و خاست / چه افزود در کوه یا خود چه کاست
من آن مرغم و مملکت کوه من / چه خفتم جهان را چه ماند و من
بسی را چو من زاد و هم زود کشت / که نفرین برین دایهٔ گوژپشت
زمین گرچه دیدند شفقت بسی / ستم نیز کم دیده باشد کسی
ملامت کنید ار ستم کرده ام / ستمگر کسی نیز هم کرده ام
چو مشکین سپر بر سر آمد بخاک / بهشت گو پاکان بر جان پاک
بجای غباری که بر سر کنید / بآمرزش من باران تر کنید
بگفت این و چون کس نداد ش جواب / فرو خفت بیخود نشستن شد بخواب
مغنی دگر باره بنواز رود / بیاد آن زمان خفتگان هم درود
ببین سوز من تازه کن ساز تو / اگر خوش بخسبم بر آواز تو
چو بلبل شبیخون کند مهر بر / بطفلی شود شاخ گلبرگ پیر

دل دادن ارسطاطالیس سکندر را

لقا باید شدن مرگ را چاره ساز / در چاره بر کس نکردند باز
تب مرگ چون قصد مردم کند / علاج ارسطا بنده یی کم کند
چو شب را گذارش در آمد بدست / نخیزد ببیند خور شب شبنم گریست
جهاندار نالنده تر شد ز هوش / زبانگ چو شهد بر آمد خروش
ارسطو جهاندیدهٔ کاردان / به بیچارگی ماند از چاره باز
امید بی دوشنه اش ندید / دوار ابد که او ره ندید
بشه گفت کای شمع روشن روان / تو چشم و زدستم همه خسروان
چو پروردگار انظر شد زکار / نظر دار بر فیض پروردگار
ازان بیشتر کاید این سیل تیز / چرا بر نیاید ز مار ستیز
وزان پیش کین بر نیوز جام / چراغان من بر نیاید زکام
نخواهم که موئیست یزدان شود / ترا موی افتد مرا جان بود
ولیکن ازین شربت ناگزیر / نباشد کسی ایمن از برنا و پیر
بدل عید بد گفتن این می خوش / که می خوابگان را برآرد زهوش
نگفتی تو این چنین جراحی بر تیر / که در بزم شه کرد نتوان ستیز
دریغا چراغی بدین روشنی / نخواهد شستن بپیر و غنی
مدارا ز تهی روغنی دل بر اغ / کزانگه کسی بر فروزد چراغ
جهاندار گفته گزین در گذر / که آمد مرا زندگانی بسر
بفرمان من نیست گردان سپهر / نه من زاده ام گردش ماه و مهر
کفی خاکم و قطرهٔ آب شست / نهاده و برآفریده نخست
زپرورد گیهای پروردگار / بانجا رسیدم سرانجام کار
که چندانکه شاید شدن بیش و بس / مرا بود بر جملگی دسترس
دران وقت کردم جهان خسروی / که هم تن قوی بود و هم دل قوی
چو آمد کنون ناتوانی پدید / بدیگر گذر رخت باید کشید
مده بیش ازینم شراب غرور / که هست آب حیوان ازینجا بدور
ز دوزخ مشو فتنه را چاره جو / سخن در بهشت است و در چاه و جوی
دعا را بیامرز بشکل لو بکار / اگر هیچ بخشید آموزگار
مغنی یکی ناله بر کش بجان / که تاریک شد چشم چشم جهان
بر و نار زن آتش آه را / دمی نوحه کن عمر کوتاه را
مگر زین نواهای مردم فریب / دل خسته را خاطر آید شکیب

فرستادن سکندر رسول کند نامه جانب مادر تا در ماتمش جزع و فزع نکند

چو رفت از سکوه بر آفتاب / بهر شاه شاهان در آمد بخواب
شب آمد چه شب انده‌های سیاه / فرو بسته ظلمت چو شب تیره راه
شبی سخت بیهوده تاریک چهر / بتاریکی اندر که دید دست مهر
ستاره گره بست بر کار ما / فرو دوخت لب لب بمسمار ها
فلک دود در ماه فلک زد گیر / بهم بر دو افتاده در خم قیر

جهان چون سیه روی انگیخته
بموی زره زنج در آویخته

چو از مهر مادر بیاد آمدش
پریشانی اندر نهاد آمدش

بدود سیه بر کشید خامه را
نویسنده شد مادرش نامه را

که از مهر من دل نداری نژند
نگو تهی بفریاد ناسودمند

دو شاخ از سر کلک یکشاخ کرد
فلک را بفرهنگ سوراخ کرد

زریکا زمینی که باریک شد
نویسنده را چشم تاریک شد

به نیکی ده هر یکی را نیاز
یکایک همه خلق را کارساز

گر این نامه از من که اسکندرم
سوی چار مادر نه یک مادرم

اگر سرخ سیبی در آمد بگرد
ز رونق بیفتاد نارنج زرد

نه آن گویم ای مادر مهربان
که مهر از دل آمد فسوس از زبان

نسوزی دست پرورد خویش
بنه دست بر سوزش از خویش

بشیری که خوردیم ز پستان تو
بخواب خوشم در شبستان تو

بفرمان پذیران دنیا و دین
بفرمانده آسمان و زمین

ز زندانیان زمین زیر خشت
بر بهشت نشینان خاک بهشت

بموجی که خیزد ز دریای جود
بامری که زو ساز در شد وجود

بپرگار هفت آسمان بلند
بفهرست هفت اختر ارجمند

بهر شمع کز دانش افروختند
بهر کیسه کز فیض بر دوختند

به پرهیزگاران پاکیزه رای
بباریک بینان مشکل گشای

بآزرم سلطان بدرویش دوست
بدرویش قانع که سلطان اوست

بشب زنده داران بیگاه خیز
بخلوت نشینان خجن نامه ریز

بشب ناله تلخ زندانیان
بقندیل محراب روحانیان

بعزلت نشینان صحرای درد
بناخن کبودان شبهای سرد

برنجی که خسپد بآسودگی
به عشقی که پاکست ز آلودگی

بحرفی که در دفتر ایزدیست
بنقشی که مخمل کش آن دو دست

بصبری که در ناشکیبا بود
بشرمی که در روی زیبا بود

دهان شب از بنگیزه گفت شاه
که دست دهقان شب خوشه چین ماه

بفرسود گنزند میان یک بیک
که باشد خردمند و دانا دبیر

در آن نامه سوگندهای گران
فریبنده چون نابهٔ مادران

دبیر زبان آغاز گفت شاه
جهان گیر نامه خوانان سیاه

چو بر شسته کاغذ آورد قیر
شد اندام کاغذ چو مشکین حریر

پس از آفرین آفریننده را
که بینای او داد بیننده را

چنین بسته بود آن فروزان نگار
بآن پرورشها که آمد بکار

که گر قطره شد چشمه پرورده باد
شکسته شود بر لب رود باد

برین زرد گل گر ستم کرد باد
ز دست گل سرخ سر سبز باد

بسوزی بلی گر خبر بشنوی
که چون شد بباد آن گل خسروی

ازین سوزنت ایام دوری دهد
خدایت درین غم صبوری دهد

بسوز دل مادر دلپذیر
که باشد جوانمرده و مانده پیر

بحجت نویسان دیوان خاک
بجا آورید فرمان پاک

بجانی کز وجان نور شد حیات
بجان آوری کار دار منجم نجات

بآن نام کز نامها برتر است
بآن نقش کارایش پیکر است

بآگاهی مرد انیر و شناس
برسای عقل صاحب قیاس

بفرقی که دولت بر او تافته است
ببانگی که راه صفا یافته است

بخوشنودی خاک افتادگان
بخوشخوئی طبع آزادگان

ببستر سبزی صبح آراسته
بمقبولی نزل ناخواسته

بحاجی طفل تشنه بشیر
بنیومندی دردمندان پیر

بمنزل غریبان بیار هوش
باشک تپیدن بچیده گوش

بناخنکیهای غمخوارگان
بدرماندگیهای بیچارگان

بپیروزی عقل کوتاه بین
بخورسندی تیره خلوت نشین

ببدردی که زخمش علاج آمد است
بزخمی که با مرهمش کار نیست

بفریاد فریادخوان یکنفس
که تو سید باشد بفریادرس

بصد قیمت آمد زوین پروران
بوحی که آمد به پیغمبران

بآن کز و نیست کس را گزیر
بآن راهبر کو بود دستگیر

بآن ورگزو ورگند خستن بادست
ترا و مرا بازگشتن بادست

بنادیده روی و مساز تو
بمحرومی گوش ز آواز تو

بآن آرزو کز منت بس مباد
باین عاجزی کاینچنین کس مباد

بداد آفرینی که دانده اوست
همان جان دو جان کز انده اوست

کرچو این حقیقت رسد سوی تو
انگیر دگره طاق ابروی تو

مصیبت نداری نیوشی پلاس
بهنجار منزل شوی حق شناس

بهیچی نتابی نگردی ز راه
کنی در سرانجام گیتی نگاه

اگر ماندنی شد جهان بر کسی
نمادر غم و سوگواری بسی

گرانیده بکس نماند جهان
تو نیز آشنا باش با همرهان

گرت رغبت آید که انده خوری
کنی سوگواری و ماتم گری

ازان پیش کانده خوری بیشمار
برارای مهمانیی شاهوار

بخوان خلق را جمله مهمان خویش
منادی برانگیز بر خوان خویش

کرانکس خورد زین خورشها پاک
که غائب نباشد ورا زیر خاک

اگر زان خورشها خورد میهمان
تو نیز انده من بخورد در زمان

دگر کس ندارد نظر سوی خورد
تو نیز انده غائبان در نورد

غم من مخور کاز من در گذشت
بکار غم خویش کن باز گشت

چنان ان که پایم و چندان درنگ
که هم پای عمرم در آید بسنگ

چو بسیاری عمر ماند کیست
اگر سی بود سال گر صد یکیست

چرا ترسم از رفتن هشت باغ
که دریا کلید ست و ره با چراغ

چرا سر نیارم سوی آن سریر
که جاوید باشم بر و جای گیر

چرا خوش ترانم بآن صیدگاه
که بی دود ابرست بی گرد راه

چو بر من نماند این سرای فریب
زمین باد و ماندگان را شکیب

چو تشبید یر راندم ازین بیش زود
زمن یاد بر دوستداران رود

رهانید یارا فلک زین حصار
که باد اهمه کس چو من سنگسار

چو نامه بسر برد و عنوان نبشت
فرستاد و خود رفت سوی بهشت

بصد محنت آورد شب را بروز
همه روز نالید با درد و سوز

وفات یافتن سکندر علیه السلام

مغنی بآهنگ غم ساز ده
ز حالم جهان را خبر باز ده

مگر گوشه گیر ز گیتی کسی
نماند چو من تا حسرت بسی

دگر شب که شه تخت بر پیل زد
زمین چون فلک طعمه ذیل زرد

چو خورشید گردنده بنهفت روی
دران شب زناخن برآورد موی

ستاره فرو ریخت ناخن بچنگ
هوا شد پر از ناخن سیم رنگ

ز دیده فرو بستن روی شاه
بناخن خراشیده شد روی ماه

پلاسی ز گیسوی شب ساختند
زمین را بگردن در انداختند

زکام ذنب زهری انگیختند
مه و خور رخ را در گلو ریختند

دگرگونه شد زآئین خویش
اجل دید بالای بالین خویش

بنیشتر خون اندر گشش زیر پی
ز جوشیدن جان برآورد جوی

سیاهی ز دیده بدزدید خال
سپیده وشش را در آمد زوال

بجان آمد و جان شتن از کار شد
دم جان سپردن پدیدار شد

بخندید در خنده چون شمع مرد
بانکس که جان داد جان را سپرد

ز شمع دمنده خیال ذات نور
کزو بود بیننده را چشم دور

کم آید چو روغن سوزنده شمع
بمیرد بپرور روشنائی ز جمع

چو انوار مشعل نشیند فرود
رخ شب نماید سپیده تا بروز

بپرواز آید چو باز روان
نه بیند گشش چون پرد از میان

شتابنده مرغ آنجهان چون پرید
که با آشیان هیچ مرغش ندید

ندیدم کسی از کار آگهان
که آگه شد از کارهای نهان

درین کار آن چاره کس نشناخت
چرا چاره دیگر خود را نساخت

سکندر چو زین خانه بربست رخت
زدندش بپالا لخانه تخت

چه نیکی که اندر جهان او نکرد
جهانش بیازرد و نیکو نکرد

اگر چه ز ره تا فتن تفته بود
رهی رفت کان راه نارفته بود

چرا چون بکوچ عدم گاه رفت
خبرهای آن راه با کس نگفت

اگر گفتنی بودی ازین قصه باز
نهفته نماندی درین پرده راز

نعندا ز کمرهای زرکار او
یکی مهد زرین سزاوار او

وز اندودن مشک و کافور و عود
بخوری شده موج طوفان دود

چو تن مرد اندام چون سیم سود
کفن عطر و تابوت زرین چه سود

در آن ست خاکی تهی ریخته
منادی ز هر سو بر انگیخته

ز هر گنج دنیا که در بار بست
بجز خاک چیزی ندارد بدست

سو مصر بردند از شهر دور
که بود آن دیار از بداندیش دور

برابر ز ایوان آن تختگاه
نهادند زیر زمین تخت شاه

ندارد جهان دوستی با کسی
نیابی در و مهربانی بسی

جهان زاهد نیگونه شد رسم و راه
برآرد دیگاه و ندارد نگاه

نه زین رشته سر میتوان تافتن
نه سر رشته را میتوان یافتن

ببین در جهان گر جهان دیده
کزو چند کس را زیان دیده

چه بینی درین طارم سرنگون
که می آید از میل او بوی خون

دران میل منگر که زرین وست
که آن زر نه از سرخی آتش ست

مشو جفت این جادو رزق ساز
که پنهانکش ست آشکار انواز

ز شغل جهان بر کشش ایستاده ست
که ماهی بدین جوشن از تیغ رست

جهان چون دوکانی بر آتشی کس ست
ازو نیمی آبی و دیگر آتش ست

بگیتی بتر زهی چه باشم دلیر
که دو دست بالا و گر دست زیر

اگر آسمان با زمین ساختی
بکاهر زمانی نبرد آختی

بمهمانی بزم سلطان شدن
نشاید بره در پریشان شدن

سکندر از آن جام چون گل شگفت
ستد جام بر یاد او خورد و خفت

مغنی یک امشب بر آواز چنگ
خلاصم ده از رنج این راه تنگ

سرانجام چون بر سر پیچ ره رفت
ز بیداد گیتی دل آزرده رفت

ره انجام را هر کجا ساز داد
از آن ره بگیتی خبر باز داد

مگر هر که در گیرد آن راه پیش
فرامش کند راه و رفتار خویش

بهار سکندر چو از باد سخت
بخاک او فتاد از کیانی درخت

پرندی درونش ز کافور پر
ز دیبای بیرون بر آموده در

رفیقی که عطرش کفن سای گرد
بتابوت زرین درش جای کرد

ز تابوت فرموده شهریار
که بگریست او را کنند آشکار

که فرمانده هفت کشور زمین
همین یک تن آمد ز شاهی زمین

شما نیز چون از جهان بگذرید
ازین جا که زان تیره خاکی برید

با سکندریش وطن ساختند
ز تختش نخته دراند اختند

ز داغ جهان هیچکس جان نبرد
کس این واقعه را بپایان نبرد

بخاکش سپردند و گشتند باز
در دخمه کردند بر روی فراز

بپایان رسانید چندین هزار
نیاید بپایان هنوز این شمار

تجسس گری شرط این کوی نیست
درین پرده جز خاکروبی نیست

جهانی که با اینچنین خوار نیست
که در خورد چندین ستمگار نیست

ز خورشید دان آتشین میل او
دراند از سنگی بقندیل او

بهر سازگاری ندارد سپهر
کمر بست بر کین با ماه و مهر

برون لاف مرهم پرستی زند
درون زخمهای دو دستی زند

چو طوفان انصاف خواهی بود
نترسد ز غرق آنکه ماهی بود

دهد حلقه را از آن سو بهی
وز آن سو گند حلقه را تهی

بدین ماند احوال این دو گمر
که هست آسمان با زمین هم نبرد

نظامی گر از ورزان این بند را
مترس و مترسان تنی چند را

چو سلطان صلا در دهد گوش کن
می تلخ بر یاد او نوش کن

کسی کو کز آن می خورد نوش باد
بجز یاد سلطان فراموش باد

مگر چون شود راه زین فراخ
برم رخت بیرون ازین سنگلاخ

زمستان چو پیدا کند دستبرد
نگو گیرد آفاق را از غبار
ورود دشت را بسنم خنج گور
جوانمردی باغ پیرایه سنج
نخم خام دهقان چو آید بجوش
نشینند شاهان برامشگری
چو از اسکندر آمد بروم آگهی
بزرگان آگر دست ابوس آورند
همه نامه شد که بنوشت پیش
ز طومار آن نامهٔ دل شکن
بامید خوشنودی جان او
چو شد کار او نیز هم ساخته
نگر زیک آه از زانش بروز
پس از مرگ اسکندر اسکندروس
اگرچه ز شاهان فیروز بخت
بنالید چون بلبل دردمند
بزرگان لشکر نمودند جهد
لگزا ده را غم شاهی نبود
که بر من حرامست می خواستن
بخاکی گمان بدگرد د چو سنگ
فرو ماند ایوان و اورنگ او
بدین سهر سری ملک ناپایدار
ز دنیا چه پیدا د بانی ولکشی
همه تخت و پیرایه را سوختم
هوسها این نقره زر خرید

رسیدن نامهٔ سکندر بر مادرش و آگاه شدنش از وفات اسکندر

کنند ایمن از تف و تاب تموز
شود مفلس از کیمیاهای گنج
قصب افگند پشمینه پوش
خورند آب حیوان اسکندری
که شد عالم از شاه عالم تهی
بدرگاه اسکندروس آورند
بمادر سپردند به مهر خویش
چو طومار پیچید بر خویشتن
نگهداشت ناسو کند و پیمان او
از و نیز شد کار پرداخته

به تشنه گیاهای جلاب گیر
دهند آب یخ ان فروشان و ے
غزالان که در نافه مشک آورند
چه گفتم ازین ده چه زاد از کهن
ملوک طوائف ز هر کشورے
همه پیروز روم شد زاغ و زنگ
چو مادر فرو خواند غم نامه را
ولی گرچه شد روز بروے تباه
پس شاه او نیز چندانکه زیست
مغنی بدان ساز غمگین نواز

نالیدن فرزند اسکندروس در وفات پدر و ترک کردن بادشاهی اسکندروس

چو او کس نیامد سزاوار تخت
که زیر افتد از شاخ سرو بلند
که با آن ولی عهد بندند عهد
که در خوی جز ایزد پناهی نبود
بجای پدر مجلس آراستن
نخورشید کافتد بکام نهنگ
پذیرا شود خمه تنگ او
چگونه توان گرد پا استوار
که من نیز خواهم همان دلخوشی
ز تخت کیان دیده بردوختم
بسا کیسه گز نقره و زر دید

درین ملک چون مهر و زرانی نداشت
چو آهو بره کو در آید بخواب
در گنج بر روی کشایند باز
ز شاهان لشکرکشان عذرخواست
مرا با حساب جهان کار نیست
گمانم ز بدکان جهانگیر شاه
من از خدمت خاکیان رسته ام
نخواهم شدن زو جهانگیر تر
چو دیدم گزین حلقه هفت خویش
نشینم بکنجی چو افتادگان
چو پیمانه نه پر گشت هر تر کنے

فرو بارد از ابر باران خورد
لعاب زجاجی دهد روزگار
یخ خورده کرده دهد زمهریر
سفالینه خم را ز ریحان مے
کباب تر و نقل خشک آورند
چه بازی برآراست چرخ کهن
نشستند گیتی ندارد بسے
بروم اندر آمد شبیخون زنگ
سیه کرد هم جان هم جامه را
سر خود نه پیچید ز اندرز شاه
همه سال خون خورد و خون میگریست
درین سوزش غم مرا چاره ساز
مرا زین شب محنت آری بجز
برآشوب شاهی بجنباند کوس
بچندین نواها نوائی نداشت
کند آتش مادرش دل کباب
بجای سکندر بر بندش نیاز
که جز بر من این شغل اندر است
که این رستر اسر بدیدار نیست
بروزی جوانی کند عزم راه
بایزد پرستی میان بسته ام
نه زد تیز یا رای و تدبیر تر
بران تخت و رشد جهان تخته پوش
بغم خواری جان آزادگان
بسر در کنے هر چه در سر کنے

همان به که پیش از برانگیختن / شوم دور ازین جای خون ریختن
ندارم سر تاج و سودای تخت / که ترسم درآید شبیخون سخت

درین غار چون عنکبوتان غار / ز مور و مگس چند گیرم شکار
یکی دیر خانه بدست آورم / دران دیر تنها نشست آورم

باشتک خود از بهر جان پاک / فرو شویم آلودگیهای خاک
بپیچم سر از هر چه پیچید نیست / بپیچم سر از آنچه آن پیچید نیست

شوم مرغ و بر کوه طاعت کنم / به پنج گیاهی قناعت کنم
چو هنگام رفتن درآید فرار / کنم بر فرشته در نور بار

باسانی از رنجها بگذرم / که دشوار میرم چو آسان خورم
مرا چون بدیر و دمغاک افکنند / کف خاک را زیر خاک افکنند

چو از مرگ بسیار یاد آوری / شکیبنده باشی و دنیا آوری
دگر نا آوری تلخی مرگ یاد / بدشواری آن در توانی گشاد

سرانجام در دیر کوهی نشست / ز شغل جهان دست یکبار دست
دل از شغل عالم بطاعت سپرد / بر آن نیست گفتن نشاید که برد

تو نیز ای جوان زین سر خویش / مگردان زین شیوه تدبیر خویش
که در عالم این چرخ نیرنگ ساز / نه آن گرد گور او توان گفت باز

بسا یوسفان را که در چاه پست / بسا گردنان کاو گردن شکست
مغنی دلم سیر گشت از نفیر / بر آوردی ناله از بانگ زیر

مگر ناله دیر رم آمد بگوش / وزین ناله زار کردم خموش
سکندر چو زین کنده یکشاد بند / برافگند بر حصن گردون کمند

همه فیلسوفان درگاه او / دران پویه گشتند همراه او

انجامش روزگار ارسطاطالیس حکیم

ارسطو که مانند آن آفتاب / را بر سیه پست بر جو نقاب
سیاهی بپوشید و در غم نشست / چو وقت آمد او نیز هم رخت بست

ز سرو سهی رفت بالندگی / طبیعت درآمد بنالندگی
نشستند یونانیان گرد او / ز استاد او تا بنشاگرد او

چو دیدندگان پیک منزل شتاب / بمنزل شد و تقیبان پاس
خبر باز جستند زان هوشمند / که پیدا کن احوال چرخ بلند

بگو تا چه گوهر شد این آسمان / کز و دور شد هر کسی آنکه آن
شتابنده راه دیگر سرای / چنین گفت کایزد و بود رهنمای

بسی رهبری بر فلک ساختم / بدین دل که من پرده بشناختم
چو خواهم شد اکنون بیچارگی / درین ره نه بینم خبر آوارگی

جهان فیلسوفی جهان خوانده ام / رصد بند هفت آسمان خوانده ام
اجل مدخل از دانش آراستم / نشستم دو رو هر چه میخواستم

همه در شناسائی اختران / فرو گفتم احوال گردون دران
کنون گر یقین گفت باید سخن / رها کن رصد نامهای کهن

بیزدان پاک ره آگهی ست / کاین خوان ... ازمان تهی ست
سخن چون بانجا رساند ساز / سخنگوی مردان سخن در باز

بهایی بود در چنین روشن چراغ / بفرمود کارند سیبی ز باغ
بکف بر نهاد آن فریبنده سیب / ببوی همی داد جان را فریب

نفس را چو زین طارم نیلرنگ / گذرگه درآمد بدان تنگ
بخندید و گفت الرحیل ای گروه / که صبح مرا سر برآمد ز کوه

زیزدان پاک آمد انجان پاک / سپرد دم دگر ره بیزدان پاک
بگفت این و بر زد یکی آه سرد / برآورد گردون از نیز گرد

چو بگذشت و بگذاشت آن سیب را / بیاران نینداخت آن سیب را
مغنی بآن جرعه جان نواز / برآهنگ ما ناله نو بساز

که گفتیم چون بلبل از ناله است / بآن ناله زین ناله دانیم رست

انجامش روزگار هرمس حکیم

چو هرمس بآیین رفتار سید / رهی دید کز وی رهائی ندید
فرو رفت و گفت آفرین بر کسی / که کاک گیتی ندارد بسی

چه باید گران بای ساختن
ز کوه گران تا بدریای ژرف
من آن آهوی وحشیم همچو گور
شما نیز چون عزم راه آورید
مغنی بر آرای لحن درست
بدان لحن بردن توان بار داد
چنان شد حکایت درین مرز و بوم
بدان طفل مانم که هنگام خواب
درین چار طبع مخالف نهاد
بود چار دیوار آن خانه سست
همان آرزو خواهیم در سرست
مغنی بیاد آر بر یاد من
چو والیس را سر درآمد بخواب
نشسته رفیقان بر گرد بستر ش
ز نیروی طالع خبر باز جست
بآن همنشینان که بودند پیش
که این اختران گرچه فرخ پی اند
شمار ستم تا نیاید بسر
فلک تا سیده بآن باز گشت
مغنی درین پردهٔ دیر سال
بلیناس را چون سر آمد زمان
که هنگام کوچ آمد آهنگ فراز
بدین هفت هیکل که دارد سپهر
گهی در حرم غنچه را بکاخ
شد آمد بقدر زمان کی کنم

چو باید بدریا درانداختن
در و بام پر شد ز باران و برف
بپای خورم رفت باید بگور
بپاکی بیزدان نیاز آورید

جهان خانهٔ خس بود از نخست
چو شد آهو و گور و آدم پدید
درین ره پناه خود از هیچکس
درین گفتنش خواب خوش باز برد

انجامش روزگار افلاطون حکیم

همه نغمهای جهان از یاد
که بالغ ترین کس منم ز اهل دم
بگهوارهٔ خوابش آرد شتاب
که آب آید و آتش و خاک و باد
که بنیادش اول نباشد درست
کهن من شدم آرزو نو سرست
سرودی بر آهنگ فریاد من

فلاطون چو در رفتن آمد چه گفت
چو در پردهٔ مرگ ره یافتم
نخفتن بنش رهنمون آیدش
چگونه توان راستی یافتن
گذشت از صد و سیزده سال من
بدین بستان چون زمانه گذشت
بکن شادم از شادی این سرود

انجامش روزگار والیس حکیم

ببازی گری چون فلک بسترش
بناهای او تا در آیا فت سست
خبر داد ز اندازهٔ عمر خویش
ز نافرخی نیز خالی نیند
بگیتی نیاید کسی دادگر
ورقهای ما باز اندر نوشت
نوائی برانگیز و با آن خیال

چو سر ناتوان یافت تیمار جست
ستاره دل از داد بر داشته
چنین گفت کایمن مباشید بس
چه نحس او فتد دور سیارگان
چو باز اختر سعد یابد قرار
چو گفت این بنا هنده اگر دبار
اگر با نوائی چنان نالهٔ

انجامش روزگار بلیناس حکیم

بجای دگر می کنم ترکتاز
سرم هم فرو نیاید از ماه و مهر
گهی بر پرم طوطی را بشاخ
بدو نیک خود را نهان میکنم

گلین خانهٔ کو سرای نخست
من از درج گیر بنا خسروم
پری دارم از چشمها ناپدید
چگونه نهم بر سر سدره پای

لورهٔ ناتوان هر گیاهی که رست
اگر نیز بنده شد گور و آهو رمید
نسازم بجز پاک یزدان و بس
سخن را چه رانم که او نیز مرد
که هر دو تنم راست او تار هست
که ما نیز در خاک خواهیم خفت
ز هر پردهٔ روی بر تافتم
نداند که آن خواب چون آیدش
ز گرمی بباید عنان تافتن
بده سالهٔ ماند احوال من
فلک فرش او نیز در هم نوشت
نگر تا نگردم ز آب این هفت رود
در افگند کشتی بدریای آب
تو منّدر انا تو توانی شکست
ستمگر شده داد بگذاشته
ازین هفت هندوی کحل خرب
بود دور دور ستمکارگان
به نیکی رسد کار نیک اختران
فرو بست لب دیده بر هم نهاد
فرو بارد از اشک من ژاله
چنین گفت در گوش کارآگهان
چنین تن مسکلی دان که جائی نشست
که در خانه می آیم و میروم
بهر جا که خواهم توانم رسید
چو خواهم کنم در دل حجره جای

بدشت و بدریا توانم گذشت
من آنم که خواهم شدن بر فراز
براسود ز آشوبهای جهان
وگر زان ترنم شوم خفته خیز
چو آمد گه عزم فرفوریوس
چو پابندگی نیستش در سرشت
کما گر همیشه خمیده شود
همه سال محمل کشش بار سنج
مغنی درآور سرم را ز خواب
مگر کاب آن رود چون آب رود
شنیدم که زهری برآمیختند
چنین گفت چون مرگ آمد بسر
همه زیرکان گرد بالین او
بسقراط گفتند کای هوشمند
تبسم کنان گفت کای نیکزاد
درآمد بما نیز طوفان خواب
مغنی بره رامش جان بساز
نظامی چو این داستان شد تمام
زبس روزگاری همین برگذشت
چو حال حکیمان پیشینه گفت
بخندید و گفتا که آهن نگار
درین گفتگو بود خوابش ربود
رونده رهی رو که بر رود ساز
گر این نغز دان است روزگار
الملک نصرة الدین که چرخ بلند

نیک است

منظور

هم الیاس دریا و هم خضر دشت
برون زان زمین هرچه ماند باز
که چشتی بود مرگ با همرهان

جز این هرچه یابی در ایوان مست
چو گفت این ترانم بآواز نرم
مغنی بیار آن نوای شگفت

انجامش روزگار فرفوریوس حکیم

بنه بر شتر بست و بنواخت کوس
چه تاریک دوزخ چه روشن بهشت
قبا دوز قبه دریده شود
نیاساید از محنت درد و رنج

بهم صحبتان گفت کاین باغ نغز
ز دانائی ماست را سپاس
ترازوی چربی فروشان برنگ
چو پرداخت زین نقش پرگار او

انجامش روزگار سقراط حکیم

بخشکی و تری برآرد بسر درد
نهان اندرش در گلو ریختند
نشاید شدن مرگ را چاره گر
نشستند بر گرد آنگه او
چو بیرون شود جان ازین شهربند
که بر رفتگان دل نباید نهاد
فرو برد چون دیگران سر بآب
نوازش کنم زان همی جان نواز

چو سقراط از رفتن آمد فراز
تن نیز هر خوارش چو شد دردمند
دران خون که افسرده گردد بجوش
چو دیدندگان مرغ علوی خرام
فرو ماند از جنبش اعضای تو
گر هم بار پابند گیرید پای
شدند آگه آن زیرکان در نهفت
چنان زن نوازی که تا بعد

انجامش روزگار نظامی رحمة الله علیه

اگر تاریخ عمرش ورق در نوشت
حکیمان بخفتند او نیز خفت
بآمرز شم کرد امیدوار
تو گفتی که بیدارش خود نبود

فزون بود شش و شصت سیر سال
رفیقان خود را بگاه رحیل
ز بار رحمت خویش ارید دور
مغنی ره رامش آور پدید

دعای پادشاه سعید رحمة الله علیه

خرد باد بر شاه ما یادگار
باو داد بازوی خود را کمند

بقا باد شه را به نیروی بخت
گشاینده را زهفت اختران

بمن همنشین ست برخوان من
اشوهمرهان بازگی گرد گرم
گرفته رها که خواهم گرفت
نه بینیم مگر خواب آشفته تیز
که ریحان چشم ست مینوی مغز
که از رهزن ایمن نشد ده شناس
بود چرب و چربی ندارد بسنگ
کشیدند خط نیز بر کار او
بابریشم چنگ و رود و رباب
دو اسپه بپیش اجل رفت باز
بسوی سفر نعره زد بلند
چه زهر هلاهل چه دارو و نوش
بوقت رفت خواهد برون زدام
کجا به بود ساختن جای نو
بهر جا که خواهید سازید جای
که او ستاد دانا بایشان چه گفت
که در بزم خسرو زدی باربد
بعزم شدن نیز برداشت گام
که عزم ره برد هل و دوال
که از ره خبر داد که از سبیل
شما دین سراهای دار السرور
که غم شه بپایان و شادی رسید
چو عمر شه آن راد باشید دراز
برد باو سر سبزی تاج و تخت
ولایت خداوند هشتم قران

شهنشه

نشستند که بزم کسری وکے
فریدون کمر شاه فیروز پے
لبش حقهٔ نوشدار وی عهد
وز روزنده این چرخ فیروزه مهد

ز شیرینی چشمهٔ نوش او
شده نوش او حلقه در گوش او
چو بزمی بر آراید او بامداد
نشینند دران بزم چون کیقباد

دران انگبین خانه بینی چو نحل
بجوش آمده ذو فنونان نحل
که هر ذو فنون بفرهنگ و هوش
بسازد فنونے که باید گوش

نشسته بهر گوشه گوهر کشے
بر انگیخته آب از آتشے
ملک پروری ملائک سرشت
کلید در باغهای بهشت

وزیری بتدبیر پیش از نظام
باکفی الکفایه بر آورده نام
چو شه چون ملک شه بود دستگیر
نظامی دوم شاید او را وزیر

ز هر کشوری شخصی کرده گزین
همه اهل دانش همه اهل دین
چو گل خوشتر از بادشاهان فرخ شخند
چو بلبل بمستی همه هوشمند

همه نیم هشیار و شه نیم مست
همه چرب گفتار و شه چرب دست
که وارد چنین بزم از خسروان
جز او هم ملک هیچنان پهلوان

بدین بزم کاشوب را کار نیست
جز این نامهٔ نغز را بار نیست
بدان تا جهان را تماشا کند
رصد بندی کوه و دریا کند

گہے تاختن در طراز آورد
گہے دم بجنبش ترکتاز آورد
نشسته چو پانجوی در ملک خویش
جهان ملک آفاقش آورده پیش

بفیروزی این نامهٔ دلنواز
در هفت کشور بر و کرد باز
بدو مجلس شاه خرم شده
تصاویر پرکار عالم شده

توی وارث بزم کیخسروے
ببازوے تو پشت دولت توے
نظر کن درین جام گیتی نمای
ببین انچه خواهی ز گیتی خدای

خیالے چنین جلوه گے زادگے
دهم غره شه را بشهزادگے
بمن بر جهان در گشاد این کلید
که دری ز دریای آمد پدید

که تا میل هیچ بر تخت عاج
چنان بر نبود دست هیچ تاج
چو مهد من آید بتقدیر کار
اگر مهدی آید شگفتی مدار

بر آرای بزمی بدین خرمے
کمر بند چون آسمان بر زمین
چه بودی که در خلد این بزمگاه
مرا یک ماند ادی اقبال راه

مگر زان تهی بزم آراسته
نگارم ز هندی ابد برخاسته
چو آن یاوری نیست دُر دریاے
که در مهد مینو کنم تکیه جاے

فرستادن جان بمینوی پاک
باز رحمت آورد دل تیره خاک
دو گوهر بر آمد ز دریای من
فروزنده از روی شان رای من

یکی عصمت مریمے یافته
یکی نور عیسے برو تافته
بخوبی شد این هر دو بدر منیر
چو شمس آن بر و شد لبی بی نظیر

بنو تنگه شه دو هندو غلام
یکی مقبل و دیر اقبال نام
فرستاده ام هر دو را نزد شاه
که یاقوت را درج دار ز نگاه

عروسی که دور از مادر بود
به از پرده دارش برادر بود
بباید چو آید بر شهریار
چنین پردگی را نهان پرده دار

چو من نخل خاص تو جان داده ام
جگر نیز با جان فرستاده ام
چنان بارگر دانش نزد خویش
گر امید من باشد آن نخ بیش

مگر تا بدینجا سر آمد سخن
تو دانی دگر هر چه خواهی بکن
درین داوری بخت یار تو باد
سعادت مدد بخش کار تو باد

بکام تو باد از زمین و زمان
ز تو دور بادا بد بدگمان

در نصیحت فرزند خود گوید

خرد مند بیدار باش ای پسر
بهازی اسپر عمر خود ای پسر
ببین تازه تخمی که من کاشتم
چه بر بود دانا به که برداشتم

تو نیز ار علم بر بلندی زنی
به از حلقهٔ هوشمندی نے
محمد بدان کرده ام نام تو
که محمود باشد سرانجام تو

چو من نام نیکت نهادم نخست
بکن نیکنامی بخود بر درست
بتقدیر کاری برافروز رای
گزان کار خوشنود باشد خدای

مرا چون تویی و کوشش بی رنج نیست
ز دانش بتو اندرزها کرده ام
دگر باره اندرز نو ساختن
بهر کارگاهی که شایسته بود
چه حاجت بدین مهربازی ترا
چو از پوست و از استخوان در گذشت
فرس در دبستان تعلیم تاخت
تو نیز ای جهان برافروخته
بصید ریاضت برانگیز رخش
سخن پروری مایه اصل تست
کتابی گرانمایه داری چهار
همه کار ها ز داوری دور کن
بانگاه اگر نیک یابی درین پرده راه
جهان بر وجود تو فرخنده باد
چو گوهر برون آمد از کان کوه
من این گنج را آوردم از نای سنگ
بقارونی قفلداران گنج
نیوشنده باز جویم ز هوش
بسی لاب در گنج پرداختن
سخن را نیوشنده باید نخست
ولیکن بسنگ آزمایان کوه
که ما را ده این گوهر شب چراغ
ز دریا گذر تیغ دریاست این
بدریا کند بیع دریا پدید
چو بی وزنی باشد اندازه را

ترا چون منی هست کو رنج نیست
مفرح بیاقوت پرورده ام
سهی سرو را سر برافراختن
خبر دادمت زانچه بایسته بود
خدا خود کند کارسازی ترا
با گندنا مغز مشغول گشت
گر آن آب و آن باد و آنرا شناخت
ز من درس دانش برآموخته
که رنج ریاضت بود گنج بخش
سخن را مکن پروز بازار سست
جداگانه هر یک ز من یادگار
بدستوری این چار دستور کن
برومند بادی باین پایگاه

بیاد آوران باری هفت سال
ازین چارده ساله گشتن عیاز
وزین رشته بر رشته افزودنت
چو شاخ برومند بالا کشید
هر آن میوه کز نسبت نخل است
همان طفل پرورده هوشمند
چراغ فروزان شده دلکشای
ز صورت بمعنی گراینده باش
اگر چند داری هنر ها بسی
جوانی و سرسبزی و تیز فهم
برادر چهار است پنجم توی
کلیدی که آنرا کنی بازجست
بهر جا که باشد ترا راه درست

که بر چشم ما چون گذشت آنچنان سال
چو ماه شب چارده جاده ساز
بر و نیز گوهر برآموختت
درختی بسر سبزی آمد پدید
پی استخوان کرد و زان اول درست
چو سر بر زد از جیب دانش بلند
ز صورت سوی معنی آور درای
در بستگی را گشاینده باش
گز آن به هنر ها نداری کسی
اشو در جوانی جهان گوشه گیر
گران جمله ارکان شد انجم توی
ز عنوان این نامه یابی درست
دعای منت باد و آئین بخت
وجود نظامی بتو زنده باد
خریدار گوهر بود گوهری
فروشم بگنجینه کشوری
بلی ماه با مشتری خویش نیست
چنان مفت دادن کشیدن عزیز
گشادن بر داستانهای نغز
همان گوهر افشاندنش بی قیاس
ز مهر منجنیقی گشادند سنگ
ز بی وزنی بیع بازار شان
خزینه چو در باش باشد کسی
ز اندازه بود گیتی پسند
جوابست پوشیده آهنگ را

دربیان خاتمهٔ کتاب

ز گوهر خزان گشت گیتی ستوده
بگوهر فروشی ترازو بچنگ
طمع دارم اندازه دست رنج
گره نشکنند نام گوهر فروش
جواهر بدریا در انداختن
گهی بی خریدار نیاید درست
پی من گرفتند چندین گروه
دگر گه گرانی بهروزن بر زباغ
بها گو که بیعی مهیاست این
که دریا بدریا توانی خرید
بلندی کجا باشد اندازه را

میان بست هر یک بگوهر خری
نه از بهر آن کان چنین گوهری
فرو ماند بهر کم و بیش نیست
بخشت کشی کوه کندن چه سود
ازان به که در گوش هر یک بغز
مرا مشتری هست گوهر شناس
چو لعل شب افروز آمد بچنگ
برآشفتم از سختی کار شان
چو در بیع دریا نشیند کسی
هر آوازکان شد بگیتی بلند
درین نکته گز گل بر و زنگ را

اگر تیره زمن در بتاراج ده
اگر زر ز دردانه تاراج ده

ز زانست چندین سخن مانده ام
همان آیت فاتحه برخوانده ام

که با من چنان سختی میکند
ستورم سبکتر ختی میکند

تهی نیست از برۂ خوان من
ز نا تندرستی ست افغان من

چو بر کار بیت نباشد درست
قلم چون نگردد بر کار سست

غزالی که با این درستی بود
همان خوردشان نخجیر لستی بود

بی گر چه شد سالی بر من کهن
نشد رونق تازگم از سخن

هنوزم کهن سرد دارد ذری
همان نقره خنگم کند خوش روی

نود وصم به پنجاه بیت از قیاس
نود و صد در ترازو نهد حق شناس

هنوزم ز نازنیبری بخت
سند در بدانان و دیبا به تخت

ولی دارم اندیشۂ سربلند
که بر صید شیران کنادم کمند

چو شیر افگنم صید خود بگذرم
خورد سینه روبا من چون خورم

جهانی چنین در غلط تاختن
سپهر همین در سر انداختن

چو سر سینه با گرچه از دگیخ د
چو سود از جوزه کن سینه خورد

بشصت آمد اندازۂ سال من
نگشت از خود اندازۂ حال من

همانم که بودم بده سالگی
همان دیو با من بدلا لگی

گذشته چنان شد که یادی نبست
فرو مانده هم زود خواهد گذشت

درازی و کوتاهی سال و ماه
حساب بس دارد دو دو چاه

چو دولت بی انجمن بیار و فراز
ازین خواه کوتاه خواهی دراز

من این گفتم و رفتم این قصه بند
ببازی نبیاید این قصه اند

قیوشدی به کو غم خود خورد
که او نیز ازین کوچگه بگذرد

نگوید کاو چون گذشت از جهان
کند چارۂ خویش با همرهان

کی روز من بر سر جهد خویش
سخن یاد دیگر دم اندر خویش

غم زندگان دید لم جای کرد
د چشمم مرا اشک پیامی کرد

شب آمد یکی از غریقان آب
چنین گفت با من بهنگام خواب

غم با آن غم سرا خود و بن تراز
که باشی تو بیرون ازین همرهان

ازان شب بسیج سفر ساختم
دل از کار بیهوده پرداختم

چو بار کاروانی درین تاختن
همین کار خود باید ساختن

کی این غنوم در بیدار هش
ز غوغای این باد قندیل کش

برادر زخم میفروشی خرم
چو جامه را بخون در رزم

گر از پشت گوران ندارم کباب
از گور تنگم هم ندارم عذاب

اگر نیست پالوده نغز پیش
کنم نغز پالوده از خون خویش

و گر خشک شد روغنم در دماغ
ز بی روغنی جان کنم چون چراغ

چو از جان تهی گشت طبل تنم
چو طبل از طبانچه خورم بشکنم

کرم بشکند گردش سال و ماه
مرا مومیائی کس اقبال شاه

خدایا تو این عقد یکرشته را
برومند باغی هنرمند را

بی یاری اندر جهان پایه باش
شب و روز زبد نگهدار باش

مهیا از آن شد این دهقان ری
بفیروز فالی و نیک اختری

ز هجرت چنان برد هم یادگار
نود و نه گذشته ز پانصد شمار

دراین بود نا سفته من سفتمش
بفرخ ترین طالعی گفتمش

ازان جا که بر مقبلان نقش بست
عجب نیست گر مقبل آرد بدست

چو برخواند این نامه را شهریار
خرد یاد دیش باد و فرهنگ یار

همین داستان باد از سربلند
همه او باد ازین داستان سربلند

نظامی بدو عالی آوازه باد
بنظم چنین نظم او تازه باد

بدو یاد فرخنده چون نام د
ز آغاز تا انجام او

چو می ده غالیه میفروش
ز ریحان ریحانی آید بجوش

سفال بریحان برآراستم
از خاک زخاک پیراستم

بریحانی آوردمش نزد شاه
که خرم بریحان بود دیرگاه

بچو شه دیده گوهر دل پسند
پسندیده شد کار گوهر بلند

ازان نقد پیشه که باشد درست
هزارم پذیرفت بود از نخست

چو من نزلی از خورد او ساختم ‏ بپایانی این در بر انداختم

ز هر گونه بیا و صد گونه چیز ‏ جہان خلعت پادشاہانہ نیز

بدان تا رسانندہ جو بجو ‏ رسانند ہر سالی از نو بنو

ہزارم پذیرفت داد از نود ‏ بسی چیز پا نیز در وی فزود

دو صد نقد دیگر ز دیوان بہر ‏ نوشتم باو را ز دیوان دہر

خدایا جہانرا بدین گنج بخش ‏ برافروز چون دیدہ از در خش

جہان را بجکش گرایندہ دار ‏ بدہ داد و دین ہر دو پایندہ دار

تمّت

خاتمۃ الطبع

للہ الحمد والمنۃ کہ درین آوان فرخی توامان کلام بلاغت نظام فصاحت التیام سرمایۂ بہتری حاوی زبانِ دری اعنی سکندر نامۂ بحری من تصنیف شریف علامۂ فہامی سخنورِ نامی وگرامی معرکہ آرائے میدانِ سخن زمینِ سخن آسمانِ سخن تاج الشعرا افصح الفصحا ابلغ البلغا شہیرۂ روزگار و استاذ الاساتذ حضرت مولانا مقتدانا مُلّا نظامی گنجوی رحمۃ اللہ الغفار و قدس سرہ السامی بتصحیح تمام وصحت مالا کلام در مطبع فیض منبع منشی نولکشور واقع کانپور بسرپرستی معلی القاب عالیجناب بابو پراگ نرائن صاحب بھارگو رائے بہادر مالک مطبع دام اقبالہ باہتمام پنڈت شیام ناتھ صاحب منیجر بماہ ہفتم ماہ اپریل ۱۹۱۰ع بجلیۂ طبع محلی شد

فقط